شاہ ولی اللہ دہلوی

کی

قرآنی خدمات

مرتب

پروفیسر محمد یسین مظہر صدیقی

پروفیسر ظفر الاسلام

مکتبہ قاسم العلوم

Marfat.com

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی قرآنی خدمات

مرتبہ

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

پروفیسر ظفر الاسلام

مکتبہ قاسمی العلوم

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی قرآنی خدمات
مرتبہ	پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی
	پروفیسر ظفر الاسلام
اہتمام	ملک اسد علی قاسمی
مطبع	نوید حفیظ پریس
سن اشاعت	2015
ناشر	مکتبہ قاسم العلوم

ڈسٹری بیوٹر

ملک اینڈ کمپنی

رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

042-37248209-37231119

Marfat.com

فہرست مضامین

مقدمہ	پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی	۵
تعارفی کلمات	پروفیسر ظفر الاسلام	۱۰
مقدمہ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن کا تجزیاتی مطالعہ	مولانا ضیاء الدین اصلاحیؒ	۱۳
الفوز الکبیر فی اصول التفسیر - ایک مطالعہ	ڈاکٹر جمشید احمد ندوی	۲۸
فتح الخبیر بما لا بد من حفظه فی علم التفسیر - ایک مطالعہ	ڈاکٹر علیم اشرف جائسی	۳۹
تفسیرِ قرآن میں اسبابِ نزول کا مقام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۴۷
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ناسخ و منسوخ آیات	ڈاکٹر محمد سلیم قاسمی	۶۳
شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور حروف مقطعات	ڈاکٹر نازش احتشام اعظمی	۷۲
فتح الرحمٰن کے امتیازات - فقہی تشریحات کے حوالہ سے	پروفیسر ظفر الاسلام	۷۸
شاہ ولی اللہ کی فقہی تحریروں میں قرآنی استدلال	ڈاکٹر ضیاء الدین فلاحی	۹۶
شاہ ولی اللہ اور فقہی مسائل میں قرآنی استدلال	ڈاکٹر محمد مشتاق تجاروی	۱۱۸

Marfat.com

فقہ اسلامی سے متعلق چند قرآنی اصطلاحات اور حضرت شاہ ولی اللہؒ ۱۳۰
مولانا محمد عاشق صدیقی

قرآن مجید اور ولی اللّٰہی تصوف ۱۴۱
پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

شاہ ولی اللہ کا نظریۂ ارتفاقات اور قرآنی منہاجیات ۱۷۷
ڈاکٹر عبید اللہ فہد

ازالۃ الخفاء کے قرآنی مباحث ۲۰۰
مولانا عبید اقبال عاصم

سیاسی فکرِ ولی اللّٰہی کی قرآنی بنیادیں ۲۱۱
پروفیسر بدر الدین الحافظ

الفکر القرآنی فی رسائل الامام ولی الله ۲۱۷
مولانا محمد طاہر الندوی

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی فارسی میں قرآنی خدمات ۲۲۶
پروفیسر عبد القادر جعفری

شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمہ کی قرآنی بصیرت ۲۳۷
پروفیسر زبیر احمد فاروقی

ہندوستان میں قرآن کی عوامی مقبولیت اور حضرت شاہ ولی اللہ کی خدمات ۲۴۹
ڈاکٹر محمد اسحاق

شاہ ولی اللہ دہلوی کی حکمت قرآن—مولانا عبید اللہ سندھی کے افکار کا مطالعہ ۲۶۵
ڈاکٹر عبد المجید خان

شاہ ولی اللہ کا تصور سعادت اور قرآن ۲۷۹
ڈاکٹر حیات عامر حسینی

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین
وعلیٰ اٰلہ واصحابہ اجمعین ومن تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین

فرمانِ الٰہی ہے کہ اس کتاب (قرآن مجید) کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو رفعت و بلندی عطا کرتا ہے اور اسی کی وجہ سے دوسروں کو پستی و ذلت میں گرا دیتا ہے: اسی سنتِ الٰہی کو ہدایت دینے اور گمراہی میں ڈالنے سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ تمام محدثینِ کرام، علماء وفقہاءِ اسلام اور دوسرے اہلِ نظر وفکر کا فکری اجماع ہے کہ قرآن مجید ہی دنیا وآخرت میں تمام سعادت ورفعت کا نسخہ ہے۔ تاریخی شواہد اور واقعات بھی اس کا اثبات کرتے ہیں کہ قرآن مجید کو تھامنے اور سینے سے لگا لینے والے ہمیشہ سرخرو رہے ہیں اور تارکِ قرآن ہوکر ملتِ اسلامیہ نے صرف نکبت و ادبار کا مزہ چکھا ہے، وہ خود بھی ذلیل وخوار ہوئے اور انسانیت کو بھی رسوا کیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بارہویں/ اٹھارویں صدی میں اپنی ملتِ اسلامیہ ہندیہ کی ذلت ورسوائی کا بنیادی سبب تشخیص کیا۔ یہ کوئی نئی بات نہ تھی لیکن انھوں نے اس بیماریٔ ملت کو دور کرنے اور اسے پھر سے صحت مند وتوانا بنانے کے لیے جو عملی نسخہ تجویز کیا وہ ہر لحاظ سے انقلابی اقدام تھا۔ حضرت شاہؒ نے قرآن مجید سے پوری ملت کو وابستہ کرنے کا انقلابی کام کیا، نہ جانے کیوں اور کیسے یہ فکری بیماری اور عملی مصیبت پیدا ہوئی کہ قرآن مجید کو صرف اہلِ علم بالخصوص علماء وفقہاء تک محدود کر دیا گیا۔ حضرت شاہؒ نے کتابِ الٰہی کی تنزیل کے مقصد کو خوب سمجھا اور

Marfat.com

اس کے مطابق نہ صرف فکرِ قرآنی عام کی بلکہ عملی طریقے بھی تجویز کیے۔

ان کی قرآنی فکر وعمل کی کئی جہات ہیں: اول انھوں نے قرآن مجید کا عام سلیس فارسی زبان میں ترجمہ کیا اور ان کے ضروری حواشی لکھے۔ فارسی اس زمانے میں عام تعلیم یافتہ اور علماء و اہلِ دانش دونوں کی زبان تھی۔ ترجمہ اور حواشی دونوں میں عام و خاص طبقات کی قرآنی ضرورتوں کی ہر طرح سے رعائت کی۔ عوام و خواص دونوں اپنی اپنی بساط کے مطابق اسے سمجھ سکتے ہیں۔ حضرت شاہؒ کے قلب و فکر میں یہ حقیقت قندیلِ قرآنی کی طرح روشن تھی کہ قرآن مجید جب اترا تھا تو وہ عامی اور خاص دونوں کی ضرورتوں کو پورا کرتا تھا اور عرب بدو اور قریش کے اہلِ فصاحت و بلاغت دونوں اپنی ذہنی سطح کے مطابق اس سے فیض اٹھا سکتے تھے۔

دوسرے یہ کہ حضرت شاہؒ نے اپنے ترجمہ وحواشی قرآن کریم کو صرف لکھ کر پیش کرنے کا ایک فکری نسخہ نہیں بنایا تھا، بلکہ اسے اپنے طلبہ اور مریدوں کو پڑھا کر اس کی افادیت وصحت کی جانچ بھی کی تھی۔ تحقیقات بتاتی ہیں کہ حضرت شاہؒ نے بار بار اپنے ترجمہ وحواشی قرآن کی تدریس وتعلیم کی تھی اور اپنی تصانیفِ عالیہ میں بھی اس کو برتا تھا اور ہر بار اس کو مزید سنوارا تھا۔ تیسری جہت یہ تھی کہ امتِ اسلامی خاص کر ملتِ ہندیہ کے تمام افراد وطبقات کو روزانہ انفرادی طور سے اس کو پڑھنے پر ابھارا تھا۔ اس باب خاص میں ان کا ''باجماعت مطالعۂ قرآن'' کا نسخہ بالکل نادر و نایاب ہے اور عملی لحاظ سے ایک عظیم الشان قدم اور دور رس ثمرات و نتائج کا حامل ہے۔ وہ خاص کر اہلِ سلوک وطریقت کو قرآن مجید کے ترجمہ وحواشی پڑھنے کا طریقہ بتاتے ہیں کہ مجلسِ سالکان و مشائخ میں ایک شخص پڑھے اور دوسرے سماعت کریں اور قراءت وسماعت کا سلسلہ اسی طرح بدلتا رہے۔ عام مرید وسالک کو روزانہ قرآن کریم کی تلاوت کے علاوہ فتح الرحمٰن کے ترجمہ وحواشی کو بھی پڑھنے کی برابر ہدایت کرتے ہیں۔

ان عام وعمومی جہات میں خاص جہت یہ تھی کہ عربی مدارس ومکاتب میں

Marfat.com

قرآن مجید کے پورے متن کی تدریس کو ضروری قرار دیا۔ ان کی فکر کی بلندی ہی نہیں، عملی تجربہ اور ملتِ اسلامیہ کی ضرورت بھی ان کی اس تجویز بلکہ نصاب میں موجود کارفرما تھی۔ ان کی اولین تجویز یہ تھی کہ عربی طالب علم کو جب وہ عربی زبان اور نحو و صرف پر اس قدر قادر ہو جائے کہ عربی سمجھنے لگے متنِ قرآن کریم ان کے ترجمہ کی مدد سے پڑھا دیا جائے تا کہ اس کے ''جوفِ'' قلب و ذہن میں اولین کلامِ الٰہی ہی اترے اور وہ کارفرمائی کرے۔ اسی کے ساتھ دوسری تجویز یہ تھی کہ جب تک متنِ قرآن کی تعلیم پوری نہ ہو جائے اسے کوئی تفسیر نہیں پڑھانی چاہیے کہ وہ اوروں کا کلام ہے۔ حضرت شاہؒ کے یہ دونوں نصابی کارنامے در اصل ان کے طریقہ نبوی کے عمیق مطالعہ پر مبنی تھے۔ گہرے مطالعہ اور قرآن مجید کے انفرادی و اجتماعی اثرات کے تجزیہ کے بعد ہی انھوں نے یہ دونوں طریقے تجویز کیے تھے۔ حضرت شاہؒ نے اپنے مدرسہ میں اور دوسرے مدارس میں بھی ان کا عملی تجربہ کیا۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے خلوص، مطالعہ، تجربہ، تحلیل و تجزیہ اور خالص عملی اقدامات نے ایک قرآنی تحریک پیدا کر دی۔ ان کے فرزندوں نے اردو میں چند دہائیوں کے بعد قرآنِ مجید کے متن کے ترجمے کیے اور حواشی لکھے اور ان دونوں میں روحِ فتح الرحمٰن جاری ساری کر دی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ فارسی کا چلن روز بروز کم ہوتا جا رہا تھا اور اردو تیزی سے عوام کی زبان اور خواص کی پسند بنتی جا رہی تھی۔ شاہ ولی اللّٰہی دور میں علمی اور عملی دونوں طریقہ سے تحریکِ قرآن مجید برپا رہی، اردو کے علاوہ سندھی اور دوسری علاقائی زبانوں میں ترجمے اور حواشی لکھے گئے اور ساتھ ہی حضرت شاہ کے فارسی ترجموں سے بھی ان کو مزین کیا گیا اور مدارس میں ان کی تعلیم و تدریس بھی کی گئی۔ یہ در اصل ولی اللّٰہی تحریک قرآن کے مفید ثمرات ہیں کہ برصغیر میں بالخصوص اور دوسرے دیارِ اسلام میں بالعموم متنِ قرآن تمام افراد و طبقات تک پہنچا۔ اردو میں اس کے بہت سے عمدہ ترجمے ہوئے اور تفسیری حواشی بھی لکھے گئے اور دوسری زبانوں نے بھی اس طریقہ سے فیض اٹھایا۔

Marfat.com

رفتہ رفتہ ملتِ اسلامیہ ہندیہ کی بدبختی اور مدارسِ عربیہ کی بدنصیبی عود کر آئی اور وہ مختلف خولوں میں بند ہو گئے۔ عوام کا رشتہ قرآن مجید سے کاٹ دیا گیا، تھوڑا بہت تعلق تلاوت کے ذریعہ باقی رہا، ان کو ترجمہ ومتنِ قرآن سے وابستہ نہیں کیا گیا، وہ خود فکر وعمل کے لحاظ سے بے مایہ ہیں، ذمہ داری علماء واہلِ طریقت کی تھی، انھوں نے اسی میں اپنی فلاح دیکھی کہ انھیں قرآن سے دور رکھیں۔ صرف یہ نہیں کہ علماء ومشائخ نے عوام کو متنِ قرآن کی طرف راغب نہیں کیا بلکہ ان کے بدباطنوں نے واویلا مچایا کہ وہ اس سے گمراہ ہو جائیں گے۔ انھوں نے مسلکی، فکری اور اداری عصبیتوں کی بناپر اگر کسی کو ترجمۂ قرآن پڑھنے کی اجازت بھی دی تو صرف اپنی پسندیدہ فکر کے ترجمان کی۔ دوسروں کے بارے میں ہمیشہ انہیں گمراہ کیا اور ان تراجمِ قرآن کو گمراہ کرنے والا بتایا۔ یہ زبانی وتحریری پرچار بڑا عبرت ناک ہے۔ خود علماء وفقہاء کا حال یہ ہے کہ وہ کسی نہ کسی فکر، مسلک اور ادارہ سے وابستہ اور اس کی عصبیت کے زندانی ہیں، وہ صرف اسی کو صحیح اور دوسرے کو غلط سمجھتے اور سمجھاتے ہیں۔ وہ قرآن مجید کے متن کے ضمن میں اپنی فکر، اپنی تشریح اور اپنی تفسیر پروان چڑھاتے ہیں۔ مشائخِ طریقت کا مقام وحال اور بھی ابتر ہے۔ وہ صوفیہ کرام کے احوال وکرامات اور کتبِ تصوف کے علاوہ کچھ نہیں پڑھتے پڑھاتے۔ دوسرے خواص کا بھی یہی حال ہے کہ وہ کسی نہ کسی فکر وخیال اور مسلک کے اسیر ہیں اور اصلِ قرآن کریم سے دور۔ المیہ یہ ہے کہ سب حضرت شاہؒ کا نام لیتے اور ان کی فکر سے اپنی نسبت کرتے ہیں اور فخر کرتے ہیں، حالاں کہ وہ فکرِ ولی اللّٰہی سے اسی طرح دور ہیں جیسے قرآن مجید سے۔

ادارہ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے حضرت شاہؒ کی تحریکِ انقلاب برپا کرنے کے لیے ایک خاص تحقیقی زاویہ قائم کیا۔ ایک عشرہ سے زیادہ عرصہ میں ان کی فکر وتحقیق پر متعدد مذاکرے، سمینار اور مباحثے منعقد کیے اور متعدد کتابیں بھی اس پر چھاپیں۔ انفرادی کاوشوں کی ہمہ ہمی کے ساتھ ساتھ اجتماعی

Marfat.com

کاہشیں بھی وجود میں آتی گئیں۔ موجودہ مجموعۂ مقالات دراصل حضرت شاہؒ کی قرآنی فکر پر پیش کیے گئے مقالوں کا چیدہ انتخاب ہے۔ کئی عمدہ مقالات ومضامین ہاتھ نہ لگ سکے جن کا شدید افسوس بھی ہے۔ یہ خدامِ ادارہ کی مجموعی پیش کش ہے جس کے ''خیل'' سب ہیں اور سرِخیل کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری کوششوں کو قبولیت سے نوازے اور ایک بار پھر تمام عوام وخواص کو اپنے کلام مجید سے جوڑ دے تاکہ ہم سب یقینی سعادتِ دارین حاصل کرسکیں۔ واللہ ولی التوفیق

۳۰ محرم الحرام، ۱۴۳۳ھ
۲۶ دسمبر، ۲۰۱۱ء

خادم علم وعلماء
محمد یٰسین مظہر صدیقی

Marfat.com

تعارفی کلمات

قرآن کریم اللہ رب العزت کی عظیم ترین نعمت ہے۔ یہ جملہ انسانیت کے لیے باعثِ ہدایت و رحمت ہے۔ اس سے فیض یابی کا سلسلہ زمانۂ نزول سے جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا۔ اس کتاب مقدس کی نسبت سے جو خدمت بھی کی جائے وہ باعثِ خیر و برکت ہے۔ ترجمہ و تفسیر قرآن اور قرآنی علوم کی تشریح و ترجمانی اس خدمت کے اہم پہلو ہیں۔ یہ خدمت زبانی انجام دی جاتی ہے اور تحریری صورت میں بھی۔ وہ ہستیاں بڑی مبارک ہیں جنھوں نے اپنی صلاحیتیں اس نیک کام کے لیے وقف کیں یا جن کی زندگی کا بیشتر حصہ قرآنی پیغام کو عام کرنے اور قرآنی علوم کو فروغ دینے میں بسر ہوا۔ وہ اسی فکر و کوشش میں لگے رہے کہ کس طرح لوگوں کا ذہن قرآن کی طرف مڑ جائے اور کیوں کر اس کتاب ہدایت کے معانی کی تفہیم کی راہ ان کے لیے ہموار ہو جائے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ (۱۷۰۳-۱۷۶۲ء) بلاشبہ ملت اسلامیہ ہند کی انہی مبارک ہستیوں میں سے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ہندوستان میں شاہ ولی اللہؒ سے قبل کسی عالم نے فارسی میں قرآن کا ترجمہ نہیں کیا تھا یا تفسیر نہیں لکھی تھی یا قرآنی علوم پر قلم نہیں اٹھایا تھا۔ یہ سلسلہ تو اس سرزمین میں مسلم حکومت کے اولین دور (عہد سلطنت) سے جاری ہے۔ شاہ صاحب کا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے اس کام کو ایک مشن یا تحریک کے طور پر انجام دیا اور دعوتِ رجوع الی القرآن والسنہ کو اپنی اصلاحی تحریک کا بنیادی جز قرار دیا۔ اپنے وقت کی مروجہ زبان میں قرآن اور ایک مجموعہ حدیث (موطا امام مالک) کا

Marfat.com

ترجمہ وتشریح کرکے عام پڑھے لکھے لوگوں کی ان کے معانی تک رسائی کو آسان بنایا۔ پھر اسی سے اردو میں ترجمۂ قرآن کی تحریک پیدا ہوئی جس کے سرخیل ان کے صاحب زدگان شاہ عبدالقادرؒ وشاہ رفیع الدینؒ ہیں۔ اس ضمن میں شاہ ولی اللہؒ کا دوسرا اہم کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے ''مقدمہ فی قوانین الترجمہ'' میں ترجمہ قرآن کے اصول وضوابط تفصیل سے واضح کیے اور اصول تفسیر پر ایک مستقل کتاب (الفوز الکبیر فی اصول التفسیر) تصنیف کی۔ ان دونوں سے مترجمین ومفسرینِ قرآن کو بڑی رہنمائی ملی اور آج بھی ان سے استفادہ کا سلسلہ جاری ہے۔ مزید براں انھوں نے تفسیر قرآن سے متعلق مختلف علوم پر اپنے نتائج فکر بڑی وضاحت سے پیش کیے۔ محکمات ومتشابہات، شان نزول، ناسخ ومنسوخ، حروف مقطعات اور نظم قرآن سے متعلق نہایت مفید بحثیں ان کی کتابوں میں ملتی ہیں جن سے ہر دور میں اہل علم بالخصوص قرآنی علوم سے شغف رکھنے والے فائدہ اٹھاتے رہے ہیں۔ اسی طرح شاہ صاحب نے دوسرے موضوعات پر اپنی کتب میں قرآن مجید سے کافی استناد کیا ہے۔ سچ یہ ہے کہ شاہ صاحب نے قرآن کریم سے متعلق جو علمی یادگاریں چھوڑی ہیں ان میں عوام وخواص دونوں کے لیے فیض یابی کا بہترین ذخیرہ دستیاب ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی انہی قرآنی خدمات کی وقعت، اہمیت وافادیت کے پیش نظر شعبۂ اسلامک اسٹڈیز (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) کے زیر اہتمام ''شاہ ولی اللہ دہلوی کی قرآنی خدمات'' کے موضوع پر دوروزہ سیمینار ۵-۶ دسمبر ۲۰۰۳ء کو پروفیسر عبدالعلی صاحب کے دور صدارت میں استاد گرامی پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی صاحب کی سربراہی میں منعقد ہوا تھا۔ پیش نظر مجموعۂ مقالات اس سیمینار میں پیش کردہ مقالات کا منتخب مجموعہ ہے۔ اِن مقالات کی کمپوزنگ چند سال قبل شروع ہوئی تھی لیکن کچھ ایسے موانع پیش آگئے کہ اس کی تکمیل میں تاخیر پر تاخیر ہوتی چلی گئی۔ متعدد مقالات کے مسودات کٹے پٹے اور ان کی فوٹو کاپیاں ناصاف تھیں اس کی وجہ سے بھی بڑی دشواری پیش آئی۔ اسے اس کتابِ عظیم کی برکت کہیے جس

Marfat.com

کے نام پر یہ سیمینار منعقد ہوا تھا کہ اس کے مقالات کا مجموعہ تاخیر ہی سے سہی لائقِ اشاعت ہوگیا۔ مقالات کی ترتیب موضوع کے لحاظ سے قایم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ مجموعہ اس لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے کہ اس کے مضامین میں تنوع پایا جاتا ہے۔ اس میں ترجمہ قرآن، فن ترجمہ، اصول تفسیر و متعلقہ علوم کے علاوہ فقہ، تصوف، فلسفہ، عمرانیات وسماجیات اور سیاست وحکومت جیسے مختلف موضوعات پر شاہ صاحب کے مباحث کا قرآن کے حوالہ سے مطالعہ و تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ اس مجموعۂ مقالات کی اشاعت میں تعاون کے لیے ہم صدر شعبہ پروفیسر سید احسن صاحب کے ممنون ہیں۔

پروف ریڈنگ کی غلطیوں سے شاید ہی کوئی کتاب مبرا ہو، اس میں بھی اس طرح کی غلطیاں ہوگی اور بعض دوسری خامیاں بھی ہوسکتی ہیں، ان کی نشاندہی کے لیے ہم قارئین کے ممنون ہوں گے۔ اللہ کرے یہ مجموعہ مقالات شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی قرآنی خدمات کو اجاگر کرنے اور ان کی قرآنی فکر کے افہام وتفہیم کے لیے مفید ثابت ہو۔ اللہ رب العزت ہمیں قرآنی فکر کو اپنے دل و دماغ میں جاگزیں کرنے اور علم قرآن کی اشاعت کی توفیق نصیب فرمائے۔

۵ صفر المظفر ۱۴۳۳ھ
۳۱ دسمبر، ۲۰۱۱ء

ظفر الاسلام
شعبہ اسلامک اسٹڈیز
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

Marfat.com

مقدمہ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن کا تجزیاتی مطالعہ

مولانا ضیاء الدین اصلاحی ☆

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ ہندوستان کے ان علماء کبار میں ہیں جن کے علمی و دینی، فکری و تحقیقی اور اصلاحی و تجدیدی کارناموں کا غلغلہ پوری دنیا میں مچا ہوا ہے۔ مولانا شبلی رقم طراز ہیں:

''ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد بلکہ خود انہی کے زمانے میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزل شروع ہوا تھا اس کے لحاظ سے یہ امید نہ رہی تھی کہ پھر کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہوگا، لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھانا تھا کہ اخیر زمانے میں کہ اسلام کا نفس واپسیں تھا، شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی، ابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے''[۱]۔

تفسیر، حدیث، فقہ، کلام اور علم اسرار الدین میں ان کی اولیت اور انفرادیت کے جلوے گوناگوں ہیں۔ ہر علم وفن میں ان کا انداز نظر واضح طور پر اپنے زمانہ سے جدا ہے، ان کی ذہانت، عبقریت اور مجتہدانہ ذوق نے ہر روش اور ہر چمن میں نئے گل بوٹے پیدا کیے ہیں اور علم و ہنر کا ایک تازہ جہاں آباد کیا ہے۔

شاہ صاحب کے گوناگوں کارناموں میں سب سے نمایاں اور ممتاز کارنامہ قرآن مجید اور اس کے علوم و معارف کی ترویج و اشاعت ہے، انھوں نے اپنے عہد کی دفتری و تعلیمی زبان فارسی میں قرآن مجید کے ترجمہ و تحشیہ کا لازوال

☆ رحمۃ اللہ علیہ ونور اللہ مرقدہ

Marfat.com

کارنامہ انجام دیا ہے جس کی بدولت ہندوستان میں قرآن فہمی کا عام چرچا ہوا اور اُردو اور دوسری زبانوں میں بھی قرآن مجید اور احادیث نبوی کے ترجمے کا دروازہ کھل گیا۔

شاہ صاحب نے قرآن مجید کا جو ترجمہ کیا تھا اس کا ایک دیباچہ بھی تحریر کیا تھا جو ان کے مطبوعہ قرآن کے ساتھ چھپ گیا ہے اس میں متعدد اہم مسائل اور ترجمہ قرآن کے متعلق اصولی باتیں نیز خود اپنے ترجمہ قرآن کے متعلق مفید چیزیں قلم بند کی ہیں۔ ذیل میں اس کا مفصل جائزہ لینے کے بعد الفوز الکبیر اور فتح الخبیر کا بھی اجمالی تعارف کرایا جائے اور آخر میں ان کے ترجمہ کا تکملہ بھی زیر بحث آئے گا۔

مقدمہ کی ابتدا ایک تمہید سے ہوتی ہے اس میں خدا کی حمد و ثنا اور آنحضرت ﷺ کی پہلے مدح و منقبت کی ہے۔ شاہ صاحب نے اس میں کئی اہم اور لائق توجہ باتیں ارشاد فرمائی ہیں مثلاً:

(۱) قرآن مجید کو خدائے تعالیٰ نے اپنی رافت تامہ کی بنا پر اپنے بندوں پر نازل فرمایا ہے تاکہ وہ خدا کی مرضی اور ناراضگی سے واقف ہوں، نفس کے مکاید، اعمال قبیحہ اور اخلاق رذیلہ کی تاریکیوں سے چھٹکارا حاصل کریں اور حظیرۃ القدس کی راہ پائیں۔

(۲) رسول اکرم ﷺ نے ہم کو سعادت دارین سے مطلع فرمایا اور دونوں جہاں کی مصلحتیں بوجہ اتم ہم پر واضح کیں، نہ آپ کے بیان سے واضح تر کوئی بیان ہے اور نہ آپ کی رحمت سے بڑھ کر کوئی رحمت ہے۔

(۳) نیک بخت ترین وہ ہے جو آپ کی اتباع کرے اور بد بخت ترین وہ ہے جو آپ کی پیروی سے منحرف ہو جائے۔

دینی کتابوں کی تصنیف کا مقصد مسلمانوں کی خیر خواہی

مسلمانوں کا باہمی خیر خواہی کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ اسی

Marfat.com

خیر خواہی کے نتیجہ میں علمائے دین اور اکابر اہل یقین نے ہر زمان و مکان میں تفسیر، حدیث، عقاید، فقہ اور سلوک میں بے شمار کتابیں لکھیں، بعض نے اپنی تصنیفات میں اطناب سے اور بعض نے اختصار سے کام لیا، کچھ لوگوں نے عربی زبان میں علم وفن کے موتی بکھیرے اور کچھ نے عجمی زبان میں کتابیں لکھیں۔

موجودہ زمانہ میں قرآن مجید کا ترجمہ کرنا مسلمانوں کی خیر خواہی کا اقتضا ہے:

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ''ہم لوگ جس زمانہ اور جس ملک میں رہتے ہیں اس میں مسلمانوں کی خیر خواہی کا انتضا یہ ہے کہ قرآن عظیم کا ترجمہ فارسی زبان میں ایسا سلیس اور روزمرہ کے مطابق کیا جائے جو تکلف و تصنع اور عبارت آرائی سے پاک ہو اور اس میں قصوں، حکایات اور مختلف النوع توجیہات سے کوئی سروکار نہ رکھا جائے تا کہ عوام وخواص اسے یکساں طور پر سمجھ لیں اور چھوٹے بڑے سب ہی اس کا ادراک کرلیں۔ اسی لیے اس اہم اور نازک کام کا داعیہ فقیر کے دل میں پیدا ہوا۔

شاہ صاحب کا یہ بیان اگر اس روشنی میں پڑھا جائے تو اس کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ ہوگا کہ ان کے زمانہ میں قرآن مجید کی طرف سے بے توجہی بہت بڑھی ہوئی تھی، لوگ فقہ و معقولات اور کلام و عقائد کی لاحاصل اور پیچیدہ بحثوں میں الجھے ہوئے تھے اس زمانہ کی علمی و تعلیمی زبان فارسی میں جو ترجمے ہوئے بھی تھے وہ اولاً تو مفقود تھے ثانیاً سلیس، روزمرہ اور محاورہ کے مطابق نہ تھے۔

شاہ صاحب کے ترجمہ قرآن کی سرگذشت

وہ اپنے ترجمہ قرآن کی تالیف کی روداد اس طرح بیان کرتے ہیں۔

''میں نے پہلے غور وخوض سے چند ترجموں کو دیکھا تا کہ ان میں سے جو ترجمہ میرے مقررہ معیار اور موجودہ دور کے مذاق کے مطابق ہو اس کی ترویج کی فکر وکوشش کی جائے مگر بعض ترجموں میں تطویل واطناب تھا اور بعض میں خلل انداز

Marfat.com

تقصیر و اختصار تھا، کوئی بھی اس معیار کا نہ تھا جو مطلوب تھا اس لیے میں نے ترجمہ کی تالیف کا عزم مصمم کرلیا اور بقرہ و آل عمران کا ترجمہ تیار کرلیا لیکن اس کے بعد حرمین کے سفر سے واپسی پر ترجمہ پڑھانا شروع کیا اس تقریب سے پھر ترجمہ کی تحریک پیدا ہوئی چنانچہ طے ہوا کہ ان کو جس قدر قرآن کا ترجمہ پڑھاؤں گا اس کے بقدر ترجمہ لکھتا بھی جاؤں گا اس طرح ابھی ایک تہائی قرآن مجید کا ترجمہ ہوا ہوگا کہ وہ عزیز سفر میں چلے گئے اور ترجمہ کا کام پھر رک گیا اور ایک مدت کے بعد پھر ایک تقریب پیدا ہوگئی اس کی وجہ سے وہ پرانا خیال عود کر آیا اور دو ثلث تک ترجمہ مکمل ہوگیا، اسی اثنا میں بعض دوستوں نے مشورہ دیا کہ مسودہ کا مبیضہ تیار کرلیا جائے اور ترجمہ کے ساتھ ہی آیات قرآنی کا متن بھی ضبط تحریر میں لایا جائے تاکہ ایک مستقل نسخہ تیار ہوجائے۔

انہی سعادت مند دوست نے عیدالاضحیٰ ۱۱۵۰ھ سے تبییض شروع کی اور جس قدر مسودہ تیار ہوچکا تھا اسے جب وہ صاف کرچکے تو پھر حرکت پیدا ہوئی اور آخر تک کا مسودہ مکمل ہوگیا۔ اسی طرح شعبان کے اوائل میں ترجمہ کی تالیف سے فراغت ہوئی اور اسی سال اوائل رمضان ۱۱۵۱ھ میں اس تبییض کا کام بھی پورا ہوگیا۔ اس کے بعد ۱۱۵۶ھ میں برادر دینی عزیز القدر[۲] خواجہ محمد امین اکرمہ اللہ تعالیٰ بشہودہ کے اہتمام سے اس کتاب کی ترویج ہوئی اور اس کا درس شروع ہوا اور اس کے متعدد نسخے تیار ہوگئے اور اہل عصر بھی اس کی جانب ملتفت ہوگئے۔

للہ الحمد کہ آں نقش کہ خاطری بست　　آمد آخر ز پس پردہ تقدیر پدید

مقدمہ کی اہمیت

شاہ صاحب کے نزدیک خود بھی اس مقدمہ کی بڑی اہمیت تھی اس لیے وہ ترجمہ قرآن کے مطالعہ سے قبل مقدمہ کا مطالعہ ضروری قرار دیتے ہیں اور فرماتے

Marfat.com

ہیں کہ اس ترجمہ میں خصوصاً اور فن ترجمہ میں عموماً علیٰ وجہ البصیرت غور وخوض اسی پر موقوف ہے۔

شاہ صاحب کے ترجمہ قرآن کی نوعیت

یہ کتاب فن ترجمہ قرآن کی ہے جس میں نحو وقواعد کی رعایت کرتے ہوئے عربی مضامین ومطالب کو فارسی عبارت میں ادا کیا گیا ہے۔ مفہوم کو مقدم رکھا گیا ہے محذوف کو ظاہر کیا گیا ہے، الفاظ کی ترتیب میں قرآن کے متن کی پابندی کی گئی ہے، سوائے ان جگہوں کے جہاں دونوں زبانوں کے فرق واختلاف کی وجہ سے ترتیب کا لحاظ کرنے میں رکاوٹ اور مفہوم میں تعقید لازم آتی ہو، اسباب نزول کے بیان اور مشکلات کی توجیہ پر بقدر ضرورت توجہ دینا ضروری سمجھا گیا ہے۔

ترجمہ قرآن کے مطالعہ کے لیے شاہ صاحب کی ہدایتیں اور مشورے

قرآن مجید کا متن اور فارسی کے مختصر رسائل پڑھنے کے بعد جب فارسی زبان کے بے تکلف سمجھنے کی استعداد پیدا ہو جائے تو اس ترجمہ کو شروع کرانا چاہیے خصوصاً سپاہیوں اور پیشہ ور لوگوں کے بچوں کے سن شعور کو پہنچنے کے ساتھ ہی اس کی تعلیم دینی چاہیے کیونکہ ان سے اس کی امید نہیں کہ وہ علوم کی مکمل تحصیل کریں گے تاکہ ان کے دلوں میں پہلی چیز جو جاگزیں ہو وہ کتاب اللہ کے معانی ومطالب ہوں اس سے ان کی فطری سلامتی باقی رہے گی اور وہ ملاحدہ کی باتوں کے دل دادہ نہ ہوں گے جو پاک باز صوفیہ کے خط وخال کو داغ دار کرتے ہیں، خام عقلیت پسندوں اور غیر مسلموں کی پست اور بے ہودہ باتوں سے محفوظ رہیں گے اور ان کے افکار وباطل خیالات کی آلودگیوں سے ان کا قلب ملوث نہ ہوگا اور نصف عمر گذرنے کے بعد انھیں توبہ کی توفیق میسر آئے گی۔ اس کتاب کو اگر لوگ یاد کرلیں تو انھیں قرآن کی تلاوت میں لطف ملے گا اور جمہور مسلمانوں کو بھی اس سے نفع

Marfat.com

متوقع ہے۔

بچوں اور مبتدیوں کے لیے اس کا فائدہ ظاہر ہے مگر اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جن کا زیادہ وقت فکر معاش میں گذرتا ہے، ان لوگوں کو چاہیے کہ فرصت کے وقت میں حلقے بنا کر بیٹھیں اور جس شخص کو فارسی عبارت پڑھنے اور سمجھنے کی استعداد ہو اور اسے تھوڑا بہت فن تفسیر کا ذوق ہو یا جس عزیز کی نظر سے یہ ترجمہ گذر چکا ہو، وہ وقت کی گنجائش کے لحاظ سے ایک دو سورہ کا ترجمہ صفائی و روانی اور ترسیل کے ساتھ سمجھ کر پڑھے تا کہ سب لوگ اسے سن کر اس کے مفہوم سے مستفید ہو سکیں۔

حلقے بنا کر بیٹھنا صحابہ کرام کی مشابہت اختیار کرنا ہے صحابہ اسی طریقہ سے دائروں اور حلقوں میں بیٹھتے تھے اور ایک آدمی قرأت کرتا تھا فرق صرف اتنا ہے کہ صحابہ کرام عربی زبان سمجھنے کی مکمل صلاحیت رکھتے تھے اور یہ جماعت فارسی ترجمہ کے واسطہ سے اس کو سمجھے گی۔

جس طرح مثنوی مولانا جلال الدین رومی، گلستان شیخ سعدی، منطق الطیر شیخ فرید الدین عطار، قصص فارابی، نفحات مولانا عبدالرحمٰن جامی اور اسی طرح کی دوسری کتابوں کو پڑھنے اور سمجھنے کے لیے لوگ مجلسوں میں بیٹھتے ہیں اسی طرح اس ترجمہ کو پڑھنے کے لیے بیٹھیں تا کہ ان کا دل اس کا ادراک کر لے اگر وہ اولیاء اللہ کے کلام سے اشتغال تھا تو یہ کلام اللہ سے اشتغال ہے، اگر وہ حکماء کے مواعظ تھے تو یہ احکم الحاکمین کے مواعظ ہیں اگر وہ عزیزوں کے مکتوبات تھے تو یہ رب العزت کے مکتوبات ہیں اور دونوں کے مرتبوں میں کس قدر عظیم الشان فرق ہے۔

اگر انصاف سے دیکھو تو قرآن کا نزول موعظت و ہدایت ہی کے لیے ہوا ہے اس کے الفاظ فی نفسہ مقصود نہیں ہیں گو ان کو پڑھنا بھی غنیمت ہے لیکن غور کرو اس شخص کے حصہ میں کیا مسلمانی آئے گی جو قرآن مجید کے معانی و مطالب کو نہ سمجھے اور اس شخص کو بھلا کیسے حلاوت مل سکتی ہے جو کہ کلام اللہ کے مضمون ہی سے

Marfat.com

ناواقف ہو۔

البتہ جن لوگوں کو عربی زبان پر عبور ہے اور انھوں نے اساتذہ سے کتب تفسیر پڑھی ہیں انھیں اس ترجمہ کی احتیاج نہیں ہے مگر اللہ کے فضل سے امید ہے کہ ایسے لوگوں کو بھی اس کے مطالعہ سے فائدہ ہوگا ان کے سامنے قرآن کا مفہوم روشن اور واضح صورت میں آئے گا اور وہ نحو کے مختارات غریب الفاظ کی شرح اور دوسری باتوں سے مطلع ہوں گے اور انھیں بہت سے ایسے نئے اور تازہ فوائد حاصل ہوں گے جن کو اس کے مطالعہ سے پہلے نہ انھوں نے سنا ہوگا اور نہ دیکھا ہوگا۔

یہ ترجمہ چونکہ جمہور مخلوق کو پیش نظر رکھ کر ان کی شفقت اور ان کے فائدہ کے لیے لکھا گیا ہے اور یہ لوگ اعراب کے مختلف وجوہ کلام کی مکمل توجیہات اور قصوں کے استیعاب وغیرہ کے متحمل نہیں ہوتے اس لیے ان بحثوں سے تعرض نہیں کیا گیا ہے رہے وہ لوگ جو علوم آلیہ کے واقف کار ہیں تو ان کو اس کے مطالعہ سے ان علوم میں تعمق کا داعیہ ہوگا اور وہ مدۃ العمر ان میں مصروف رہیں گے۔ یہ میرا مشاہدہ ہے کہ جن لوگوں نے تھوڑا بہت علم تفسیر سیکھا ہے ان کے لیے یہ معمولی علم و واقفیت علوم آلیہ میں مکمل دستگاہ کے بعد بھی مدد و معاون ہوتی ہے اور اگر علوم آلیہ میں وہ دستگاہ نہ بھی حاصل کر سکے تب بھی گوہر مقصود ان کے ہاتھ لگے گا اور وہ بالکل ہی خسارہ میں نہیں رہیں گے۔

ترجمہ میں کن باتوں کی رعایت کی گئی ہے

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس کتاب میں تحریر کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ ہر آیت کو جدا لکھ کر اس کا ترجمہ اسی کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے اور ترجمہ میں مشہور اور رائج زبان اور روز مرہ محاورہ کا خیال رکھا گیا ہے اور متن کے اصل الفاظ سے جو بات زیادہ ہے اگر وہ دو ہی ایک کلمے کی حد تک ہے تو یعنی یا اسی طرح کے کسی اور لفظ سے اس کو متمیز کر دیا گیا ہے اور اگر کلام تام کا اضافہ کیا گیا ہے تو اس

Marfat.com

کے شروع میں مترجم گوید اور آخر میں واللہ اعلم کے لفظ سے اسے نشان زد کردیا گیا ہے۔

جہاں تک ممکن ہوا ہے قرآنی قصوں کے بارے میں ایک دو فقرے لکھ دینے پر اکتفا کیا گیا ہے، اسباب نزول کے متعلق طویل قصوں کا اس قدر ماحصل پیش کیا گیا ہے جو آیات کے سیاق وسباق کے لحاظ سے ضروری تھا، جن باتوں کا تعلق نقل سے تھا ان کے سلسلہ میں اس کتاب میں محدثین کی صحیح تر تفسیروں سے مدد لی گئی ہے جیسے بخاری، ترمذی اور حاکم کی تفسیریں اور بحد امکان ضعیف وموضوع حدیثوں سے احتراز کیا گیا ہے، علمائے اہل کتاب سے جو اسرائیلی قصے منقول ہیں ان کو اس میں شامل نہیں کیا گیا ہے، کیونکہ یہ آنحضرت ﷺ کی حدیثیں نہیں ہیں، سوائے ان جگہوں کے جہاں معنی ومفہوم کی وضاحت قصوں کو نقل کیے بغیر نہیں ہوسکتی ہے کیونکہ الضرورات تبیح المحظورات۔

ترجمہ کے بعض امتیازات

شاہ صاحب نے دوسرے ترجموں کے مقابلہ میں اپنے ترجمہ کے امتیازات حسب ذیل بتائے ہیں:

(۱) قرآنی مفہوم کے بقدر ترجمہ میں فارسی کے الفاظ لائے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی مراد ومنشا کی وضاحت ولطافت تعبیر کا بھی خیال رکھا گیا ہے، دوسرے ترجموں میں ترجمہ کی عبارت میں جو اطناب، رکاکت، اغلاق اور تعقید پائی جاتی ہے، بقدر امکان ان سے احتراز کیا گیا ہے۔

(۲) دوسرے ترجموں میں یا تو متعلقہ قرآنی قصوں کو مطلقاً نظر انداز کردیا گیا ہے یا ان پر طویل اور مفصل بحث کی گئی ہے مگر اس ترجمہ میں درمیانی راستہ اختیار کیا گیا ہے، جس جگہ آیت کا مفہوم قصہ پر موقوف نہیں ہے، اسے ترک کردیا گیا اور جہاں اس پر منحصر ہے بقدر ضرورت دو تین منتخب الفاظ وکلمات میں ان

Marfat.com

کی توضیح کردی گئی ہے۔

(۳) مختلف اور بکثرت توجیہات میں سے صرف اس توجیہ کو لے لیا گیا ہے جو عربیت کے لحاظ سے زیادہ قوی اور علم حدیث وفقہ کی رو سے زیادہ صحیح معلوم ہوئی ہے اس سے بہت کم ہی انحراف کیا گیا ہے۔

(۴) اس ترجمہ میں ایسا پہلو اختیار کیا گیا ہے کہ نحو سے واقفیت رکھنے والے اعراب قرآن کے وجوہ محذوف، ضمیر کے مرجع اور ان لفظوں کے محل کو جان لیں جو عبارت میں مقدم وموخر ہو گئے ہیں، لیکن جو لوگ فن نحو سے واقف نہیں ہیں وہ بھی اصل غرض سے محروم نہیں رہیں گے۔

(۵) قدیم ترجمے دو حالتوں سے خالی نہیں ہیں یا تو وہ تحت اللفظ ہیں یا حاصل المعنی اور ان دونوں صورتوں کی وجہ سے بہت سے خلل راہ پا گئے ہیں مگر یہ ترجمہ ان دونوں طریقوں کا جامع ہے اور اس میں قدیم ترجموں کے خلل انداز پہلوؤں کو دور کر دیا گیا ہے۔

وجوہ اعراب

شاہ صاحب نے بتایا ہے کہ اس ترجمہ سے وجوہ اعراب کا علم ہوتا ہے، اس کے متعلق انھوں نے لکھا ہے کہ یہ تفصیل طلب بحث ہے جس کو اختصار کے ساتھ تین، ساڑھے تین صفحوں میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنے میں کیا کیا نزاکتیں ہوتی ہیں، اس سلسلے میں فعل، فاعل، مفعول مطلق، مفعول لہ، مفعول معہ حال، تمیز، حروف ربط و عطف، صلہ، موصول اور تقدیم و تاخیر وغیرہ کے استعمال پر گفتگو کر کے دونوں زبانوں سے مثالیں دی ہیں اور دونوں کے نقطۂ اتحاد واختلاف کو واضح کیا ہے۔

اس مقدمہ سے جو اور باتیں معلوم ہوئی ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) شاہ صاحب نے اپنے ترجمہ کی بنیاد تفسیر وجیز (واحدی) اور جلالین

Marfat.com

پر رکھی ہے۔

(۲) اپنے ترجمہ قرآن کا نام فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن بتایا ہے۔

(۳) ترجمہ کے اس حصہ کا نام انھوں نے مقدمہ رکھا ہے اور بتایا ہے کہ جس طرح عام مصنفین اصل کتاب سے پہلے اپنے کچھ مقاصد بیان کرنے کے لیے لکھتے ہیں اسی طرح یہ مقدمہ بھی چند مقاصد پر مشتمل ہے۔

(۴) مقدمہ کے علاوہ انھوں نے ترجمہ کے اصول وقوانین پر بھی ایک رسالہ لکھا تھا جس کا نام اس مقدمہ میں انھوں نے قواعدِ ترجمہ بتایا ہے۔

کاتبوں کو وصیت

پہلے آج کل کی طرح طباعت کی سہولت نہ تھی اس لیے مصنفین کتابوں کے بکثرت نسخے نقل کرالیتے تھے شاہ صاحب نے بھی اس کا اہتمام فرمایا تھا اس مقدمہ میں ترجمہ کے سلسلہ میں انھوں نے اس کے کاتبوں کو مندرجہ ذیل وصیت کی تھی۔

> ''قرآن کی عبارت کو جلی حرفوں میں لکھیں، اس پر اعراب دیں اور اسے سرخ روشنائی سے لکھیں تاکہ وہ ترجمہ سے ممتاز اور متمایز رہے اور اس کی احتیاط کریں کہ ترجمہ کے الفاظ سے کسی طرح کی کوئی تحریف راہ نہ پائے، اشتباہ کے موقع پر کلام تام کو سرخ نقطہ دیں تاکہ وہ مابعد سے جدا اور نمایاں رہے اور ترکیب اضافی و توصیفی میں مضاف وموصوف پر بھی زیر کا نشان دے دیں تاکہ مبتدیوں کے لیے یہ چیزیں روشن اور واضح رہیں''۔

اگر ترجمہ میں مبتدیوں کی استعداد کے لحاظ سے مشکل لفظ ومفہوم آگیا ہو تو سعادت مند لوگ اس کے معنی ومطلب کو کتاب کے حاشیہ پر تحریر کردیں تاکہ کسی شخص کو بھی دشواری نہ ہو۔

۱۴۳۵۹۴

Marfat.com

سندقرأت

آخر میں شاہ صاحب نے از اول تا آخر قرأت قرآن کی اپنی سند دی ہے جو بروایت حفص ہے جس کے بعد ہی یہ رسالہ تمام ہو جاتا ہے مگر تمت کے بعد اس سطر میں تعوذ اور اس کا ترجمہ پہلے پھر بسملہ اور اس کا ترجمہ دیا ہے۔ تعوذ کا ترجمہ ''می پناہم بخدا از شیطان راندہ شدہ'' اور بسملہ کا ترجمہ یہ ہے ''می آغازم بنائے خدائے بخشایندہ مہربان''۔ مگر اصل ترجمہ میں سورتوں کے شروع میں جہاں بسم اللہ کا لفظ آیا ہے اس کے ترجمہ میں می آغازم نہیں ہے۔ اس میں قابل غور رحمٰن کا ترجمہ ''بخشایندہ'' ہے۔

ضمیمہ

شاہ صاحب نے اپنے ترجمہ قرآن کا تکملہ و ذیل بھی لکھا تھا یہ بھی بڑا اہم اور مفید ہے جس کے متعلق شاہ صاحب نے بتایا ہے کہ اس میں وہ حواشی درج ہیں جو ترجمہ کے نسخہ کے مسودہ کے حاشیے پر تحریر کیے گئے ہیں ان کی نوعیت حسب ذیل ہے (۱) جس توجیہ پر توجہ کی بنا ہے اس کی اس میں بعض جگہ وضاحت و تبیین کی گئی ہے۔

(۲) بعض حواشی میں ترجمہ میں اختیار کیے گئے تفسیری پہلو کے شواہد و ثبوت کو واضح کیا گیا ہے۔

(۳) بعض میں شاہ صاحب کے تفردات و مرجحات کا ذکر ہے۔

حسب اتفاق و موقع یہ حواشی کہیں تو عربی زبان میں تھے اور کہیں فارسی زبان میں جب اس ترجمہ کی تبییض ہوگئی تو بہتر معلوم ہوا کہ اس نسخہ کے ذیل میں اسے لکھ دیا جائے تا کہ ترجمہ کا مطالعہ کرنے والے اس سے بھی مستفید ہو سکیں۔

شاہ صاحب کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ اس فصل کی حیثیت اصل

Marfat.com

ترجمہ کے ذیل اور ضمیمہ کی ہے، مگر یہ مطبوعہ ترجمہ قرآن میں شائع ہوا ہے اس لیے میرے خیال میں ان کی حیثیت تفسیری نوٹ کی ہے جو غالباً غیر مطبوعہ ہیں، ذیل میں اس کی کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

یآیھا الذین اٰمنوا کتب علیکم القصاص الخ (بقرہ:۱۷۸) کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:

مدارک میں ہے کہ قصاص مساوات کی تعبیر کے لیے آیا ہے، جمہور مفسرین نے قتلی سے مقتولین اور قاتلین دونوں کو مراد لیا ہے ان لوگوں نے تغلیب کا لحاظ کیا ہے، آیت کا مدلول قاتل و مقتول میں برابری کا اعتبار ہے اس صورت میں ان کے نزدیک آیت کو منسوخ ہونا چاہیے اس لیے کہ تمام مذاہب میں انثیٰ بالانثیٰ پر عمل نہیں ہے کیونکہ انثیٰ کے مقابلہ میں ذکر بھی ہوسکتا ہے اسی طرح الحر بالحر بھی معمول بہ نہیں ہے کیونکہ حر کے مقابلہ میں عبد بھی ہوسکتا ہے اس بنا پر بندہ ضعیف اس کی یہ توجیہ کرتا ہے کہ قتلی سے مراد محض مقتول ہے اور قصاص سے مساوات مراد ہے یعنی ہر مقتول کا حکم دوسرے مقتول کے حکم کے ساتھ برابر ہے الحر بالحر والعبد والعبد والانثی بالانثی کا اضافہ اسی لیے فرمایا کہ مراد مساوات ہر صنف کے فرد کا حکم ہے یا دوسرے فرد کا حکم اسی صنف کے ساتھ ہے۔

فدیۃ طعام مسکین (بقرہ:۱۸۴) کے متعلق رقم طراز ہیں۔

فقیر اس آیت سے سمجھتا ہے کہ یہاں صدقہ فطر مراد ہے، مفہوم یہ ہوگا کہ یجب علی الذین یطیقون طعام مسکین مع اھلہ یعنی جو لوگ مسکین کے طعام کی طاقت رکھتے ہوں ان پر مسکین کا طعام مع اہل وعیال واجب ہے یہاں اضمار قبل الذکر ہے اس کی مزید توضیح الفوز الکبیر کے دوسرے باب ناسخ و منسوخ کے سلسلہ میں اس طرح کی ہے۔

''کہا گیا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے فمن شھد منکم الشھر الخ سے ''اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آیت محکم ہے اور اس میں حذف نہیں، میرے نزدیک اس

Marfat.com

کے معنی یہ ہیں کہ جولوگ طعام کی طاقت رکھتے ہیں ان پر فدیہ ہے جس سے مراد طعام مسکین ہے، یہاں ضمیر قبل الذکر آئی ہے کیونکہ وہ رتبتاً مقدم ہے اور ضمیر اس لیے لائے ہیں کہ فدیہ سے مراد طعام ہے جس سے مراد ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے، اللہ نے روزے کے حکم کے بعد اس آیت میں صدقہ فطر کا حکم دیا ہے جس طرح اس کے بعد دوسری آیت میں عید کی تکبیرات کا تذکرہ ہے۔

یسئلونک عن الاھلة (بقرہ/۸۱) کے تحت ارقام فرماتے ہیں:

میرے نزدیک ھذہ الاشھر سے مراد اشہر حج ہیں ہلال کو مطلق لانے کی وجہ یہ ہے کہ ہلال مہینہ کے اول کو بھی کہتے ہیں اور آخر کو بھی۔ یہ اسی طرح کا اطلاق ہے جس طرح کا خریف کا سنہ پر اور جمعہ کا اسبوع (ہفتہ) پر ہوتا یہی مفہوم لینے پر جواب بغیر کسی تکلیف کے سوال پر منطبق ہوجاتا ہے۔

اہلہ کا یہی مفہوم دور حاضر کے مشہور مصنف مولانا امین احسن اصلاحی نے بھی لیا ہے فرماتے ہیں:

''اہلہ ہلال کی جمع ہے، ہلال شروع ماہ کے چاند کو کہتے ہیں اور اس سے مراد مہینہ بھی ہوتا ہے، خاص طور پر جمع کی صورت میں تو اس کا استعمال مہینوں ہی کے لیے معروف ہے اہلہ پر الف لام اس بات کی دلیل ہے کہ سوال کچھ مخصوص مہینوں سے متعلق ہے اور سیاق وسباق پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال اشہر حرم اور ان کے احکام وآداب سے متعلق تھا چنانچہ آگے کی آیات میں اس سوال کے جو جواب دیے ہیں وہ تمام ترحج اور اشہر حج ہی سے متعلق ہیں[۳]۔

آگے اس کو بہت مدلل طور سے ثابت کیا ہے۔

یسئلونک ماذا ینفقون (بقرہ/۲۱۵، ۲۱۹) یہ دو جگہ آیا ہے پہلی جگہ انفاق کی نوع کے بارے میں سوال ہے، انفاق میں بھی مصارف کے متنوع ہونے کے لحاظ سے تنوع ہوتا ہے چنانچہ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ما انفقتم من خیر فللوالدین الخ: جس کا مطلب یہ ہے کہ خرچ کیے جانے والے مال کے لیے

Marfat.com

مناسب ہے کہ وہ ان اصناف کے لیے ہو اور دوسری جگہ یہ سوال ہے کہ وہ کس مال کو خرچ کریں کیا اسے جو ان کی ضرورت کے لیے ہے یا اسے جو ان کی ضرورت سے زیادہ ہو چنانچہ جواب دیا گیا کہ عفو یعنی جو حاجات ضروریہ سے زائد ہوں اس مفہوم کو بیان کرنے کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ اگر تم تلاش و تفحص سے کام لو تو تفسیروں میں اس آیت کی اس سے بہتر توجیہ نہیں پاؤ گے۔

واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فلا تعضلوهن (بقرہ:۲۳۲) کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

مفسرین کا مشہور قول یہ ہے کہ طلقتم میں خطاب ازواج سے ہے اور فلاتعضلوهن میں اولیاء سے خطاب ہے، یہ مفہوم معقل بن یسار کی ایک حدیث سے ماخوذ ہے مگر بندہ ضعیف کا رجحان اس طرف ہے کہ دونوں جگہ خطاب شوہروں سے ہے، معقل بن یسار نے جو معنی بیان کیے ہیں وہ بطریق منطوق کے بجائے بطریق مفہوم ہے۔

والوالدات یرضعن کے متعلق لکھتے ہیں:

اس سے بندہ ضعیف نے جو کچھ سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ آیت مطلقہ وغیرہ مطلقہ والدات کے لیے عام ہے۔

سورۂ آل عمران کی آیت واذا اخذ الله میثاق النبیین الخ (۸۱) کی توجیہ اس طرح کی ہے:

واذا اخذ الله من بنی آدم المیثاق الذی اخذه لاجل النبیین۔

یہ توجیہ ان کے نزدیک سب سے عمدہ اور تکلف سے خالی ہے، جس طرح اللہ نے بنی آدم سے توحید و عبادت کا میثاق لیا تھا جیسا کہ فرمایا الست بربکم قالوا بلی، اسی طرح ان سے یہ دوسرا میثاق نبیوں کی تصدیق کے لیے لیا تھا، اس قصہ کی بنیاد اللہ کے اس ارشاد فاما یاتینکم منی هدی فمن تبع هدای فلا خوف علیهم ولاهم یحزنون پر ہے۔

Marfat.com

واذا ضربتم فی الارض الخ (نساء/۲۱) کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ:

''ابن عمر کے اثر اور آیتوں کے سیاق کے مطابق صحیح صورت یہ ہے کہ اس سے صلوٰۃ الخوف مراد ہے اور قصر کا مفہوم رکوع وسجود کو اشارہ سے ادا کرنا ہے، سفر کی قید اتفاقی ہے کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے واذا کنت فیھم اس لیے اس کو صلوٰۃ الخوف ہی پر محمول کرنا صحیح ہوگا۔

حواشی ومراجع

۱ علامہ شبلی نعمانی، علم الکلام، کراچی ۱۹۶۴ء، ۱/۸۷

۲ خواجہ محمد امین کا اصل وطن کشمیر تھا لیکن انھوں نے دہلی میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی، ان کو اپنے شیخ سے ایسا گہرا تعلق تھا کہ ولی اللہی کی نسبت سے مشہور ہوئے، یہ شاہ ولی اللہ کے ان چار بڑے خلفاء میں تھے جن سے ان کی تعلیمات کی اشاعت ہوئی۔ شاہ صاحب نے خاص طور پر ان کے لیے بعض رسائل بھی تالیف کیے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے خلف ارشد شاہ عبدالعزیز نے خواجہ محمد امین سے علوم کی تکمیل کی ان کا انتقال ۱۱۸۷ھ یا اس کے قریب ہوا۔

۳ مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، دارالاشاعت الاسلامیہ، لاہور، طبع اول، جلد اول، ص ۴۲۷

Marfat.com

الفوز الکبیر فی اصول التفسیر - ایک مطالعہ

ڈاکٹر جمشید احمد ندوی ☆

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۱۴-۱۱۷۶ھ) کی قرآنی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ان کے متعدد کارناموں میں ان کا ایک اہم اور تاریخ ساز کارنامہ قرآن فہمی کے دروازے کو اپنے فارسی ترجمہ کے ذریعہ وا کرنا بھی ہے۔ ان کا یہ جرأت مندانہ قدم اتنا مبارک ثابت ہوا کہ آج تک اس کی بازگشت سنائی دے رہی ہے اور تراجم قرآنی کا سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا جا رہا ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی کی قرآنی خدمات کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ انھوں نے ترجمہ قرآن کے بعد قرآن فہمی کے راستے کو مزید آسان بنانے کی خاطر فارسیؒ میں ہی اصول تفسیر پر ایک کتاب رقم کی تھی اور اسے الفوز الکبیر فی اصول التفسیر سے موسوم کیا تھا، ان کے مرتب کردہ یہ اصول کافی مقبول و مشہور ہوئے جس کا اندازہ اس کے عربی، اردو اور انگریزی تراجم سے کیا جا سکتا ہے، درج ذیل سطور میں اسی کتاب کے مباحث کا ایک سرسری تعارف پیش کیا گیا ہے۔ ہمارے سامنے اس کتاب کا وہ عربی ترجمہ ہے جسے مولانا سید محمد سلمان حسینی ندوی نے کیا تھا اور کلیۃ الشریعۃ واصول الدین، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا تھا۔

کتاب کی ابتداء مصنف کے مختصر سے مقدمہ (ص ۲۵-۲۶) سے ہوتی ہے جس میں انھوں نے ان قواعد و اصول کو مرتب کرنے کی ضرورت و افادیت کا

☆ ریسرچ ایسوشی ایٹ، شعبہ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

Marfat.com

ذکر کرتے ہوئے اسے پانچ ابواب میں تقسیم کرنے کی وضاحت کی ہے۔ پہلے باب (۲۷-۷۲) میں ان پانچ اساسی علوم کا ذکر کیا گیا ہے جن پر قرآن مشتمل ہے بلکہ شاہ صاحبؒ کے الفاظ میں قرآن کا نزول دراصل انھیں علوم کے لیے ہوا تھا اور قرآن کے تمام مشتملات ان ہی علوم کے اردگرد گھومتے ہیں[۱]۔

شاہ صاحب کے بیان کردہ پانچ اساسی علوم حسب ذیل ہیں:

۱- علم الاحکام: اس علم میں عبادات و معاملات، معاشرت اور سیاست مدنیہ سے متعلق وہ تمام امور شامل ہیں جن کا تعلق وجوب، مسنون، جواز، مکروہ و حرام سے ہوتا ہے۔

۲- علم الجدل: اس علم کے ذریعہ قرآن میں مذکورہ چار باطل فرقوں -یہود و نصاریٰ و مشرکین اور منافقین- سے مناظرہ و مجادلہ کیا جاتا ہے۔

۳- علم التذکیر بآلاء اللہ: اس علم کے دائرے میں انھوں نے ان آیات کو شامل کیا ہے جن میں ارض و سموات کی تخلیق، بندوں کی مختلف امور میں حاجت روائی اور صفات الٰہیہ کو بیان کیا گیا ہے۔

۴- علم التذکیر بایام اللہ: اس علم کے ضمن میں انھوں نے ان آیات کو پیش کیا ہے جن میں فرمانبرداروں کے لیے بطور انعام اور روگردانی کرنے والے کے لیے بطور سرزنش واقعات و حوادث بیان کیے گئے ہیں۔

۵- علم التذکیر بالموت وما بعد الموت: انھوں نے اس علم سے مراد وہ آیات لی ہیں جن میں حشر و نشر، حساب و میزان، جنت و جہنم کا ذکر کیا گیا ہے۔

مذکورہ بالا تمام علوم کی شرح و تفصیل کے لیے انھوں نے علماء کے مختلف گروہ و جماعت کو مکلّف بتایا ہے لیکن یہ بات تعجب انگیز ہے کہ ان میں سے کسی بھی علم کی تشریح و توضیح کا ذمہ دار مفسرین کو نہیں ٹھہرایا ہے۔

باب اول کے مباحث کو بیان کرنے سے قبل انھوں نے تمہیدی طور پر ان قرآنی علوم کے اسلوب کا ذکر کرتے ہوئے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ قرآن

Marfat.com

میں مذکورہ بالا علوم کا ذکر متاخرین علماء کی رقم کردہ کتابوں کی طرح نہیں کیا گیا ہے بلکہ ان کے اولین مخاطب عربوں کی نفسیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جس چیز کو قادر مطلق نے اہم ومناسب سمجھا اسی اعتبار سے اسے نازل فرمایا۔

شاہ صاحب نے اگرچہ تیسرے باب میں اسباب نزول پر تفصیلی بحث کی ہے لیکن بطور تمہید علوم قرآنی کے اسلوب کے معاً بعد اسباب نزول کی حقیقت کو بیان کیا ہے کہ مفسرین کا احکام وجدل کی ہر آیت کا سبب نزول بیان کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن کے نزول کا بنیادی مقصد نفوس انسانی کی تہذیب اور باطل عقائد اور فاسد اعمال کا ازالہ کرنا تھا لہٰذا انھوں نے مذکورہ بالا علوم پر مشتمل آیات کے نزول کا بنیادی سبب بیان کیا ہے اپنے اس نقطہ نظر کے باوجود انھیں اس بات کا اعتراف ہے کہ بعض آیات کا سبب نزول پایا جاتا ہے لیکن وہ اس بات کے قائل ہیں کہ ان علوم کی اس طور پر شرح کی جائے کہ ان کے ساتھ کسی قسم کے جزئی قصوں کی ضرورت باقی نہ رہ جائے[۲]۔

پہلا باب دو فصلوں پر مشتمل ہے۔ اولین فصل علم جدل پر مشتمل ہے (۳۰-۵۸) جب کہ دوسری فصل میں باقی ماندہ علوم قرآنیہ کا ذکر کیا گیا ہے (۵۹-۷۲)۔ یہاں اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب کی ابتداء علم الاحکام کے بجائے علم الجدل سے کی ہے اور علم الاحکام سے متعلق مباحث کو فصل ثانی کے اواخر میں مختصر طور پر بیان کیا ہے، بقول مترجم کتاب انھوں نے علم الاحکام کو اپنی کتاب میں اس لیے شامل نہیں کیا ہے کہ اس کی صحیح جگہ اصول فقہ کی کتب ہیں[۳]۔

باب اول کی پہلی فصل میں قرآن میں مذکورہ چاروں باطل فرقوں -مشرکین، یہود ونصاریٰ ومنافقین- سے قرآنی مناظرہ ومجادلہ کا ذکر کرتے ہوئے اس کی دو قسمیں بیان کی ہیں اور ہر قسم کے مختلف گوشوں کو اجاگر کرتے ہوئے جدل قرآنی کی ضرورت وافادیت کی طرف اشارہ کیا ہے اور چاروں فرقوں سے کیے

Marfat.com

جانے والے قرآنی مجادلہ ومناظرہ کو الگ الگ عناوین کے تحت بیان کرتے ہوئے ان فرقوں کی گمراہیوں اور بداعتقادیوں کا ذکر کیا ہے اور ان کے شکوک وشبہات کو دور کیا گیا ہے۔

یہاں اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ شاہ صاحب نے ان باطل فرقوں کو بصورت دیگر اپنے زمانہ میں پائے جانے کا ذکر کیا ہے مثلاً علماء سوء کو یہود کے مشابہ قرار دیا ہے اور وضاحت کی ہے کہ قرآن میں مذکور منافقین کی تصویر کشی جس انداز میں کی گئی ہے اس کی روشنی میں ہر زمانہ کے منافقین سے بچا جا سکتا ہے[۴]۔

بظاہر اس فصل کا اصول تفسیر سے کسی قسم کا تعلق سمجھ میں نہیں آتا ہے لیکن شاہ صاحب نے اپنی بے پناہ خداداد صلاحیت وعبقریت کے ذریعہ اس فصل کے اور اصول تفسیر کے درمیان عمدہ تعلق بیان کیا ہے کہ علم جدل سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآن ہر زمانہ کے لیے ہے اور ہر دور کے لیے، اس میں ہدایت ورہنمائی کا سامان فراہم کیا گیا ہے لہٰذا یہ خیال کرنا کہ قرآن میں جن فرقوں سے مجادلہ ومناظرہ کیا گیا ہے ختم ہوگئے ہیں، صحیح نہیں ہے کیونکہ عہد رسالت میں پایا جانے والا ہر فتنہ کسی نہ کسی شکل میں ہمارے زمانہ میں موجود ہے لہٰذا ان آیات کا مطلوب باطل فرقوں کے ساتھ ہونے والے مجادلہ ومناظرہ کے مقاصد ومعانی کے کلیات بیان کرنا ہے نہ کہ خصوصی حوادث اور جزئی تفصیلات[۵]۔

شاہ صاحب کے نزدیک قرآن کے پانچ اساسی علوم میں سے علم الجدل مذکورہ بالا سبب کی وجہ سے سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے ذریعہ ہمیں یہ سبق دیا گیا ہے کہ قرآن ہر زمانہ وعصر میں رہنمائی وہدایت کا فریضہ انجام دیتا رہے گا اور اس کے ذریعہ سے عہد رسالت میں پائی جانے والی گمراہیوں اور بداعتقادیوں سے بچا جا سکتا ہے۔ اس علم کی اسی اہمیت کے پیش نظر انھوں نے اس کی تفصیلات مستقل فصل میں بیان کی ہے جب کہ باقی ماندہ چار اساسی علوم کو

Marfat.com

دوسری فصل میں ایک ساتھ مختصر طور پر بیان کیا ہے۔

باب اول کی فصل ثانی میں انھوں نے سب سے پہلے علم التذکیر بآلاء اللہ کا ذکر کیا اور اس میں صفات الٰہی پر گفتگو کرتے ہوئے یہ اصول بیان کیا ہے کہ صفات الٰہی کے علم کی حیثیت توفیقی ہے لہٰذا اس سلسلہ میں آزادانہ بحث وتکرار کی اجازت نہیں دی جائے گی[۶]۔

صفات الٰہی کو بیان کرنے کے بعد انھوں نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اس علم کے ضمن میں قرآن میں صرف ان ہی چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کا سمجھنا انسان کے لیے آسان تھا مثلاً تخلیق ارض وسمٰوات، بارش برسانا، سبزہ اگانا، فصل پیدا کرنا وغیرہ اور ان امور کا ذکر نہیں کیا گیا ہے جن کا سمجھنا انسان کے بس سے باہر تھا مثلاً روحانی نعمتوں سے نوازے جانے والے مقربین بندے، بادشاہوں وسلاطین پر اس کا خاص فضل وکرم وغیرہ۔

علم التذکیر بایام اللہ کے ضمن میں قرآنی اسلوب کا ذکر کرتے ہوئے یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس کے تحت صرف انھیں واقعات وحوادث کو بیان کیا گیا جن سے ان کے کان آشنا تھے، غیر مانوس قصوں کو نہیں بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح قرآن میں قصص کے صرف وہی اجزاء بیان کیے گئے ہیں جو تذکیر وموعظت کے لیے معاون و مددگار ثابت ہوں، پورا قصہ تفصیل سے بیان نہیں کیا گیا ہے اور اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ پورا قصہ بیان کرنے کی صورت میں سامع کا ذہن قصہ کی جزئیات کی طرف مائل ہوجاتا ہے اور اس کا بنیادی مقصد یعنی تذکیر وموعظت کا حصول فوت ہوجاتا ہے۔

اس کے بعد انھوں نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ کن قصوں کو بار بار بیان کیا گیا ہے اور کون کون سے قصے صرف ایک بار یا دو بار بیان کیے گئے ہیں بحث کے آخر میں قصص قرآنی کا بنیادی مقصد قاری اور سامع کے ذہن کو شرک و معاصی کی خرابی کی طرف متوجہ کرنا، نافرمانوں پر اللہ کا عذاب اور فرماں برداروں پر

Marfat.com

قادر مطلق کے انعام کو بیان کرنا ہے۔

علم التذکیر بالموت ومابعدہ سے متعلق آیات کا مقصد موت کے وقت انسان کی کیفیت کو بیان کرنا اور موت کے بعد جنت وجہنم کو پیش کرنا ہے۔

اس کے بعد علم الاحکام سے متعلق مباحث کو بیان کیا ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قرآن میں مذکورہ تمام احکامات دراصل ملت ابراہیمی میں پائے جانے والے احکام وامور کی اصلاح وتہذیب تھی، ساتھ ہی ساتھ اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ قرآن میں احکام اجمالی طور پر بیان کیے گئے ہیں جن کی تفصیلات احادیث میں بیان کی گئی ہیں۔ اس کے بعد اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ملت ابراہیمی کے علاوہ دیگر نئے احکامات کا ذکر بھی قرآن میں ملتا ہے جن کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے ان قسموں کو بیان کرنے کے بعد یہ اصول بیان کیا ہے، مفسر کے لیے ضروری ہے کہ احکامات کا جو پس منظر بیان کیا گیا ہے اس کی کچھ تفصیل ضرور بیان کرے تاکہ آیات کے معانی ومفہوم مکمل طور پر سامنے آسکیں۔ اس اصول کے تحت چند مثالیں ذکر کرنے کے بعد یہ وضاحت کی ہے کہ ان کا تعلق دراصل تذکیر بایام اللہ سے ہے لیکن چونکہ ان کی وضاحت ان سے متعلق قصص یا حوادث کی وجہ سے ہوتی ہے اس لیے اسے الگ سے ذکر کیا گیا ہے، لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ انھوں نے علم الاحکام کا ذکر سب سے آخر میں کیوں کیا ہے جب کہ کتاب کے مقدمہ میں اسے سب سے پہلے بیان کیا ہے۔

شاہ صاحب کے نزدیک چونکہ مذکورہ بالا علوم ہی اساسی حیثیت رکھتے ہیں جن کے اردگرد قرآن کے تمام مشتملات گھومتے ہیں لہٰذا شاہ صاحب نے انھیں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، اس باب کا اور کتاب میں شامل دیگر ابواب کا اگر بطور کمیت موازنہ کیا جائے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ باب سب سے بڑا ہے بلکہ کتاب کے ایک تہائی سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہے۔

کتاب کا دوسرا باب نظم قرآن اور اس کے متعلقات پر مشتمل ہے (۷۳-۱۲۶)۔

Marfat.com

یہ باب پانچ فصول پر مشتمل ہے۔

باب کے شروع میں بطور تمہید قرآن کے عربی مبین ہونے اور متشابہات کے ضمن میں شارع کے موقف کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد تفسیر کے لیے قرآن میں مذکور لغوی او رنحوی مباحث سے واقفیت حاصل کرنے کی ضرورت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اجمالی طور پر ان آیات کا مستحضر رکھنا لازمی ہے تا کہ لغوی ونحوی وجوہ کی بنا پر قرآن کے معانی و مفاہیم کو سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔ قاری کی سہولت کے لیے انھوں نے ان مقامات کی وضاحت بھی کردی جہاں جہاں مفاہیم کو سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے۔ اس کے بعد یہ اصول بیان کیا ہے کہ ان امور سے واقفیت حاصل کرنا اور تفصیل کے بجائے رموز واشارات سے کام لینا چاہیے۔

اس تمہید کے بعد پہلی فصل میں غریب القرآن کو بیان کیا ہے (۷۶-۷۷) یہ فصل صرف دوصفحات پر مشتمل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ پانچویں باب میں اس پر تفصیل سے قلم اٹھانا چاہتے تھے تا کہ وہ ایک مستقل رسالہ کی شکل اختیار کرے۔ یہاں اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ انھوں نے پانچویں باب کو تفصیل سے لکھنے کے بجائے اسے ایک مستقل رسالہ کی شکل دے دی تھی کیونکہ کتاب میں پانچواں باب شامل ہی نہیں ہے جب کہ مقدمہ میں کتاب کے پانچ ابواب میں منقسم ہونے کی صراحت مذکور ہے۔ اس فصل میں نہایت اختصار کے ساتھ غریب القرآن کی بہترین شرح ضحاک و نافع کے طریقۂ کار اور ائمہ تفسیر کی شرح غریب القرآن کا ذکر کیا ہے۔

دوسری فصل میں ناسخ ومنسوخ سے بحث کی گی ہے (۷۷-۷۸)۔ اس ضمن میں انھوں نے متقدمین ومتاخرین کے نزدیک نسخ کے مفہوم کو بیان کرتے ہوئے اپنے خاص نقطہ نظر کو بیان کیا ہے کہ منسوخ آیات کی تعداد صرف پانچ ہے۔ انھوں نے علامہ سیوطی کے نزدیک منسوخ اکیس آیات میں سے سولہ آیات کی تاویل کرتے ہوئے انھیں منسوخ نہیں مانا ہے۔ فکر ولی اللہی کے سب سے بڑے

Marfat.com

شارح عبیداللہ سندھی کے نسخ سے متعلق بیان سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سرے سے ہی نسخ کے قائل نہ تھے لیکن سواد امت سے بالکل منفرد نہ ہونے کی خاطر صرف پانچ آیات میں نسخ کا اقرار کیا ہے۔

تیسری فصل میں اسباب نزول کے مباحث کو پیش کیا گیا ہے (۸۸-۹۸)۔ اسباب نزول کے متعلق وہ اپنا نظریہ کتاب کے بالکل شروع میں بیان کر چکے ہیں یہاں کسی حد تک تفصیل کے ساتھ اس کا اعادہ کیا ہے اور اسباب نزول کے موضوع کی مشکلات "نزلت فی کذا" کی تفصیلات اور اسباب نزول سے متعلق بیان کی جانے والی احادیث کی حیثیت واضح کی ہے کہ ان مرویات کی اکثریت کا تعلق اہل کتاب کی روایات سے ہے اور یہ اصول بیان کیا ہے مفسر کے لیے اسباب نزول کی تمام روایات کا احاطہ کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ اس ضمن میں اس کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ ان قصص سے واقف ہو جن کا اجمالی طور پر قرآن میں ذکر کیا گیا ہے کیونکہ ان آیات کے مدلول و مراد سے مکمل واقفیت اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب وہ ان قصص سے واقف ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس قصہ سے واقف ہو جو عام کو خاص کر دیتا ہے۔ اس کی مثال وہ آیات ہیں جس میں اس کے ظاہری معانی سے صرف نظر کیا جاتا ہے کہ ان آیات کا مفہوم اس کے بغیر سمجھ میں نہیں آ سکتا۔

چوتھی فصل میں اس باب کے بقیہ مباحث کو بیان کیا گیا ہے (۹۹-۱۲۰) اس فصل میں انھوں نے حذف، ابدال، تقدیم و تاخیر، کلام میں زیادتی اور اتصال کے مباحث بیان کیے ہیں اور ہر ایک کی مثالیں بیان کی ہیں۔

پانچویں فصل محکم، متشابہ و کنایہ، تعریض اور مجاز عقلی کے مباحث پر مشتمل ہے ان میں سے ہر ایک کی تعریف کرتے ہوئے ان کی مثالیں نقل کی ہیں۔

تیسرے باب میں اسلوب قرآن سے متعلق مباحث کو پیش کیا گیا ہے (۱۲۷-۱۵۶)۔ یہ باب بھی پانچ فصول پر مشتمل ہے۔

Marfat.com

پہلی فصل میں قرآن کریم کی ترتیب اور سورتوں کے اسلوب سے بحث کی گئی ہے (۱۲۷-۱۳۳)۔ اسی فصل میں عہد نبوی، عہد صدیقی وعثمانی میں قرآن کی تدوین و ترتیب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآنی سورتوں کو چار حصوں، سبع طوال، مائتین، مثانی اور مفصل میں تقسیم کیا ہے۔

دوسری فصل میں آیات سورت کی تقسیم اوران کے اسلوب خصوصاً فواتیح و خواتیم سورت کے اسلوب کو بیان کیا گیا ہے (۱۳۳-۱۴۷)۔ اسی فصل میں انھوں نے ابیات اور آیات کے درمیان پائی جانے والی مناسبت کے ساتھ ساتھ دونوں کے درمیان پائے جانے والے اختلاف کا ذکر کیا ہے کہ آیات وابیات کے درمیان کسی نہ کسی حد تک قدرے مشترک پائی جاتی ہے لیکن آیات بالکل ابیات کے مانند نہیں ہیں۔

تیسری فصل میں قرآنی آیات میں پائی جانے والی ظاہری تکرار اور اس کے فوائد پر روشنی ڈالی گئی ہے (۱۴۷-۱۵۲)۔

چوتھی فصل میں قرآن کریم کے مباحث کے درمیان پائی جانے والی ترتیب سے بحث کی گئی ہے (۱۴۹-۱۵۲)۔

پانچویں فصل میں قرآن کریم کے اعجاز کی مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں اوران میں اعجاز اسلوب، کتب سابقہ سے متعلق واقعات واخبارات بیان کرنے کا اعجاز، رونما ہونے والے واقعات کو بیان کرنے کا اعجاز، بلاغت اور اس کے متنوع اسالیب اور تشریع قرآنی کے اعجاز کا مختصر تعارف کرایا گیا ہے (۱۵۲-۱۵۶)۔

چوتھا باب فن تفسیر اور صحابہ و تابعین کی تفسیر میں پائے جانے والے اختلافات کی تاویل پر مشتمل ہے۔ یہ باب چھ فصول پر مشتمل ہے اور اسے ہی کتاب کا بنیادی باب قرار دیا جاسکتا ہے کہ اسی باب میں انھوں نے زیادہ تر اصول بیان کیے ہیں۔

پہلی فصل میں تفسیر ومفسرین کی اقسام بیان کی گئی ہیں (۱۵۷-۱۶۰)۔ فصل کے آخر میں تفسیر کے مکتب تصوف کا ذکر کرتے ہوئے اس مکتب میں اپنے

Marfat.com

کمال کا ذکر کیا ہے جس پر مترجم نے حاشیہ لکھا کہ ان کی اس عبارت کا ادراک مشکل ہے ہے۔

دوسری فصل میں محدثین کے مکتب تفسیر کا ذکر کرتے ہوئے محدثین کی تفسیری روایات اوراس سے متعلق دیگر مباحث کو بیان کیا ہے (۱۶۰-۱۷۰)۔ اس فصل میں انھوں نے اسباب نزول پر دوبارہ کلام کرتے ہوئے اسباب نزول کی دو قسمیں بیان کی ہیں اور ان سے متعلق دیگر مباحث بیان کیے ہیں۔ اسی فصل میں دیگر مباحث کے علاوہ غریب القرآن، ناسخ ومنسوخ کو دوبارہ بیان کیا گیا ہے۔

تیسری فصل میں اس باب کے دیگر لطائف جیسے استنباط احکام اوراس کی دس قسمیں، توجیہ وحقیقت توجیہ اوراس کی دیگر قسموں کے ذکر کے ساتھ ساتھ علم معانی وبیان، اشارات صوفیہ، اعتبار استشہاد وغیرہ کو بھی بیان کیا گیا ہے (۱۷۱-۱۷۸)۔

چوتھی فصل قرآن کریم کے غرائب پر مشتمل ہے (۱۷۸-۱۸۱)۔ اس فصل میں قرآن کے غرائب کے تنوع کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کے پانچوں علوم کے غرائب کے علاوہ دیگر غرائب کا ذکر کیا ہے۔

پانچویں فصل قرآن کے ظہر وبطن (ظاہری و باطنی مفہوم) پر مشتمل ہے (۱۸۱-۱۸۲)۔ اس فصل میں تذکیر بآلاء اللہ، تذکیر بایام اللہ اور تذکیر بالجنۃ والنار، آیات احکام و جدل سے متعلق آیات کے پوشیدہ مفہوم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کے ظاہری مفہوم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

چھٹی فصل بعض وہبی علوم پر مشتمل ہے (۱۸۲-۱۸۴)۔ اس فصل میں انھوں نے قصص الانبیاء کی تاویل اوراس موضوع پر اپنی کتاب کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ پانچوں قرآنی علوم کی تنقیح، اپنے فارسی ترجمہ اور خواص قرآن کا ذکر کیا ہے۔

انہی مباحث پر کتاب کا اختتام ہوتا ہے۔

کتاب کے مطالعہ کے بعد یہ حقیقت واضح ہوکر سامنے آتی ہے کہ شاہ

Marfat.com

صاحب نے اس کتاب کی تالیف میں متقدمین کی کتب سے استفادہ کیا ہے، خصوصاً جلال الدین سیوطی کی الاتقان سے انھوں نے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے، الاتقان کے علاوہ صحیح بخاری، ابن عربی، امام احمد، ابن جریر، امام ترمذی و امام حاکم، محمد بن اسحاق کلبی، امام قسطلانی، سیبویہ، زمخشری، خلیل بن احمد، عمر بن خطاب کے رسائل، ابن سینا کی القانون کے حوالے کتاب مذکور میں ملتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے پیش نظر ادب وعروض کی کتابیں بھی رہی ہوں گی۔

شاہ صاحب کی یہ کتاب علوم القرآن کے مباحث سے زیادہ گفتگو کرتی ہے اور اصول تفسیر سے کم، شاہ صاحب مختلف موضوعات پر گفتگو کرنے کے بعد موضوع کے یا تو بالکل آخر میں یا کبھی درمیان میں اصول بیان فرمادیتے ہیں۔ کتاب کے چوتھے باب میں سب سے زیادہ اصول بیان کیے ہیں تاہم ان اصول کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے لیکن یہاں یہ اعتراف کیے بغیر چارہ نہیں ہے کہ یہ اصول فہم قرآن کے لیے بہت زیادہ ممد ومعاون ہیں۔

حواشی ومراجع

۱ شاہ ولی اللہ دہلوی، الفوز الکبیر فی اُصول التفسیر، عربی ترجمہ: مولانا سید سلمان الحسنی ندوی، کلیۃ الشریعہ واصول الدین، دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۴ء، ص ۲۶-۲۷

۲ ایضاً، ص ۲۹

۳ ایضاً: حاشیہ مترجم، ص ۲۹

۴ ایضاً: ص ۵۷

۵ ایضاً: ص ۵۸

۶ ایضاً: ص ۶۱

۷ ایضاً: حاشیہ مترجم، ص ۱۶۰

Marfat.com

فتح الخبیر بما لا بد من حفظه فی علم التفسیر

ایک مطالعہ

ڈاکٹر علیم اشرف جائسی ☆

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) کے علمی آثار نے علوم اسلامیہ کے بیش تر گوشوں کا احاطہ کر رکھا ہے ان کے علمی آثار کے تنوع وشمول نے انھیں اسلامیان ہند میں سب سے ممتاز ومنفرد بنادیا ہے حضرت شاہ صاحب کا رسالہ "فتح الخبیر بما لابد من حفظه فی علم التفسیر" ان کی ایک جلیل القدر تصنیف ہے، جو بظاہر مختصر اور صغیر الحجم ہونے کے باوصف اس فن میں امت کی تمام کدو کاوش اور فتوحات علمیہ کا خلاصہ اور نچوڑ ہے جس کے بغیر تفسیر کتاب اللہ کا کوئی عمل مکمل نہیں ہوسکتا ہے جیسا کہ رسالے کا عنوان ہے۔

استاذ گرامی پروفیسر یاسین مظہر صدیقی نے شاہ صاحب کی تصنیفات کی جو توقیت ذکر کی ہے اس میں اس رسالے کا نمبر ۳۳ واں ہے اور الفوز الکبیر کے فوراً بعد ہے، شاہ صاحب کی تصنیفات کی توقیت اور زمانی ترتیب میں رسالے کا مذکورہ نمبر تقدیم وتاخیر کا احتمال رکھتا ہے لیکن اس کی تصنیف الفوز الکبیر کے فوراً بعد ہوئی ہے یہ بات ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے کیونکہ یہ خود شاہ صاحب کی تصریحات سے ثابت ہے چنانچہ الفوز الکبیر کے باب ثانی کے فصل اول میں جو غریب القرآن سے متعلق ہے فرماتے ہیں کہ:

☆ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ عربی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

Marfat.com

"وارى من المناسب ان اجمع فى الباب الخامس من هذه الرسالة جملة صالحة من شرح غريب القرآن الكريم مع بيان اسباب النزول، واجعلها رسالة مفردة مستقلة حتى اذا شاء احد ضمنها الى هذه الرسالة (يعنى الفوز الكبير) واذا احب آخر ان ياخذها كرسالة مستقلة فليفعل ذلک ..... وللناس فيما يعشقون مذاهب" (ص ۷۷)

شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا یہ بیان ان کی نگاہوں میں اس فن کی اہمیت و عظمت کی دلیل ہے چونکہ الفوز الکبیر صرف اصولی بحثوں کے لیے مختص تھی جس میں تفصیلات وفروعات کی گنجائش نہ تھی صرف اصولی بحثوں کے لیے مختص تھی لہٰذا باب ثانی میں جہاں اس فن کا ذکر کیا وہاں تو صرف چند اصولی باتوں پر اکتفا کیا ہے اور اس جلیل القدر موضوع کے لیے کتاب میں ایک مستقل باب قائم کرنے کا ارادہ فرمایا اور ایک سے زائد مرتبہ الفوز الکبیر میں اس کا ذکر فرمایا ایک مقام کا حوالہ ابھی ابھی گزرا ہے لیکن ایسا لگتا ہے کہ الفوز الکبیر کے چار ابواب کی تکمیل کے بعد شاہ صاحب نے غریب القرآن سے متعلق اپنے جمع کردہ مواد و معلومات پر نظر ڈالی اور ان کے کم و کیف کا جائزہ لیا تو اسے الفوز الکبیر کا پانچواں باب بنانے کے بجائے مستقل رسالہ بنانا ہی پسند فرمایا اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس رسالے کی زبان فارسی کے بجائے عربی ہے، زبان کے اس اختلاف کے باوجود اس رسالے کو الفوز الکبیر سے جو موضوعاتی ہم آہنگی ہے اسی کے پیش نظر اسے الفوز الکبیر کی متعدد اشاعتوں میں شامل کرلیا گیا ہے، اس رسالے کی پہلی معلوم علیٰحدہ اشاعت نولکشور پریس کے ذریعے ۱۳۱۴ھ/ ۱۸۴۶ء میں ہوئی اور یہی نسخہ اس مطالعے میں میرے پیش نظر ہے۔ یہ رسالہ بڑی تقطیع میں ۲۳ صفحات پر مشتمل ہے خطبہ مسنونہ اور رسالے کے ماخذ کے بیان پر مشتمل چند سطروں کے بعد اصل

Marfat.com

موضوع شروع ہوجاتا ہے۔ شاہ صاحب نے رسالے میں قرآن کریم کی ۱۱۲ سورتوں کے تقریباً دو ہزار الفاظ غریبہ کی شرح فرمائی ہے۔ عموماً یہ شرح لفظی ہے لیکن متعدد مقام پر مختصر مگر معرکہ آراء بحثیں بھی ہیں جو قرآنی فرمودات واحادیث نبویہ اور اقوال ائمہ سے مزین ومبرہن ہیں۔ کہیں کہیں مزید توضیح وتنقیح کے لیے لفظ غریب پر مشتمل آیت کا شان نزول بھی ذکر کردیا ہے اس چیز نے رسالے کی اہمیت وافادیت کو اور بھی بڑھا دیا ہے، سورہ قدر اور سورہ کافرون رسالے میں شامل نہیں ہے مؤخرالذکر سورہ میں توفی الواقع شاہ صاحب کی اصطلاح میں کوئی لفظ غریب نہیں ہے لیکن سورہ قدر میں کئی الفاظ قابل تشریح ہیں۔ اس سورہ میں وارد بعض الفاظ سے کہیں زیادہ واضح الفاظ کی شاہ نے تشریح کی ہے شاہ صاحب نے اس پوری سورہ کو کیوں نظر انداز کردیا اس کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی ہے اور یہ بات ہرگز بعید از قیاس نہیں کہ یہ سورہ قلم ناسخین کے تصرف کا شکار ہوگئی ہو کیونکہ بعض سورتوں کا ذکر ایک سطر سے بھی کم میں ہوا ہے جیسے سورہ ہمزہ، کوثر اور نصر وغیرہ اور اس قدر مختصر تحریر کے خرد وبرد ہونے کا قوی امکان واحتمال ہے۔

یہاں دو باتیں اور بھی قابل ذکر ہیں۔ اول یہ کہ رسالے میں صرف مفردات کی تشریح پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے بلکہ فقرات قرآنیہ اور کہیں کہیں مکمل آیت کا اجمالی معنی ذکر کردیا گیا ہے اور متعدد سورتوں اور آیات کی شان نزول بھی بیان کی گئی، شاہ صاحب علیہ الرحمہ خصوصی لفظ اور سبب کے بجائے عموم معنی کا اعتبار فرماتے ہیں، ان کے نزدیک آیت کے نزول کا سبب کوئی مخصوص واقعہ یا پس منظر ہوسکتا ہے لیکن حکم میں اس کی رعایت نہ کی جائے گی بلکہ وہ دوامی وشمولی ہوگا اور یہی محققین کی رائے ہے۔

دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ رسالہ اگرچہ غریب قرآن کے موضوع پر ہے لیکن غریب کا مفہوم شاہ صاحب کے یہاں اہل لغت والا نہیں ہے یعنی ایسا لفظ جو زبان میں قلیل الاستعمال یا غیر مستعمل ہو بلکہ ان کے یہاں لفظ غریب کے

Marfat.com

مفہوم میں مشترک المعنی، مشکل اور مبہم سبھی الفاظ شامل ہیں چنانچہ رسالے میں بڑی تعداد میں ایسے لفظ شامل ہیں جن پر اہل لغت کی اصطلاح میں غریب کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا۔

فتح الخبیر کے مآخذ پر نظر ڈالنے سے پہلے آیئے یہ دیکھیں کہ شاہ صاحب نے الفوز الکبیر میں اس سلسلہ میں کیا موقف اختیار کیا ہے، اپنے مختصر مگر جامع بیان میں الفوز الکبیر میں شاہ صاحب نے غریب قرآن کی شرحوں کی افضلیت کے اعتبار سے ۵/درجے متعین کیے ہیں فرماتے ہیں کہ:

"ان من افضل الشروح لغریب القرآن الکریم بل اولها بالاطلاق فی هذا الباب هو ما اثر وصح عن ترجمان القرآن عبدالله بن عباس رضی الله عنه عن طریقة ابن ابی طلحة وقد اعتمد الامام البخاری غالبا فی جامعه الصحیح."

(غریب قرآن کی سب سے افضل و اعلیٰ شرح وہ ہے جو ترجمان قرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے علی بن ابی طلحہ ہاشمی کے طریقہ سے مروی ہے، اپنی صحیح میں امام بخاری نے غریب قرآن کی شرح میں اسی پر اعتماد کیا ہے)

دوسرا درجہ ضحاک کے طریقے سے ابن عباس کی مرویات کا ہے اور نافع بن ازرق کے سوالات کے جواب میں ابن عباس کے فرمودات تیسرے درجے میں آتے ہیں۔

ان تین درجوں اور طریقوں کا ذکر کرنے کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ "وهذه هی الطریقة الثلاث التی ذکرها السیوطی فی کتابه الاتقان" بعدازیں شاہ صاحب دو درجوں کا اضافہ فرماتے ہیں "ثم یاتی بعد ذلک شرح الغریب الذی نقله الامام البخاری عند ائمه التفسیر"

Marfat.com

یعنی چوتھا درجہ اس شرح غریب کا ہے جسے امام بخاری نے مذکورہ بالا تینوں طریقوں بالخصوص مرویات علی بن ابی طلحہ کے سوا ائمہ تفسیر سے نقل کیا ہے، اور پانچواں اور آخری درجہ اس شرح غریب کا ہے جو حبر امت اور مصداق "اللھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل" کے سوا دوسرے صحابہ تابعین اور تبع تابعین سے منقول ہو۔

حضرت شاہ صاحب نے الفوز الکبیر میں بیان کردہ افضلیت وصحت کی اپنی اس درجہ بندی کا فتح الخبیر میں مکمل التزام کیا ہے، بلکہ فتح الخبیر کا بیشتر حصہ درجہ اول یعنی صحیفہ علی بن ابی طلحہ ہاشمی سے عبداللہ ابن عباس کے شرح غریب القرآن الکریم سے ماخوذ ہے اور صرف تکمیل کار کے لیے دوسرے اور تیسرے درجہ کی روایت لی گئی ہیں چوتھے اور پانچویں درجہ کی روایات بے حد قلیل ہیں اور ان کی قلت کی صراحت مقدمے میں موجود ہے، اور رسالے کے بیش تر مقام پر ان کی طرف اشارہ کردیا گیا ہے، لہٰذا اگر کسی لفظ کی شرح بغیر حوالے کے ہے تو غالب یہی ہے وہ شرح غریب القرآن کے صحیح ترین ماخذ یعنی ابن ابی طلحہ کے صحیفے سے ہی ماخوذ ہے یا زیادہ سے زیادہ دوسرے اور تیسرے درجہ سے متعلق ہے، شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"ھذہ جملة من شرح غرب القرآن منه آثار حبر ھذہ الامة عبدالله بن عباس رضی الله عنه من طریق ابن ابی طلحة عنه وکملتها بطریق الضحاک عنه کما فعل شیخ مشائخنا الامام الجلیل جلال الدین السیوطی فی کتابه الاتقان اعلی الله درجته فی الجنان ورأیت بعض الغرائب غیر مفسر فی تینک الطریقتین فکملتها بطریق مسائل نافع بن الازرق عنه" ان تینوں اعلیٰ درجات کے بیان کے بعد چوتھے درجے کے ضمنی ماخذ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ، وبسما ذکرہ البخاری فی صحیحه فانه اصح مایروی فی ھذا الباب کا پانچویں درجے

Marfat.com

کے ماخذ کا یوں ذکر کرتے ہیں کہ "ثم بغیر ذلک مما ذکرہ الثقات منہ اھل النقل وھو قلیل" کا تعلق صرف پانچویں درجہ کی شروح سے ہے یا درجہ اول کے علاوہ سبھی سے ہے اس کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا اس لیے کہ نحوی طور پر دونوں صورتیں جائز ہیں اور دونوں کا احتمال برابر ہے۔ لیکن اگر سیاق عبارت پر نظر ڈالی جائے تو اول وہلہ یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ "وھو قلیل" کا تعلق چاروں درجات کی شروح سے ہے اور شاہ صاحب کا اصل اعتماد صحیفہ ابن ابی طلحہ ہاشمی کی روایات پر ہے جو شرح غریب القرآن کے باب میں صحیح ترین ماخذ و مصدر ہے۔ رسالے کے مقدمے کا پہلا جملہ ہی اس بات کی نشان دہی کر رہا ہے میں ایک بار پھر اسے پڑھتا ہوں، فرماتے ہیں کہ "ھذہ جملة من شرح غریب القرآن من آثار حبر ھذہ الآیة عبداللہ ابن عباس رضی اللہ بن طریق ابن ابی طلحة عنہ" یعنی یہ مجموعہ غریب القرآن کی اس شرح پر مشتمل ہے جسے علی بن ابی طلحہ ہاشمی نے حبر امت حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کیا ہے اس کے بعد فرماتے ہیں و کملتھا یعنی میں نے رسالے کی تکمیل کی فلاں اور فلاں طریقوں سے اور پھر چاروں درجات کا ذکر کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ فتح الخبیر کا اصل اور بنیادی ماخذ صحیفہ علی بن ابی طلحہ کی روایتیں ہیں اور باقی درجات کی روایتوں کی حیثیت مکمل ہی ہے اور بایں طور یہ کہا جا سکتا ہے کہ وھو قلیل کا تعلق صرف آخری درجے کی شروح و روایات سے نہیں ہے بلکہ درجہ اول کے علاوہ سبھی سے ہے۔

حضرت شاہ صاحب کے اس رسالے کی عظمت اور جلالت شان جاننے کے لیے اس کے ماخذ صحیفہ علی بن ابی طلحہ کی معرفت ضروری ہے۔ تمام مفسرین کا بغیر کسی استثنا کے اس بات پر اجماع ہے کہ شرح غریب القرآن کے باب میں یہ صحیح ترین ہے۔

ابو جعفر النحاس (م ۳۳۸ھ) نے اپنی کتاب الناسخ والمنسوخ (مطبوع

Marfat.com

۱۳۲۳ھ، ص۱۲) میں امام اہل سنت احمد ابن حنبل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کا قول ذکر کیا ہے کہ بمصر صحیفة فی التفسیر رواها علی ابن ابی طلحة، لو رحل رجل فیها الی مصر قاصدا ما کان کثیراً (مصر میں تفسیر کی ایک ایسی کتاب ہے کہ اگر کوئی شخص صرف اس کتاب کے لیے مصر کا سفر کرے تو کچھ زیادہ نہیں ہے) جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ الاتقان کے چھتیسویں باب میں، جو غریب القرآن سے متعلق ہے، فرماتے ہیں کہ "وماورد عن ابن عباس عن طریق ابن ابی طلحة خاصة فانها من اصح الطریق وعلیها اعتمد البخاری فی صحیحه"

امام اہل سنت کے فرمان اور امام بخاری کے اعتماد کے بعد اس صحیفے کی صحت وعظمت کے ثبوت کے لیے کسی مزید شہادت کی ضرورت نہیں رہ جاتی، البتہ امام بخاری نے ان کا نام لیے بغیر راست طور پر ابن عباس پر تعلیق کی ہے اور غالباً اس کی وجہ بعض محدثین کی یہ رائے ہے کہ ابن ابی طلحہ نے عبداللہ ابن عباس سے سماعت نہیں کی ہے بلکہ انھوں نے مجاہد اور سعید بن جبیر سے سنا ہے۔ ابن عباس سے معلقا روایت کیا ہے۔ لیکن اس سے صحیفے کی قدر و قیمت پر کوئی اثر نہیں پڑتا بقول علامہ ابن حجر: جب واسطہ معروف اور ثقہ ہے تو اس تعلیق میں کوئی حرج نہیں (بعد ان عرفت الواسطة، وهو ثقة، فلا ضیر فی ذلک) اور یہی رائے امام بخاری کی بھی رہی ہوگی ورنہ ان کے اعتماد کا سوال ہی نہیں ہوتا ہے۔

یہ عظیم المرتبت علمی اثر مشرق اسلامی میں ہمیشہ غیر معروف یا کم معروف رہا حتی کہ ابن ندیم نے اپنی فہرست میں بھی اس کا ذکر نہیں کیا جب کہ انھوں نے بے شمار روایات تفسیر کا ذکر کیا ہے اور نہ ہی بیش تر قدیم مفسرین نے اس کا کوئی تذکرہ کیا ہے اور جن لوگوں نے اس سے اخذ کیا ان کی تصریحات یا اشارات سے لگتا ہے کہ انھوں نے اس صحیفے کو مفردات غریب قرآن کی تفسیر سمجھا ہے، حتی کہ سیوطی نے اس صحیفے کا ذکر صرف غریب قرآن کے باب میں کیا ہے اور صراحتاً بھی

Marfat.com

کہا ہے کہ یہ غریب قرآن کی تفسیر میں ہے اور چونکہ شاہ ولی اللہ نے فتح الخبیر کے سلسلے میں اعتماد اتقان اور صحیح بخاری پر کیا ہے لہٰذا ان کے کلام سے بھی یہ مترشح ہے کہ وہ صحیفہ علی ابن ابی طلحہ کو مفردات غریب قرآن کی تفسیر سمجھتے تھے جب کہ واقعہ اس کے بالکل برخلاف ہے۔ اور یہ صحیفہ بخاری کے نقول اور سیوطی کے گمان سے زیادہ عام اور شامل ہے اور بیشتر تفسیری مباحث کو محیط ہے۔

اس صحیفے کی تلاش اور اس کی تعریف و تاریخ ایک بے حد دلچسپ علمی داستان ہے جسے فاضل محقق ڈاکٹر محمد کامل حسین مصری نے انتہائی عرق ریزی سے مرتب کیا ہے ان کی یہ علمی تحقیق فواد عبدالباقی کی کتاب معجم غریب القرآن مستخرجا من صحیح البخاری کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

فتح الخبیر بما لابد من حفظه فی علم التفسیر اپنی انھیں خصوصیات اور مآخذ کی صحت و قیمت کے سبب ابن قتیبہ (م ۲۷۶ھ) کی تفسیر غریب القرآن سے لے کر فواد عبدالباقی کی معجم تک اس موضوع پر لکھی جانے والی تمام کتابوں میں اعتباری شان کی حامل ہے اور مختصر و صغیر الحجم ہونے کے باوجود حضرت شاہ ولی اللہ کا جلیل القدر علمی کارنامہ ہے۔ یہ رسالہ کتاب اللہ سے شغف رکھنے والے ہر شخص کے پیش نظر ہونا چاہیے بلکہ اسے لازمی طور پر دینی درس گاہوں کے نصاب تعلیم کا حصہ ہونا چاہیے جزاه الله عنا و عن معینین بالقرآن الکریم وعن سائر المسلمین۔

Marfat.com

تفسیرِ قرآن میں اسبابِ نزول کا مقام

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی ☆

قرآنِ کریم کی بہت سی آیات کسی خاص واقعہ کے سبب نازل ہوتی ہیں، یا ان میں کسی سوال کا جواب دیا گیا ہے، یا کسی مسئلہ کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ اور بہت سی آیات ایسی بھی ہیں جو کسی واقعہ یا سبب یا سوال کے بغیر نازل ہوئی ہیں۔ ایسے واقعہ یا سوال کو، جس کے نتیجے میں قرآن نازل ہوا ہو، سببِ نزول یا شانِ نزول کہا جاتا ہے۔

مفسرینِ کرام نے سببِ نزول کی معرفت کو غیر معمولی اہمیت دی ہے اور ایسے واقعات کو، جن کی طرف آیاتِ قرآنی میں اشارہ پایا جاتا ہے، یا ان کے بعد وہ آیات نازل ہوئی ہیں، اپنی تفسیروں میں بڑے اہتمام اور دلچسپی سے بیان کیا ہے۔ اس موضوع پر علماء نے مستقل کتابیں بھی تصنیف کی ہیں۔ علامہ زرکشیؒ (م ۷۹۴ھ) کے مطابق اس موضوع پر سب سے پہلے امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ/ ۸۶۹ء) کے استاد علی ابنِ مدینیؒ (م ۲۳۵ھ/ ۸۴۸ء) نے کام کیا ہے اور سب سے زیادہ شہرت امام ابوالحسن الواحدیؒ (م ۴۶۸ھ/ ۱۰۷۵ء) کی کتاب اسباب النزول کو حاصل ہوئی ہے[1]۔ حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ/ ۱۴۴۸ء) نے بھی اسباب نزول پر ایک کتاب تصنیف کی تھی۔ سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ/ ۱۵۰۵ء) نے خود اپنی بھی ایک کتاب کا تذکرہ کیا ہے جس کا نام لباب النقول فی اسباب النزول ہے[2]۔ علوم القرآن کی کتابوں

☆ مدیر معاون سہ ماہی تحقیقات اسلامی، نبی نگر (جمال پور)، علی گڑھ

Marfat.com

میں بھی اس موضوع پر شرح وبسط سے اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ چناں چہ ابنِ تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ/ ۱۳۲۸ء)، زرکشی، سیوطیؒ اور شاہ ولی اللہؒ (م ۱۱۷۶ھ/ ۱۷۶۲ء) نے اپنی کتابوں میں اس کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی ہے۔

شاہ ولی اللہ نے الفوز الکبیر فی اصول التفسیر میں تین مقامات پر اسباب نزول سے بحث کی ہے۔ کتاب کی ابتداء میں قرآن کے علوم پنج گانہ بیان کرتے ہوئے اختصار کے ساتھ اس پر روشنی ڈالی ہے۔ پھر آگے ایک مستقل فصل میں اس پر شرح وبسط سے کلام کیا ہے اور آخر میں مزید ایک مقام پر اس پر اظہار خیال ہے۔ آئندہ سطور میں اسباب نزول سے متعلق شاہ ولی اللہ کے نقطۂ نظر کا مطالعہ مقصود ہے۔

اسبابِ نزول کی اہمیت:

تفسیر قرآن میں اسباب نزول کو کس قدر اہمیت حاصل ہے؟ اس سلسلے میں علماء کے مختلف نقطۂ ہائے نظر سامنے آتے ہیں۔ بعض حضرات نے اس پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور قرآن کی تفسیر کرنے کے لئے اسبابِ نزول کی معرفت کو لازمی قرار دیا ہے۔ جب کہ بعض حضرات اس کی افادیت کے تو قائل ہیں، لیکن اس سے استفادہ میں بہت محتاط ہیں۔ امام واحدیؒ فرماتے ہیں:

هی أوفی ما یجب الوقوف علیها و أولیٰ ما تصرف العنایة الیها لامتناع معرفة تفسیر الآیة و قصد سبیلهادون الوقوف علی قصتها و بیان نزولها[۳]۔

اسبابِ نزول سے واقفیت اور دلچسپی بہت ضروری ہے، اس لئے کہ آیت کی تفسیر کا علم اور اس کے مدّعا کا حصول اس کے واقعہ سے واقفیت اور اس کے سببِ نزول کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں۔

علامہ ابنِ دقیق العیدؒ فرماتے ہیں:

بیان سبب النزول طریق قوی فی فهم معانی الکتاب العزیز [۴]

Marfat.com

سبب نزول کا بیان معانی قرآن کے فہم کا زبردست ذریعہ ہے۔
علامہ ابنِ تیمیہؒ سببِ نزول کی معرفت کو فہمِ قرآن میں معاون قرار دیتے ہیں:

معرفةسبب النزول تعين على فهم الآية ،فان العلم بالسبب يورث العلم بالمسبّب ۵

سبب نزول کی معرفت آیت کے فہم میں مدد دیتی ہے اس لیے کہ سبب کے علم سے مسبّب کا علم حاصل ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں شاہ ولی اللہؒ کا نقطۂ نظر اعتدال پر مبنی ہے۔انہوں نے ایک طرف اس غلو کی سخت الفاظ میں تردید کی ہے جس کا عام طور سے مفسرین ،راویان اور مولفینِ اسبابِ نزول شکار ہوئے ہیں، دوسری طرف بعض آیاتِ قرآنی کی تفسیر میں معرفتِ اسبابِ نزول کی اہمیت کا اعتراف کیا ہے۔ الفوز الکبیر کی ابتدا میں قرآن کے علوم پنج گانہ (علم احکام،علم مباحثہ،علم تذکیر بآلاء اللہ،علم تذکیر بایام اللہ اور علم تذکیر بالموت) بیان کرنے کے بعد لکھا ہے:

"عام مفسرین نے ہر ایک آیت کو،خواہ مباحثہ کی ہو یا احکام کی، ایک قصہ کے ساتھ ربط دیا ہے اور اس قصہ کو اس آیت کے لئے سبب نزول مانا ہے۔لیکن حق یہ ہے کہ نزولِ قرآن سے مقصودِ اصلی نفوسِ بشریہ کی تہذیب اور ان کے باطل عقائد اور فاسد اعمال کی تردید ہے۔اس لئے آیاتِ مباحثہ کے نزول کے لیے مکلّفین میں عقائدِ باطلہ کا وجود اور آیاتِ احکام کے لیے ان میں اعمالِ فاسدہ اور مظالم کا شیوع اور آیاتِ تذکیر کے نزول کے لیے ان کا بغیر ذکر آلاء اللہ و ایام اللہ اور موت اور اس کے بعد کے ہولناک واقعات کے بیدار نہ ہونا اصلی سبب ہوا ہے۔خاص خاص واقعات جن کو بیان کرنے کی زحمت اٹھائی گئی ہے (ان کا) اسبابِ نزول میں چنداں دخل نہیں ہے۔مگر صرف بعض آیات میں جہاں پر کسی

Marfat.com

ایسے واقعہ کی جانب اشارہ ہے جو رسول ﷺ کے زمانے میں یا اس سے پیش تر ہوا ہو، کیوں کہ سننے والے کے دل میں اس اشارہ سے ایک گہرا انتظار پیدا ہو جائے گا جو بدوں قصہ کی تفصیل معلوم کیے زائل نہ ہوگا۔ بدیں وجہ ہم پر لازم ہے کہ ان علوم (تفسیر) کی اس طرح تفصیل کریں کہ خاص خاص (یعنی بے تعلق) واقعات کے بیان کرنے کی تکلیف نہ کرنی پڑے"۶۔

آگے ایک جگہ لکھتے ہیں:

"اکثر اسبابِ نزول کا آیات کے معانی دریافت کرنے میں کسی قسم کا دخل نہیں ..... محمد بن اسحاق، واقدی اور کلبی نے قصہ آفرینی میں جس قدر افراط کی ہے (یعنی وہ ہر ایک آیت کے تحت ایک قصہ لاتے ہیں) محدثین کے نزدیک ان کا اکثر حصہ صحیح نہیں ہے اور ان کے اسناد میں نقصانات ہیں۔ ان لوگوں کے افراط کو علم تفسیر کے لیے شرط سمجھنا صریح غلطی ہے۔ اور اس کے حفظ پر فہمِ کتاب اللہ کو موقوف خیال کرنا دراصل کتاب اللہ سے اپنا حصہ کھونا ہے"۷۔

اسبابِ نزول کے فوائد

علامہ زرکشیؒ نے علمِ اسبابِ نزول سے واقفیت کے متعدد فوائد بیان کیے ہیں:

۱) اس سے اس حکمت کا پتا چلتا ہے جس کی بنا پر حکم کو مشروع کیا گیا۔
۲) اس سے حکم کی تخصیص کا علم ہوتا ہے (ان لوگوں کے نزدیک جو خصوصِ سبب کا اعتبار کرتے ہیں)۔
۳) اس سے آیاتِ قرانی سمجھ میں آتے ہیں۔

Marfat.com

۴) اس سے حصر کا وہم دوٗر ہوتا ہے: مثلاً آیت قُلْ لاَ اَجِدُ فِیْمَا اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّماً (الانعام -۱۴۵) میں بظاہر حصر پایا جاتا ہے، مگر سببِ نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں حصر نہیں ہے۔

۵) اس سے اشکال رفع ہوتا ہے، مثلاً سورۃ آل عمران کی آیت:

لاَ تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَا اَتَوا وَّیُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوا فَلاَ تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ.

تم ان لوگوں کو عذاب سے محفوظ نہ سمجھو جو اپنے کرتوتوں پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ ایسے کاموں کی تعریف انہیں حاصل ہو جو فی الواقع انہوں نے نہیں کیے ہیں۔

اس آیت کے ظاہری مفہوم سے یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ایک عمومی وصف پر دردناک عذاب کی خبر دی گئی ہے۔ حضرت ابنِ عباسؓ کی وضاحت سے معلوم ہوا کہ یہ آیت اہلِ کتاب کے بارے میں نازل ہوئی تھی ۸۔

شاہ ولی اللہؒ نے بیان کیا ہے کہ قرآن کریم میں بعض مقامات پر آیات کے معانی صحیح طور پر اس وقت تک نہیں سمجھے جا سکتے جب تک کہ ان کے اسبابِ نزول نہ معلوم ہوں۔ چناں چہ انھوں نے ایک جگہ کسی لفظ کے معنی نہ معلوم ہونے کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے بارہ (۱۲) اسباب گنائے ہیں۔ ان میں تیسرا سبب ''اسباب نزول کا یاد نہ رہنا'' ہے ۹ انھوں نے اس کی کوئی مثال نہیں ذکر کی ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے متعدد مثالیں دی ہیں ۱۰۔

اعتبار عمومِ لفظ کا ہے نہ کہ خصوصِ سببِ نزول کا:

علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ علمائے اصول کے درمیان اس باب میں اختلاف ہے کہ آیاتِ قرانی میں اصل اعتبار عمومِ لفظ کا ہوگا یا خصوصِ سبب کا؟ انھوں نے اول الذکر کو صحیح تر قرار دیتے ہوئے اس کی یہ دلیل دی ہے کہ صحابۂ کرام اور تابعینِ عظام مخصوص واقعات کے پس منظر میں نازل ہونے والی آیات کے عموم

Marfat.com

سے استدلال کرتے تھے اور یہ چیز ان کے درمیان عام اور معروف تھی ۱۱۔

علامہ سیوطیؒ سے قبل علامہ ابنِ تیمیہؒ نے بھی اس موضوع پر لکھا ہے۔ انھوں نے بہت سی مثالیں دی ہیں کہ بعض آیات کے سلسلے میں صحابہ کرام کہتے تھے یہ آیات فلاں اشخاص کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، لیکن اس سے مراد یہ نہیں ہوتی تھی کہ ان آیات کا حکم ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔ یہ بات کوئی مسلمان اور کوئی صاحبِ عقل کہہ ہی نہیں سکتا۔ انھوں نے اس سلسلے میں مذکورہ اختلاف کی جانب اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جن لوگوں نے کتاب وسنت کے عموم کو بعض متعیّن اشخاص کے ساتھ خاص کرنے کی بات کہی ہے ان کی مراد یہ ہے کہ وہ حکم اس شخص کے ساتھ اور اس طرح دیگر اشخاص کے ساتھ خاص ہے ۱۲۔

اس سلسلے میں علامہ زرکشیؒ فرماتے ہیں:

وقد یکون السبب خاصاً والصیغة عامة لینبّه علی ان العبرة بعموم اللفظ ۱۳

بسا اوقات سبب مخصوص ہوتا ہے، لیکن صیغۂ عمومی کا استعمال ہوتا ہے۔اس سے یہ وضاحت مقصود ہے کہ اعتبار عمومِ لفظ کا ہے۔

انھوں نے علامہ مخشریؒ کے حوالے سے مزید لکھا ہے کہ بسا اوقات سبب خاص ہوتا ہے مگر وعید عام ہوتی ہے، تاکہ جو شخص بھی اس قبیح فعل کا ارتکاب کرے، اس کو شامل ہو اور اس میں مذکورہ تعریض کا اس پر بھی اطلاق ہو۔ اس میں زیادہ زجر وتوبیخ ہے ۱۴۔

شاہ ولی اللہؒ اسبابِ نزول کی دو قسمیں بیان کرتے ہیں۔ جن واقعات کی جانب آیات میں کثرت سے تعریضات آئی ہوں ان کو بیان کرنا وہ ضروری قرار دیتے ہیں۔ لیکن جن واقعات کے بغیر آیات کے معانی سمجھ میں آجاتے ہوں اور وہ اپنے عموم کے اعتبار سے مستقل ہوں ان کی تفسیر میں واقعات کو نقل کرنے کی بالکل ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ فرماتے ہیں:

Marfat.com

''سبب نزول کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم یہ کہ کوئی ایسا حادثہ ہوا ہو جس میں مومنوں کے ایمان اور منافقوں کے نفاق کی جانچ ہوگئی۔ چناں چہ احد و احزاب میں ایسا ہوا اور خدا تعالیٰ نے مومنوں کی مدح اور منافقوں کی مذمت نازل فرمائی، تا کہ ان دونوں گروہوں میں امتیاز ہو جائے اور اس مدح و ذم میں اس خاص حادثہ کی جانب تعریضات بکثرت مذکور ہوئی ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ پہلے اس واقعہ کی مختصر تاریخ لکھ دی جائے، تا کہ ان آیات کا سیاق پڑھنے والوں پر منکشف ہو جائے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ آیت کے معنی اس حادثہ کے معلوم کئے بغیر ہی، جو کہ سببِ نزول ہوا ہے، اپنے عموم کے اعتبار سے مستقل ہیں، اور اس میں حکم عموم لفظ کا معتبر ہے، نہ کہ خصوص سبب نزول کا۔ مگر متقدمین مفسرین نے یہ ارادہ کر کے کہ اس آیت کے مناسب احادیث کو جمع کر دیا جائے، یا کتاب کے مفہوم و حکم عام کا کوئی مصداق ذکر کیا جائے، اس قصہ (سببِ نزول) کو ذکر کیا ہے۔ اس قسم کے قصوں کا ذکر کرنا چنداں ضروری نہیں ہے'' ۱۵۔

اسبابِ نزول اور مناسبت

مفسرین کے درمیان ایک بحث یہ پائی جاتی ہے کہ آیتِ قرانی کی تفسیر و تشریح کے ضمن میں پہلے سببِ نزول ذکر کیا جائے یا آیات کے درمیان مناسبت بیان کی جائے؟ دونوں میں سے کیا اولیٰ ہے؟ علامہ زرکشیؒ فرماتے ہیں کہ اگر مناسبت کی وضاحت سببِ نزول پر موقوف ہو تو سببِ نزول کو پہلے ذکر کرنا بہتر ہے۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو تو اولیٰ یہ ہے کہ پہلے مناسبت ذکر کی جائے۔ انھوں نے اس کی ایک مثال بھی دی ہے۔ سورۂ نساء میں ہے:

Marfat.com

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْباً مِّنَ الْکِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَ یَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا ھٰؤُلَآءِ اَھْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ آمَنُوْا سَبِیْلاً (آیت:۵۱)	کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب کے علم میں سے کچھ حصہ دیا گیا ہے اور ان کا حال یہ ہے کہ جبت اور طاغوت کو مانتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں سے تو یہی زیادہ صحیح راستے پر ہیں۔

اس آیت کا سببِ نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ غزوۂ بدر کے بعد یہود کا ایک سردار کعب بن اشرف مکّہ گیا۔ وہاں اس نے مشرکینِ قریش کو مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے اکسایا ان مشرکوں نے اس سے سوال کیا کہ بتاؤ، محمد (ﷺ) سیدھے راستے پر ہیں یا ہم لوگ؟ اس نے ڈھٹائی سے جواب دیا: تم لوگ۔ اس آیت میں اس کی جانب اور اس جیسے دیگر یہود کی جانب اشارہ ہے، جو اپنی الہامی کتابوں میں آں حضرت ﷺ کے اوصاف پاتے تھے، یہ چیز ان کے پاس امانت تھی، مگر انھوں نے اس میں خیانت کیا اسی سباق میں آگے ایک آیت میں عمومی خطاب ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الاَمٰنٰتِ اِلٰی اَھْلِھَا (آیت:۵۸)	اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہلِ امانت کے سپرد کرو۔

یہ سببِ نزول ذہن میں رہے تو مذکورہ دونوں آیتوں کے درمیان مناسبت کی وضاحت اچھی طرح ہو جاتی ہے، اس لیے اسے پہلے ذکر کرنا اولیٰ ہے۔

اسبابِ نزول کے سلسلے میں ضروری امور

تفسیر قرآن کے لئے اسبابِ نزول کے سلسلے میں کن چیزوں کی معرفت ضروری ہے اور کن چیزوں کی معرفت ضروری نہیں؟ شاہ ولی اللہؒ نے اس پر تفصیل

Marfat.com

اور وضاحت سے لکھا ہے۔انھوں نے ان امور کی نشان دہی کی ہے جنھیں عام طور سے مفسرین ومحدثین اسبابِ نزول کی حیثیت سے بیان کرتے ہیں، لیکن درحقیقت ان کا شمار اسبابِ نزول میں نہیں ہوتا اور ان کا جاننا مفسّر کیے لئے ضروری نہیں ہے۔ساتھ ہی وہ ان امور کی نشان دہی کرتے ہیں جن سے واقف ہونا تفسیرِ قرآن کے لئے ضروری ہے۔فرماتے ہیں:

''محدثین آیاتِ قرآنی کے ذیل میں ایسی بہت سی اشیاء کا ذکر کر جاتے ہیں جو فی الحقیقۃ اسبابِ نزول میں داخل نہیں ہوتیں، مثلاً صحابہ کا اپنے باہمی مناظرات میں کسی آیت سے استشہاد کرنا، یا آیت سے تمثیل دینا، یا اپنے کلام کے استشہاد میں حضور ﷺ کا کسی آیت کو تلاوت فرمانا، یا محدثین کا کسی ایسی حدیث کا روایت کرنا جس کو آیت کے ساتھ اس غرض یا موقع نزول یا اسماء مذکورہ فی الآیۃ کے مبہم کی تعیین میں موافقت حاصل ہو، یا کسی کلمۂ قرآنی کے لیے ادائے تلفظ کا طریقہ، یا سورتوں اور آیات کے فضائل یا آں حضرت ﷺ کے امثالِ امرِ قرآنی وغیرہ کی صحیح تصویر۔ درحقیقت یہ تمام باتیں اسبابِ نزول میں شمار نہیں ہیں اور نہ ان کا احاطہ کرنا مفسّر کی شرائط میں داخل ہے۔

مفسّر بننے کے لیے دو چیزوں کی معرفت شرط ہے۔ایک وہ واقعات جن کی طرف آیات مشیر ہوں، کیوں کہ ایسی آیات کے ایماء کا سمجھنا بغیر علم واقعات کے میسّر نہیں آسکتا اور دوسرے وہ قصّے جن سے عام کی تخصیص یا اور کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہو، مثلاً آیت کو اس کے ظاہری معنی سے پھیرتے ہوں وغیرہ وغیرہ، کیوں کہ آیات کے اصل مقصد کا علم ان قصص کی موافقت کے بدون ممکن نہیں''۱۷

آگے ایک جگہ فرماتے ہیں:

Marfat.com

"بالجملہ جو امور مفسّر کے لیے شرط ہیں وہ ان دونوں سے زیادہ نہیں ہیں: ایک غزوات وغیرہ کے قصّے جن کی خصوصیات کی جانب آیتوں میں ایسی تعریضات ہیں تا وقتیکہ ان واقعات کا علم نہ ہو، اس وقت تک آیات کی حقیقت تک رسائی نہیں ہوسکتی اور دوسرے بعض قیود کے فوائد اور بعض مقامات میں تشدّد کے ایسے اسباب جن کا علم کیفیتِ نزول کی معرفت پر موقوف ہوتا ہے" ۱۸

اسباب نزول کے صیغے

صحابۂ کرام اور تابعین عظام جب کسی آیت کے ضمن میں "نزلت الآیة فی کذا" کہہ کر کوئی واقعہ بیان کرتے ہیں تو اس کا مطلب قطعی طور پر یہ نہیں ہوتا کہ ان کے نزدیک وہ واقعہ اس آیت کا سبب نزول ہے، بلکہ اس سے ان کی مراد یہ بھی ہوسکتی ہے کہ وہ واقعہ اس آیت کے حکم میں داخل ہے، آیت کے نزول کا براہ راست سبب نہیں ہے۔

یہ بات علوم قرآنی کے تمام محققین مثلاً ابن تیمیہؒ ۱۹ زرکشیؒ ۲۰ سیوطیؒ ۲۱ وغیرہ نے لکھی ہے۔ شاہ ولی اللہؒ کی تحقیق بھی یہی ہے انھوں نے اس نکتہ پر تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"کلام حضرات صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم کے استقراء سے جس قدر ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کا یہ کہنا کہ "نزلت فی کذا" (یہ آیت فلاں بارہ میں نازل ہوئی) کسی قصے کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتا جو زمانہ نبوی میں واقع ہوکر نزولِ آیت کا سبب ہوا۔ ان کی عادت ہے کہ مصداق ہائے آیت میں سے کسی ایسے مصداق کو جس کا وجود زمانۂ نبوی یا اس کے بعد ہوا ہو، ذکر کرکے "نزلت فی کذا" کہہ دیا کرتے ہیں۔ ایسے مواقع پر تمام قیود

Marfat.com

کے ساتھ منطبق ہونا کچھ ضروری نہیں ہے ۔ ہاں اصل حکم میں انطباق چاہئے اور بس ۔اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انھوں نے رسول ﷺ کی جناب میں کوئی سوال پیش کیا یا آپ کے زمانۂ مبارک میں کوئی حادثہ واقع ہوا ہو اور آں حضرت ﷺ نے اس کا حکم کسی آیت سے استنباط فرمایا اور اس آیت کو اس موقع پر تلاوت کیا ہو تو ایسے واقعات کو بھی بیان کرتے ہوئے وہ کہہ دیا کرتے ہیں "نزلت فی کذا" ایسی خاص صورتوں میں کبھی فانزل اللہ تعالیٰ قولہ کذا یا صرف فنزلت بھی استعمال کرتے ہیں ان کا یہ کہنا اس بات کا اشارہ ہے کہ آں حضرت ﷺ کا کسی آیت سے استنباط اور آپ کے قلبِ مبارک میں اس وقت اس آیت کا القاء بھی وحی اور نفث فی الروع کی ایک قسم ہے۔یہی وجہ ہے کہ جو اس موقع پر لفظ فانزلت کا استعمال جائز ہے۔اگر کوئی شخص نزول کے ساتھ اس کو تعبیر کرے یہ بھی ممکن ہے" ۲۲۔

اسی کی وضاحت آگے یوں فرماتے ہیں:

"یہاں جان لینا چاہئے کہ حضراتِ صحابہ اور تابعین مشرکین و یہود کے مذاہب اور ان کی جاہلانہ عادات کے بارہ میں قصّہائے مخصوصہ اس لیے بیان فرماتے ہیں کہ وہ عقائد و عادات زیادہ روشن ہو جائیں اور ایسے موقع پر وہ اکثر کہہ دیتے ہیں نزلت الآیۃ فی کذا اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ فلاں آیت اس طرح کے واقعات کی نسبت نازل ہوئی ۔ان کی مراد اس سے عام ہوتی ہے کہ سببِ نزول وہی واقعہ ہو یا اس کے مانند اور کوئی یا آیت اس کے قریب نازل ہوئی ہو۔اس صورت خاص کے اظہار سے ان کا مقصد اس کی تخصیص کا اظہار نہیں ہوتا، بلکہ فقط یہ غرض ہوتی ہے کہ

Marfat.com

یہ صورت اس امورِ کلیہ کے لیے (جن کا اظہار و بیان ضروری ہے) ایک اچھی تصویر ہے۔ اس لیے بسا اوقات ان کے اقوال باہم مختلف اور اپنی اپنی طرف کھینچے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حالاں کہ حقیقت میں اس کا مطلب ایک ہی ہوتا ہے'' ۲۳۔

اس نقطۂ نظر کو متاخرین نے بھی قبول کیا ہے۔ مولانا فراہیؒ فرماتے ہیں:

''شانِ نزول کا مطلب جیسا کہ بعض لوگوں نے غلطی سے سمجھا ہے، یہ نہیں ہے کہ وہ کسی آیت یا سورہ کے نزول کا سبب ہوتا ہے، بلکہ اس سے مراد لوگوں کی وہ حالت یا کیفیت ہوتی ہے جس پر وہ کلام برسرِ موقع حاوی ہوتا ہے..... یہ جو روایتوں میں آتا ہے کہ فلاں فلاں آیتیں فلاں فلاں معاملات کے بارے میں نازل ہوئیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ سورہ کے نزول کے وقت یہ یہ احوال و مسائل درپیش تھے، تاکہ معلوم ہو سکے کہ سورہ کے نزول کے لیے کیا محرکات اور اسباب موجود تھے ..... جس وقت جو سورہ بھی نازل کی گئی وہ اس غرض کے لیے نازل کی گئی ہے کہ جو معاملات محتاجِ توضیح و تشریح ہیں ان کی توضیح و تشریح کر دی جائے اور کلام ایسا ہو کہ اس کے نظم میں کسی قسم کا التباس و ابہام نہ ہو'' ۲۴۔

مولانا مودودی نے ابن تیمیہؒ، زرکشیؒ اور سیوطیؒ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے:

''شانِ نزول کے بارے میں بہت سی روایات کا حال یہی ہے کہ کسی آیت کے متعلق جب یہ کہا جاتا ہے کہ یہ فلاں موقع پر نازل ہوئی تھی تو دراصل اس سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ جب وہ واقعہ پیش آیا اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی بلکہ مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ آیت اس واقعہ پر ٹھیک چسپاں ہوتی ہے'' ۲۵۔

Marfat.com

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''شانِ نزول کے بارے میں یہ بات پہلے ہی سمجھ لینے کی ہے کہ مفسرین جب کسی واقعہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ آیت اس واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ جب واقعہ پیش آیا اسی وقت وہ آیت نازل ہوئی تھی بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس واقعہ سے اس آیت کا تعلق ہے'' ۲۶۔

اسبابِ نزول سماعی ہیں یا اجتہادی؟

اسبابِ نزول کے سلسلے میں ایک بحث یہ اٹھائی گئی ہے کہ آیات کی تفسیر کے ضمن میں جو اسباب نزول مروی ہیں وہ سب سماعی ہیں یا ان میں کچھ اجتہادی بھی ہیں؟ امام واحدیؒ انھیں سماعی اور مبنی بر روایات قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

لا یحلّ القول فی أسباب نزول الکتاب الاّبالروایة والسماع ممن شاهدوا التنزیل و و قفوا علی الاسباب و بحثوا عن علمها و جدّوا فی الطلاب ۲۷

اسباب بیان کرنے میں سماع و روایت ہی ضروری ہے اور وہ بھی ان لوگوں کا جنھوں نے تنزیل قرآن کا مشاہدہ کیا ہو اور اس کے اسباب سے واقف ہوں اور ان کے علم سے آگاہ اور کوشش میں مجاہدہ کیا ہو۔

دیگر حضرات تمام اسبابِ نزول کو سماع و روایت پر مبنی نہیں قرار دیتے ہیں، بلکہ ان کا خیال ہے کہ صحابہ کرام نے بعض اسباب نزول قرائن کے ذریعہ بیان کیے ہیں اور ان میں ان کا اجتہاد شامل ہے ۲۸ اس معاملے میں شاہ ولی اللہؒ نقطۂ نظر بھی یہی ہے کہ اسباب نزول میں اجتہاد کو دخل ہے، اسی وجہ سے بعض آیات کے سلسلے میں ایک سے زائد اسباب نزول منقول ہیں۔ فرماتے ہیں:

Marfat.com

''اس فقیر کے نزدیک یہ محقق ہوا ہے کہ حضراتِ صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین اکثر فرماتے ہیں کہ یہ آیت فلاں فلاں حادثہ میں نازل ہوئی، مگر ان کا مقصود صرف آیت کے افراد و مصداق کی تصویر اور بعض ایسے مخصوص حادثات کا ذکر کرنا مقصود ہوتا ہے جن کو آیت اپنے عموم حکم کی وجہ سے شامل ہے۔ اس سے عام ہے کہ وہ واقعہ جس کو انھوں نے سببِ نزول کہا ہے، نزولِ آیت سے مقدم ہو یا موخر، اسرائیلی ہو یا جاہلی یا اسلامی، آیت کے تمام قیود کو حاوی ہو یا بعض کو۔ واللہ اعلم

ہماری اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اجتہاد کو اس سببِ نزول میں کچھ دخل ہے اور اسبابِ نزول میں متعدد قصّوں کے ذکر کرنے کی گنجائش ہے۔ جس شخص کو یہ نکتہ محفوظ ہو تو ظاہر ہے کہ مختلف اسباب نزول کا حل ادنی تامل اور تھوڑی توجہ سے کرسکتا ہے''۔ ۲۹

شاہ ولی اللہؒ نے اسبابِ نزول کے اختلاف کو حل کرنے کی صورتیں تجویز کی ہیں۔ علامہ سیوطیؒ نے اختلاف کی چھ صورتوں کی نشان دہی کی ہے اور ان کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ۳۰

اسبابِ نزول کے مآخذ

گزشتہ سطور میں شاہ ولی اللہؒ کا نقطۂ نظر گزر چکا ہے کہ وہ اسبابِ نزول، جن کو تفسیر قرآن میں بیان کرنے ضرورت ہے، بہت کم ہیں۔ انھوں نے ایک معیار متعین کیا ہے۔ ان کے نزدیک امام بخاریؒ، امام ترمذیؒ اور امام حاکمؒ نے اپنی کتابوں کے ابوبِ تفسیر میں جو اسباب نزول بیان کیے ہیں وہ محدثین کے نزدیک صحیح تر ہیں، اس لیے انھیں آیات قرآنی کی تفسیر و تشریح کے ضمن میں بیان کرنا چاہیے۔ خود انھوں نے فتح الخبیر میں ان اسباب نزول کو بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

Marfat.com

''ہم کو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسباب نزول اور توجیہاتِ مشکل کو بخاری، ترمذی اور حاکم نے اپنے اپنے ابواب تفسیر میں اسنادِ صحیحہ سے صحابہ یا رسول اللہ ﷺ تک پہنچایا ہے۔ ہم بھی ان کو بطور تنقیح و اختصار باب پنجم میں نقل کریں گے۔ اس سے دو فائدے ہوں گے۔ اوّل یہ معلوم ہو جائے گا کہ اتنے آثار کا حفظ کرنا مفسر کے لیے ضروری ہے، چناں چہ غرائب قرآن کی شرح، جس قدر ہم نے ذکر کی ہے، وہ نہایت ضروری ہے، دوسرے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اکثر اسبابِ نزول کو آیات کے معانی دریافت کرنے میں کسی قسم کا دخل نہیں۔ البتہ صرف ان قصص کو کچھ دخل ہے جن کا ان سب تفاسیر میں ذکر ہے، جو محدثین کے نزدیک صحیح تر ہیں''۳۱۔

حواشی و مراجع

۱۔ البرہان فی علوم القرآن، بدرالدین الزرکشی تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم دار احیاء الکتب العربیہ مصر، طبع اول ۱۹۵۷ء ۲۲/۱
۲۔ الاتقان فی علوم القرآن، جلال الدین سیوطی، المطبعۃ الازہریۃ مصر ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۵ء، جلد اوّل ص ۲۸
۳۔ اسباب النزول، ابوالحسن واحدی، طبع مصر، ۱۳۱۵ھ، ص ۴
۴۔ البرہان ۲۲/۱، الاتقان ۲۸/۱
۵۔ مقدمۂ فی اصول تفسیر، ابن تیمیہ، المطبعۃ السلفیۃ مصر، ۱۳۹۷ھ، طبع سوم، ص ۱۱
۶۔ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، شاہ ولی اللہؒ، اردو ترجمہ رشید احمد انصاری، مکتبہ برہان، اردو بازار دہلی، ص ۵
۷۔ الفوز الکبیر: ص ۴۳
۸۔ البرہان ۲۲/۱-۲۷ (بتلخیص)
۹۔ الفوز الکبیر ص ۳۰

Marfat.com

ملاحظہ کیجئے الاتقان ۱/۲۸-۲۹

الاتقان ۱/۲۹

مقدمہ، ص ۱۰-۱۱

البرھان ۱/۳۲

البرھان، حوالہ سابق

الفوز الکبیر، ص ۷۶-۷۷

البرھان ۱/۲۶، ۳۴

الفوز الکبیر، ص ۳۹

الفوز الکبیر، ص ۴۱-۴۲

مقدمہ، ص ۱۰

البرھان ۱/۳۱-۳۲

الاتقان ۱/۳۱

الفوز الکبیر، ص ۳۸

الفوز الکبیر، ص ۳۹-۴۰

مولانا فراہی، تفسیر نظام القرآن، مقدمہ (۱) شان نزول، دائرۂ حمیدیہ سرائے میر، اعظم گڑھ

مولانا مودودی، تفہیم القرآن، سورۂ دہر، جلد ششم، ص: ۱۸۲، ۱۹۸۱ء

مولانا مودودی، رسائل ومسائل، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۱۹۸۷ء، دوم، ص: ۶۴

اسباب النزول، ص ۳

الاتقان ۱/۳۱

الفوز الکبیر، ص ۷۷

الاتقان ۱/۳۱-۳۳

الفوز الکبیر، ص ۴۳

Marfat.com

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ناسخ و منسوخ آیات

ڈاکٹر محمد سلیم قاسمی ☆

جمہور ائمہ قرآن میں نسخ کے قائل ہیں لیکن اس بارے میں اختلاف ہے کہ کل کتنی آیات منسوخ ہیں۔ متقدمین کے یہاں منسوخ آیات کی تعداد پانچ سو تک پہونچی ہے جب کہ متاخرین کے یہاں اس کی تعداد کم ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے منسوخ آیات کی تعداد سب سے کم۔ یعنی کل بیس بیان کی ہے لیکن حضرتِ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نزدیک صرف پانچ آیات ہی منسوخ ہیں۔

''نسخ'' کے معنی زائل کرنا ہے جیسے قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے: وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِکَ مِن رَّسُولٍ وَلَا نَبِیٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَنسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَاتِهِ (الحج/۵۲) (ہم نے آپ سے پہلے جو رسول اور نبی بھیجے جب وہ خیال باندھنے لگے تو شیطان نے ان کے خیال میں ملا دیا۔ پھر اللہ شیطان کا ملایا ہوا مٹا دیتا ہے اور اللہ اپنی باتیں پکی کر دیتا ہے) آیت میں نسخ کے معنی مٹا دینا ہے۔

متقدمین یعنی صحابہ اور تابعین نسخ کو بڑے وسیع معنوں میں استعمال کرتے تھے۔ یعنی آیت کے اگر بعض اوصاف زائل کر دیے جائیں یا اس کے حکم میں جزئی تبدیلی کر دی جائے۔ مثلاً آیت میں کوئی قید تھی اس کو ختم کر دیا جائے یا

☆ ایسوشی ایٹ پروفیسر، شعبہ دینیات سنی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

Marfat.com

مطلق کو مقید کردیا جائے یا مبہم کی تشریح یا اجمال کی تفصیل بیان ہوتی تو ان سب پر وہ نسخ کا اطلاق کرتے تھے اسی لیے ان کے یہاں منسوخ آیات کی تعداد زیادہ ہے لیکن متاخرین کی اصطلاح میں نسخ کی یہ تعریف کی گئی "انما النسخ الازالة لحکم حتی لایجوز امتثاله"[1] کسی حکم کے ازالہ کا نام نسخ ہے جس پر عمل کرنا جائز نہ ہو۔ یعنی سابقہ آیت کا حکم کلی طور پر اور ہمیشہ کے لیے اسی طرح ختم کردینا کہ کسی بھی حالت یا زمانے میں اسی پر عمل جائز نہ رہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ نسخ کو علماء متقدمین کے معنوں میں تسلیم کرتے ہیں، علماء متاخرین کی اصطلاح وتعریف کے مطابق قرآن میں وہ نسخ کے قائل نہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے اصطلاح متاخرین کے مطابق جن پانچ آیات کو منسوخ قرار دیا ہے اس کی حکمت اور مصلحت بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا عبیداللہ سندھی نے لکھا کہ "شاہ صاحب کا مقصود اصلی یہ ہے کہ وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قرآن کی کوئی بھی آیت منسوخ نہیں لیکن مصلحت کے تحت اس کا اظہار مناسب نہیں سمجھا کہ کہیں ان پر اس مسئلہ پر معتزلہ کی رائے سے اتفاق کرلینے کا الزام نہ لگ جائے اس طرح حضرت شاہ صاحب جو اصلاح کرنا چاہتے تھے وہ نہ ہو پاتا لہٰذا انھوں نے حکیمانہ اسلوب اختیار کرکے بیس (۲۰) میں پندرہ (۱۵) ایسی آیات کی توجیہ کی جو نسبۃً مشکل تھیں لیکن باقی پانچ آیات کو منسوخ تسلیم کرلیا جن کی تاویل انھیں کے اصولوں کے مطابق بآسانی کی جاسکتی تھی[2]۔

مولانا عبیداللہ سندھی نے منسوخ آیات سے متعلق حضرت شاہ صاحب کے سلسلہ میں جو رائے پیش کی اس سے اختلاف کی گنجائش باقی رہتی ہے۔ یعنی معتزلہ کی رائے سے اتفاق کرلینے کے الزام سے بچنے کے لیے مصلحتاً انھوں نے بعض آیات کو منسوخ مان لیا، حضرت شاہ صاحب نے جن آیات منسوخہ کی توجیہ ہے اسی طرح بقیہ پانچ آیات کی بھی بآسانی توجیہ کی جاسکتی ہے شارح الفوز الکبیر حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری نے العون الکبیر شرح الفوز الکبیر میں ا

Marfat.com

بقیہ پانچ منسوخ آیات کی توجیہ بیان بھی کردی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب کی تحریر سے اس کا اشارہ بھی ملتا ہے گویا وہ کہنا چاہتے ہیں کہ متاخرین کی اصطلاح کے مطابق دائمی طور پر قرآن کی کوئی بھی آیت منسوخ نہیں حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں "کہ ناسخ و منسوخ آیات کا اختلاف دراصل متقدمین اور متاخرین کے درمیان اصطلاح کا باہمی فرق ہے"[۳] یعنی اختلاف حقیقی نہیں بلکہ لفظی اور اصطلاحی ہے۔ مزید لکھتے ہیں کہ "صحابہ اور تابعین نسخ کو اس کے لغوی معنی یعنی آیت کے بعض اوصاف کو زائل کرنے کے معنی میں استعمال کرتے تھے نہ کہ اصطلاح اہل اصول یا متاخرین کے مطابق"[۴] مثلاً کسی آیت پر عمل کی مدت ختم ہوگئی جیسے سورہ بقرہ کی آیت "فاعفوا واصفحوا حتی یاتی اللہ بامرہ" (عفو اور درگذر سے کام لو یہاں تک کہ اللہ کی طرف سے دوسرا حکم نہ آجائے) مکہ میں نازل ہوئی اور مسلمان اس وقت مشرکین کے ظلم وستم کا جواب دینے کی حالت میں نہیں تھے، لہٰذا آیت میں ان کی مشرکین کی ایذا رسانی پر صبر کا حکم دیا گیا پھر جب مسلمان اس قابل ہوگئے تو مدینہ میں آیت "قاتلوا الذین لایومنون باللہ والیوم الآخر" (ان لوگوں سے قتال کرو جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتے) اتری اور انھیں جہاد کا حکم دیا گیا۔ متقدمین کی نسخ کی تعریف کے مطابق حکم اول یعنی آیت صبر منسوخ کہلائے گی لیکن حقیقت میں آیت منسوخ نہیں بلکہ از قبیل منسا ہے جس پر دوسرا حکم امر قتال آنے تک عمل ہوا[۵] دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت کا حکم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم نہیں ہوا بلکہ یہ کہا جائے گا کہ جیسا کہ مولانا سعید احمد اکبرآبادی نے لکھا ہے کہ دونوں آیتوں کو سامنے رکھ کر دو حکم نکلتے ہیں ایک یہ کہ مسلمان اگر کسی وقت کمزور ہوں تو آیت صبر پر اور دوم یہ کہ اگر مضبوط ہوں تو حکم ثانی یعنی امر قتال پر عمل واجب ہوگا[۶]۔

۲- دوسری چیز جس پر سلف نسخ کا اطلاق کرتے تھے وہ آیت کو متبادر معنی سے غیر متبادر معنی کی طرف پھیرنا ہے مثلاً آیت إِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ أَمْوَالَ

Marfat.com

الْيَتَامَى ظُلْماً إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِيْ بُطُونِهِمْ نَاراً (جولوگ یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں) جب نازل ہوئی تو لوگوں نے یتیموں کا مال ناحق کھانے کے خوف سے ان کو الگ کردیا جس سے ان کو ضرر کا اندیشہ ہوا۔ پھر اللہ نے دوسری آیت يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَى قُلْ إِصْلاَحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ فَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّين ۔(آپ سے یتیموں کے بارے میں لوگ سوال کرتے ہیں تو کہہ دیجیے کہ ان کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم ہے تو اگر تم کھانے میں اپنے ساتھ ان کو ملالو تو وہ تمہارے بھائی ہیں) نازل ہوئی جس میں کھانے پینے میں انہیں شریک کرلینے کی اجازت دے دی گئی لیکن یتیموں کا مال ناحق کھانے سے بدستور ممانعت باقی رہی۔ متقدمین کے نزدیک آیت منسوخ کہی جائے گی جو حقیقت میں منسوخ نہیں بلکہ غیر متبادر معنی سے متبادر اور حقیقی معنی کی طرف پھیرنا ہے۔

۳- آیت میں اگر کوئی قید اتفاقی تھی پھر وہ ختم کردی گئی تو اس صورت میں بھی متقدمین آیت پر نسخ کا اطلاق کرتے تھے۔ مثلاً آیت قصر صلوٰۃ وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُواْ مِنَ الصَّلٰوةِ إِنْ خِفْتُمْ أَن يَفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُواْ (اور جب تم سفر کرو تو تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم نمازوں میں قصر کرلیا کرو اگر تمھیں کافروں کی طرف سے ستائے جانے کا خوف ہو) میں کافروں کی طرف سے ستائے جانے کے خوف سے نمازوں میں قصر کا حکم دیا گیا لیکن جب امن ہوگیا اور مسلمان غالب ہوگئے اور کافروں کی طرف سے ستائے جانے کا خوف جاتا رہا تب بھی آپ ﷺ سفر میں قصر ہی فرماتے رہے اس سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ آیت منسوخ ہوگئی ۸ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آیت منسوخ نہیں یعنی مختلف خطرات کا خوف کبھی ختم نہیں ہوتا جنہیں ہم آج کے آرام دہ سفر میں بھی محسوس کرتے ہیں۔ سفر درحقیقت تکلیفوں کا ایک حصہ ہے جس کا اطلاق ہر زمانے پر ہوتا ہے۔ جس زمانے میں مسلمانوں کو کافروں کی طرف سے ستائے

Marfat.com

جانے کا خوف لاحق تھا آج ہر ایک کو سفر میں اس سے کہیں زیادہ تکلیفوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا آیت حالات کی عکاسی کرتی ہے اسے منسوخ کہنا درست نہیں۔

۴- آیت میں کسی حکم عام کی تخصیص کردی جاتی جب بھی متقدمین اس پر نسخ کا اطلاق کرتے تھے جیسے "إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ" (بے شک انسان گھاٹے میں ہیں) کی "إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ" (مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام انجام دیے) کے ذریعہ تخصیص ہونے سے پہلی آیت "إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ" متقدمین کے نزدیک منسوخ کہی جائے گی۹۔

۵- مبہم آیت کی تشریح، قیاس مع الفارق کا بیان یا عہد جاہلیت کی کسی عادت کا خاتمہ یا سابقہ شریعت کے کسی حکم کا کسی آیت کے ذریعہ ازالہ کی صورت میں بھی متقدمین اس پر نسخ کا اطلاق کرتے تھے مثلاً (قیاس مع الفارق کی مثال) عہد جاہلیت میں لوگ سود کو بیع پر قیاس کرکے جائز سمجھتے تھے۔ لیکن قرآن نے فرمایا "احل الله البيع وحرم الربوا" (اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا) یا مشرکین بتوں کے نام پر جانوروں کو چھوڑتے تھے اور ان کا نام انھوں نے بحیرہ اور سائبہ وغیرہ رکھ چھوڑا تھا۔ اللہ نے فرمایا: ماجعل الله من بحيرة ولا سائبة ..... (اللہ نے بحیرہ اور سائبہ وغیرہ کچھ نہیں بنایا) اس طرح باپ کی بیویوں کی بیٹوں کے ساتھ نکاح کی حرمت یا طلاق کو تین کے عدد میں حصر کرنے کا بیان ہو تو متقدمین ہر ایک پر نسخ کا اطلاق کرتے تھے۱۰۔

اس کے علاوہ متقدمین کے یہاں منسوخ آیات کی تعداد زیادہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مکی سورتوں میں عموماً اصول وکلیات بیان کیے گئے ہیں اور مدنی سورتوں میں ان اصول وکلیات کی شرح وتفصیل ہے۔ جب ان کلیات واصول کی شرح بیان کی جاتی یا مبہم آیت کی تشریح یا مجمل کی تفصیل تو ان سب پر بھی وہ نسخ کا اطلاق کرتے تھے۔ لیکن متقدمین کے بعد متاخرین کا جب زمانہ آیا تو انھوں نے نسخ

Marfat.com

کا ایک خاص مطلب متعین کرلیا اور بقول مولانا عبیداللہ سندھی کے، انھوں نے یہ سمجھا کہ جس طرح توراۃ کے احکام پر قرآن کے تفصیلی اوامر کے بعد عمل کرنا منسوخ ہوگیا ہے، اسی طرح قرآن میں بعض آیات ایسی ہیں جن کو بعد کی آیات نے منسوخ کردیا ہے اور اس لیے ان پر عمل کرنا مطلقاً جائز نہیں ۱۱۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے جن آیات کو منسوخ نہیں تسلیم کیا اور وہ متاخرین کے نزدیک منسوخ ہیں یہاں ان آیات میں صرف ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے (تفصیل رسالہ الفوز الکبیر میں موجود ہے) مثلاً سورہ نساء کی آیت وَاللّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْکُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِکُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا (اور جو کوئی تمہاری عورتوں میں سے بدکاری کرے تو ان پر چار مرد گواہ لاؤ پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ ان کی موت واقع ہوجائے یا اللہ ان کے لیے کوئی راہ نکالے) کو عام مفسرین نے سورہ نور کی آیت "اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِئَةَ جَلْدَةٍ" (زنا کرنے والی عورتوں اور مردوں کو سو کوڑے مارو) سے منسوخ مانا ہے لیکن شاہ صاحب کے نزدیک منسوخ نہیں وہ فرماتے ہیں کہ آیت سابق کا حکم اپنی انتہاء تک پہونچ گیا یعنی سورہ نور کی آیت سے پہلے اس پر عمل ہوتا تھا، سورہ نور کی آیتیں اترنے کے بعد حکم ثانی پر عمل شروع ہوگیا ۱۲۔ ائمہ میں امام خطابی اور دوسرے علماء نے بھی آیت کو منسوخ نہیں مانا۔ اسی طرح شارح الفوز الکبیر مفتی سعید احمد پالنپوری نے فرمایا کہ اس آیت پر عمل ایک وجہ سے اب بھی باقی ہے، وہ اس طرح کہ جب مسلمان کسی وجہ سے حدود قائم نہ کرسکیں تو اس صورت میں اس آیت پر عمل واجب ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ یہ آیت ابتداء اسلام میں اس وقت نازل ہوئی جب مسلمان حدود پر عمل نہیں کرسکتے تھے لیکن جب مسلمانوں کو قوت اور حکومت حاصل ہوگئی تو سورہ نور کی آیات نازل ہوئیں ۱۳۔

Marfat.com

حضرت شاہ ولی اللہ نے جن آیات کو منسوخ تسلیم کیا ہے۔ اسی طرز پر ان کی بھی توجیہ ممکن ہے۔ مثلاً سورہ بقرہ کی آیت "كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْراً الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالأَقْرَبِيْنَ" (تم پر موت کے وقت والدین اور اقرباء کے لیے وصیت فرض کی گئی ہے اگر کسی نے مال چھوڑا ہو) کو حضرت شاہ صاحب نے آیت میراث "يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيْ أَوْلَادِكُمْ الخ" سے منسوخ مانا ہے[۱۴] لیکن شیخ پالنپوری نے فرمایا کہ بعض وجوہ سے اس پر بھی عمل باقی ہے یعنی جب یہ خوف ہو کہ اولاد اللہ کے حکم کے مطابق ترکہ تقسیم نہیں کرے گی اور یہ گمان ہو کہ میت کے بعد بعض پر ظلم کریں گے تو اس وقت نہ صرف اس آیت پر عمل باقی رہے گا بلکہ واجب ہوگا کہ مرنے والا قرآن کے مطابق سب کے حصے متعین کرے اور اس پر گواہ بھی بنائے تا کہ بعد موت کے ورثہ میں کسی بات پر اختلاف نہ ہو۔ دلیل یہ ہے کہ اس آیت سے پہلے آیت قصاص کو لایا گیا ہے اور پھر آیت وصیت ان دونوں آیتوں کے ربط و مناسبت پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے لوگوں کو تاکید کی کہ وہ مواضع فساد اور ابواب قتال کو صحیح تدابیر، مانند وصیت کے بند کریں، خاص طور پر مرنے والا اگر بہت سا مال و زر چھوڑ کر مرے۔ ائمہ میں حضرت قتادہ، طاؤس اور حسن بصری وغیرہ نے بھی اس آیت کو منسوخ نہیں مانا بلکہ اسی طرح کا امکان انھوں نے بھی ظاہر کیا ہے[۱۵]۔

اسی طرح کی توجیہ ان بقیہ چار آیات کی بھی ممکن ہے جنھیں حضرت شاہ صاحب نے منسوخ قرار دیا ہے۔

حضرت الاستاذ شیخ پالنپوری نے ان سب کو العون الکبیر (شرح الفوز الکبیر) میں بیان کیا ہے تفصیل کے لیے کتاب کی طرف مراجعت کی جاسکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ پورے قرآن میں ایک بھی آیت ایسی نہیں جس کا حکم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا ہو۔ مولانا یوسف بنوری نے علامہ انور شاہ کشمیری کے

Marfat.com

حوالہ سے فرمایا: شیخ رحمہ اللہ کان یقول لایکاد یوجد شیئ فی القرآن المتلو منسوخا فی الحکم بحیث لایبقی حکمہ فی وجہ من الوجوہ او محمل من المحامل بل لا جرم یوجد حکمہ مشروعا فی مرتبة من المراتب وحال من الاحوال وزمان من الازمان ۱۶؎۔ (شیخ فرمایا کرتے تھے کہ تلاوت کیے جانے والے قرآن میں کوئی بھی آیت ایسی نہیں جو حکماً اس طرح منسوخ ہو چکی کہ جس کا حکم کسی بھی طرح یا کسی بھی حال میں باقی نہ رہا ہو بلکہ اس کا حکم کسی نہ کسی مرتبہ میں، کسی نہ کسی حال میں یا کسی نہ کسی زمانہ میں ضرور بالضرور مشروع اور باقی رہتا ہے)۔

بحث کا حاصل یہ ہے کہ قرآن میں متقدمین کے طرز پر جزئی نسخ کے علاوہ کلی طور پر کوئی آیت منسوخ نہیں۔ بہ قول مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے اس کی مثال طبیب کے نسخے کے مانند ہے کہ بعض مرتبہ مریض کی حالت دیکھ کر طبیب ایک نسخہ کو ملتوی کر کے دوسرا نسخہ لکھتا ہے تو اس کے معنی یہ نہیں کہ اب پہلے نسخے کا استعمال سراسر ممنوع ہو گیا اور وہ کسی بھی حالت میں قابل استعمال نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ اب مریض کی موجودہ حالت کے پیش نظر اس کو یہ نسخہ استعمال نہیں کرنا چاہیے لیکن اگر اس کی حالت اولیٰ عود کر آئے تو ظاہر ہے اس کو پھر اس نسخہ کا استعمال کروایا جائے گا ۱۷؎۔

ناسخ و منسوخ کے باب میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا نقطۂ نظر بھی وہی ہے جو اسلاف متقدمین کا ہے۔ اور یہی زیادہ بہتر ہے کہ قرآن کی کسی آیت کو ہمیشہ ہمشیہ کے لیے منسوخ نہ سمجھا جائے اس لیے کہ قرآن قیامت تک کے لیے آیا ہے اور اس کے دائمی بقا کی صورت یہی ہے کہ زمانہ اور حالات کے مطابق اس کے کلیات واصول کو جزئیات پر منطبق کیا جائے جیسا کہ صدر اول میں اس پر عمل ہوتا تھا۔

Marfat.com

حواشی ومراجع

۱۔ علامہ جلال الدین سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، بمبئی، ۱۹۸۷ء، ۲/۲۸

۲۔ مولانا عبیداللہ سندھی، شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ، لاہور، ۱۹۴۴ء، ۷۴-۷۵

۳۔ الفوز الکبیر، مترجم اردو مولوی رشید احمد انصاری، مکتبہ برہان دہلی، ص ۳۲

۴۔ حوالہ مذکور

۵۔ مفتی سعید احمد پالن پوری، العون الکبیر شرح الفوز الکبیر، مکتبہ وحیدیہ دیوبند، ص ۱۶۶

۶۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی، فہم قرآن، دہلی، ۱۹۴۵ء، ص ۵۵

۷۔ العون الکبیر، ص ۱۶۶

۸۔ حوالہ بالا، ص ۱۶۶

۹۔ حوالہ مذکور، ص ۱۶۶، علامہ سیوطی نے فرمایا: قد اخطا من ادخلها فی المنسوخ۔ الاتقان، ۲/۲۹

۱۰۔ الاتقان، ۲/۲۹

۱۱۔ شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ، ص ۷۳-۷۴

۱۲۔ الفوز الکبیر، ص ۳۶

۱۳۔ الفوز الکبیر، ص ۱۸۲-۱۸۳

۱۴۔ الفوز الکبیر، ص ۳۳

۱۵۔ العون الکبیر، ص ۱۷۱

۱۶۔ محمد یوسف بنوری، مقدمہ یتیمۃ البیان لمشکلات القرآن مولانا محمد انور شاہ کشمیری، دہلی ۱۳۵۷ھ، ص ۷۹

۱۷۔ فہم قرآن، ص ۵۶

Marfat.com

شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور حروف مقطعات

ڈاکٹر نازش احتشام اعظمی ☆

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ہندوستان کی ان باوقار شخصیات میں سے ایک ہیں جو سالوں میں نہیں بلکہ صدیوں بعد دنیائے فانی میں جلوہ افروز ہوتی ہیں، بقول علامہ شبلی نعمانی ''ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد بلکہ خود انھیں کے زمانہ میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزل شروع ہوا اس کے لحاظ سے یہ امید نہیں رہی تھی کہ کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہوگا۔ قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشہ دکھلانا تھا کہ اخیر زمانہ میں جب کہ اسلام کا نفس واپسیں تھا شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی اور ابن رشد کے کارنامے ماند پڑ گئے۔ (شبلی، علم کلام، حصہ اول، ص ۱۰۹)

علمی خدماتِ شاہ

یوں تو شاہ صاحب نے جس موضوع پر لکھا خوب لکھا، چاہے وہ علم کلام ہو یا علم سیاسیات، علم قرآن ہو یا علم حدیث۔ شاہ صاحب نے ہر میدان میں انمٹ نقوش چھوڑے ہیں ہم اس مقالے میں شاہ صاحب کی قرآنی خدمات میں بھی بطور خاص حروف مقطعات کے بارے میں ان کے افکار و خیالات پیش کریں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے قرآن مجید کے ترجمہ اور مختصر تفسیر کے علاوہ تفسیر کے اصول و ضوابط پر ایک جامع تصنیف ''الفوز الکبیر'' تصنیف کی۔ شاہ

☆ میڈیکل آفیسر، ایم-سی-ڈی، نئی دہلی

Marfat.com

صاحب نے نظم کی مناسبت کے تعلق سے بھی اپنے افکار وخیالات کا اظہار فرمایا ہے۔اپنی کتاب اصول تفسیر میں ایک جگہ رقم طراز ہیں:

اگر ہم تحقیق وتفحیص کی نگاہ ڈالیں تو سارا کلام اس طرح باہم دیگر مربوط معلوم ہوتا ہے کہ آگے اور پیچھے کوئی بے ترتیبی نظر نہیں آتی ،اور ایسا پرویا ہوا ہار معلوم ہوتا ہے جو قیودات کے تجزیہ سے علاوہ کسی قاعدہ پر منطبق نہیں ہوسکتا۔ (الفوز الکبیر،ص۹۶)

اسی طرح شاہ صاحب نے اصول تفسیر میں اسالیب قرآن، نسخ فی القرآن، اسرائیلی روایات، محکمات، متشابہات اور شان نزول وغیرہ پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

حروف مقطعات پر حضرت شاہ کی بحث

حروف مقطعات پر شاہ صاحب کی رائے پیش کرنے سے قبل میں دیگر آراء کی طرف ایک مختصر اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔

حروف مقطعات کو شروع ہی سے مفسرین نے غور وفکر کا مرکز بنایا بعض مصنفین نے کچھ کامیابی حاصل کی جب کہ اکثر مصنفین کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

علماء کی ایک بڑی جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ رازہائے سربستہ ہیں جن کا علم صرف اللہ کو ہے اللہ کے علاوہ کوئی اور ان سے واقف نہیں ۔حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں:

ہرایک کتاب میں اللہ کا ایک راز ہے قرآن میں اس کا راز اوائل سور میں ہے۔امام شعبی کی بھی یہی رائے ہے۔

یہ متشابہات میں سے ہیں ہم ان کے ظاہر پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کے متعلق علم کو اللہ کے حوالے کرتے ہیں۔امام ابواللیث نے حضرات عمر، عثمان اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حروف مقطعات ایسی پوشیدہ چیز ہے.

Marfat.com

جس کی تفسیر نہیں کی جاسکتی۔

حضرت ابن عباس کہتے ہیں علماء ان کو سمجھنے سے عاجز اور درماندہ ہیں، یہی رائے دوسرے ائمہ قرآن جیسے طوسی، ابن حزم، ابوحیان، شوکانی کے علاوہ متاخرین میں صاوی اور صاحب معارف القرآن وغیرہ کی بھی ہے۔

علماء کا دوسرا گروہ ان کو رموز کا نام دیتا ہے اس کا کہنا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کسی نہ کسی صفت کی طرف اشارہ ہے جیسے الم: انا اللہ اعلم، طسم: انا اللہ الطالب السمیع المجید، حمعسق: الحلیم المثبت العالم- السمیع القادر القوی ۔انھوں نے اپنے ثبوت میں کلام عرب سے چند شواہد پیش کیے جو معلوم ومعروف ہیں۔

علماء کا ایک تیسرا گروہ ان کو قسم مانتا ہے یعنی یہ قسمیں ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے کسی نہ کسی چیز پر قسم کھائی ہے مگر یہ سوال اٹھتا ہے کہ اگر یہ قسم ہیں تو ادوات قسم اور مقسم علیہ کہاں ہیں؟۔

بعض لوگ ان سے قوموں کے عروج وزوال کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ یہ امت کتنے دن باقی رہے گی اس طرح کی باتیں خرافات سے کچھ کم نہیں اسی قسم میں وہ لوگ بھی آتے ہیں جو انھیں انیس (۱۹) کا ضریب بتاتے ہیں۔

ایک جماعت ان کو ملائکہ کا اعداد وشمار بتاتی ہے اس کا کہنا ہے کہ ان سے وہ فرشتے مراد ہیں جو زندگی کے مختلف شعبوں پر مامور ہیں اس گروہ کے سرخیل ابن عربی ہیں جو صوفیا کے نمائندہ ہیں یہ صرف وجدان، کشف اور امام کی نوعیت کی چیز بن جاتی ہے۔

علماء کا ایک اہم گروہ جس کے جدید ترجمان عبدالجبار شرارہ ہیں انھیں فواتح سور بتاتا ہے اور اس کا خیال ہے کہ ان سے سورتوں کو اسی طرح شروع کیا گیا ہے جس طرح عرب شعراء اپنے قصائد ھل اور الا سے شروع کرتے ہیں اس کے قائلین میں طبری، طوسی، ابن کثیر اور مجاہد جیسے ماہرین فن ہیں مگر یہ سوال رہ جاتا ہے

Marfat.com

کہ اگر ان سے شروع کیا گیا ہے تو ان کے کیا معنی ہیں اور اگر وہ بے معنی ہیں تو قرآن کے چند حروف بے معنی اور زائد ٹھہرے جو ایک عیب ہے اور پھر کیوں چند سورتوں میں ہی ایسا کیا؟ کیوں نہ تمام سورتوں میں ایسا کیا گیا؟

مفسرین کی ایک جماعت جس میں مبرد، ابن حجر عسقلانی اور قاضی عبدالجبار ہیں انہیں ان حروف کی طرف اشارہ بتاتی ہے جس سے قرآن ترکیب پایا ہے مگر علامہ شوکانی نے اس پر زبردست تنقید کی ہے اور اس کو لاحاصل تدقیق بتایا ہے۔

اس کے علاوہ علماء کا ایک دوسرا گروہ ہے جس کا کہنا ہے کہ ان کا مطلب ان حروف کا ان سورتوں میں کثرت استعمال ہے زمخشری ان کی طرف مائل نظر آتے ہیں مگر کسی چیز کی کثرت جیسا کہ بنت الشاطی نے تحریر فرمایا ہے کہ اس کے اعجاز کی دلیل نہیں۔

علماء کا ایک گروہ یہ رائے رکھتا ہے کہ ان سے سورتوں کے اختتام وابتداء کی طرف اشارہ یعنی بطور فصل کے آئے ہیں مگر یہ اشکال اٹھتا ہے کہ کیوں کہ نہ یہ ہر سورہ میں آئے یا صرف دو ایک حرف پر اکتفا کیا گیا بلکہ چار پانچ حروف لانے کی کیا ضرورت ہے اور خود کلام عرب ان کی تائید نہیں کرتا۔

علماء کا ایک آخری گروہ ہے جس میں خود شاہ صاحب شامل ہیں جو حروف مقطعات کو نام بتاتا ہے مگر ان میں بھی اختلاف ہے بعض انھیں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم بتاتے ہیں جن کے ترجمان حفظ الرحمٰن ہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ سے بھی اسی طرح کی بات مروی ہے بعض انھیں قرآن کے اسماء بتاتے ہیں مگر یہ انتہائی ضعیف قول ہے کیونکہ الم سورہ بقرہ کا نام تو ہوسکتا ہے پورے قرآن کا نہیں۔ بعض انہیں کاتبین وحی کے نام بتاتے ہیں بعض نے انھیں آں حضور ﷺ کے اسماء گردانا ہے مگر یہ رائے سراسر غلط معلوم ہوتی ہے کیونکہ اگر ان سے آں حضور ﷺ کے نام مراد ہوسکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے کیوں نہ مراد ہوں جیسے ن سے نور، ص سے صمد اور ق سے قدیر، اکثر لوگ ان سے سورتوں کے نام مراد لیتے ہیں جس میں طبری، رازی، ابن تیمیہ

Marfat.com

اور فراہی بھی شامل ہیں اگر چہ موخر الذکر کی توجیہ الگ ہے شاہ صاحب کی بھی یہی رائے ہے۔اب شاہ صاحب کی رائے کا ایک تجزیہ پیش ہے۔

نعمت ربانی

شاہ صاحب نے ان حروف کی معرفت کو اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت گردانا ہے جس سے اس نے انھیں نوازا گیا۔۔ وہ لکھتے ہیں: وہ علوم جنھیں اللہ تعالیٰ نے اس کمزور ناتواں بندے کو عطا فرمایا ان میں سے ایک وہ بھی ہے جس سے قرآنی حروف مقطعات کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

چونکہ شاہ صاحب کی رائے دیگر مفسرین سے مختلف ہے اس لیے انھوں نے یہ معذرت کی کہ اختلاف کوئی بری بات نہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے وہ لکھتے ہیں : کلام عرب پر غور کرنے والے یکساں صلاحیت کے حامل نہیں ان میں بعض بعض سے تیز اور ذہین ہیں چنانچہ تم دیکھتے ہو ایک گروہ نے کوئی معنی واضح کیا جب کہ دوسرا اس سے ناواقف تھا یہ بھی عربی زبان کا علم ہے مگر بہت سے لوگ اس کو پانے سے قاصر ہیں۔

شاہ صاحب کی رائے

شاہ صاحب کی رائے میں حروف مقطعات قرآن مجید کی سورتوں کے اس طرح کے نام ہیں جس طرح کتابوں کے نام ہوتے ہیں جیسے امام بخاری نے اپنی کتاب کا نام "الجامع المسند الصحیح من امور رسول اللہ ﷺ وایامہ" رکھا ہے ان کا کہنا ہے کہ یہ مجمل حروف سورتوں کے مفصل معانی کی طرف اشارہ ہیں وہ لکھتے ہیں کہ جان لو کہ قرآنی حروف مقطعات سورتوں کے نام ہیں جن کے مجمل معانی مفصل معانی پر دلالت کرتے ہیں جیسے کتابوں کا نام اس طرح رکھا جاتا ہے کہ وہ ان کے مشتملات کو بآسانی واضح کر سکے۔

Marfat.com

دلائل وشواہد

ان کا کہنا ہے کہ یہ حروف اسی طرح اپنے معانی کے خصائص پر دلالت کرتے ہیں جس طرح ف اور ل کا اجتماع کسی چیز کے شق کرنے اور فتح یعنی (کھولنے) پر دلالت کرتا ہے جیسے فلق، فلح، فلج، فلد وغیرہ پھر اسی طرح عرب ایک لفظ کو قریب المخارج کلمات سے بدل دیتے ہیں جیسے عرب ان چیزوں سے اچھی طرح واقف تھے مگر انھوں نے اس کے جمع کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی اور اگر نہ ہوتے تو وہ اس اجنبیت پر ضرور اعتراض کرتے یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی عرب سے "زید ذاھب" کہیں تو وہ سمجھ جائے گا لیکن اگر اس سے اس کی ترکیب نحوی معلوم کریں تو وہ منھ پھاڑ دے گا۔

مثالیں

اب ہم چند مثالیں پیش کرتے ہیں جن سے ان کی فکر کو مزید واضح کیا جاسکے گا ہم الم کو لیتے ہیں الف غیب پر دلالت کرتا ہے جیسے 'آ، او، ام'، وغیرہ 'ل'، تعین کو واضح کرتا ہے جب کہ 'م'، بولتے وقت ہیولیٰ کی طرف اشارہ ہوتا ہے اسی طرح ایک علم غیب کی توضیح سامنے آتی ہے، جو اس سورہ کا موضوع ہے یعنی سورۂ بقرہ میں ایمان بالغیب کو واضح کیا گیا۔

'ص'- کسی چیز کے نیچے سے اوپر اٹھنے کو واضح کرتا ہے جیسے صعود اسی طرح 'ط'، طیران کی طرف اشارہ کرتا ہے اور 'ۃ' غیب العالم پر دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ (ھل) وغیرہ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور سورۂ طٰہٰ میں مقامات و درجات انبیاء کا تذکرہ بھی ہے اسی طرح 'ع' تعیین، 'س' سریان، 'ق' قوت وغیرہ کی طرف اشارہ ہیں۔ شاہ صاحب کی رائے اس پہلو سے زیادہ اہم ہے کہ اس کا تعلق سورہ کے موضوع سے بھی ہے مگر اس میں بھی تصوف کا الہام و وجدان جھلکتا ہے۔

Marfat.com

فتح الرحمٰن کے امتیازات۔ فقہی تشریحات کے حوالہ سے

پروفیسر ظفر الاسلام ☆

شاہ ولی اللہ دہلویؒ ایک عظیم مفکر اور نامور مصنف و مصلح کی حیثیت سے کافی مشہور ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں کی زندگی کے مختلف شعبوں میں اصلاح کے لیے اپنے خیالات پیش کرتے ہوئے سب سے زیادہ قرآن وسنت کی اتباع پر زور دیا۔ مختلف طبقہ کے مسلمانوں سے خطاب میں یہی ان کا مشترک پیغام تھا اور اپنی تصنیفی وتالیفی مصروفیات کو بھی انھوں نے اسی رخ پر جاری رکھا۔ درحقیقت لوگوں کو قرآن وسنت سے قریب لانے اور ان سے حصول رہنمائی کی تسہیل کے لیے انھوں نے یہ ضروری سمجھا کہ مروجہ فارسی زبان میں قرآن کریم اور حدیث کی کسی معروف کتاب کا ترجمہ کیا جائے۔ اسی مقصد سے انھوں نے ''فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن'' کے نام سے قرآن کا فارسی ترجمہ قرآن مع مختصر حواشی مرتب کیا اور ''مصفیٰ'' کی صورت میں موطا امام مالک کے فارسی ترجمہ وتشریح کی خدمت انجام دی۔ ترجمہ وتشریح کا یہ کام محض ایک تالیفی مشغلہ نہیں تھا بلکہ اس تحریک کا ایک بنیادی عنصر تھا جسے انھوں نے اصلاحِ معاشرہ کے لیے جاری کیا تھا۔ ایک اعلیٰ مقصد سے مرتبط ہونے کے علاوہ زبان و بیان اور مشتملات کے اعتبار سے اس ترجمہ کی بہت سی خصوصیات ہیں۔ اس مضمون میں خاص طور سے فتح الرحمٰن کے حوالہ سے اس کے امتیازات واضح کیے جائیں گے۔

☆ پروفیسر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

Marfat.com

فتح الرحمٰن میں قرآنی آیات کے ترجمہ وتشریح کے ذیل میں شاہ صاحب نے مختلف انداز میں فقہی نکات پیش کیے ہیں اور مجموعی طور پر ان کی یہ صورتیں سامنے آتی ہیں:

۱- بعض اوقات ترجمہ کے متن کے درمیان ''یعنی'' کے بعد ایک دولفظوں میں فقہی نکتہ کی وضاحت ملتی ہے۔

۲- احکامی آیات کے ترجمہ میں ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں جن سے زیر تشریح آیت سے متعلق شاہ صاحب کا فقہی موقف واضح ہوجاتا ہے۔

۳- حاشیہ میں مختصراً یا تفصیلاً ان فقہی مسائل کی وضاحت کرتے ہیں جو مختلف آیات سے اخذ ہوتے ہیں۔

۴- آیات کے حوالہ سے وہ حاشیہ میں اہم مسائل کی توضیح کے ضمن میں مختلف مسالک کے فقہاء کی آراء کا ذکر کرتے ہیں اور بعض اوقات اپنی ترجیحی رائے بھی ظاہر کردیتے ہیں۔

۵- اگر فقہی نقطہ نظر سے کسی آیت کا دو یا دو سے زائد مفہوم نکلتا ہے تو ایک کا ذکر متن میں کرتے ہیں اور دوسرا حاشیہ میں۔ گویا ان کے نزدیک دونوں مفہوم صحیح ہے۔

۶- کسی آیت سے ماخوذ فقہی مسئلہ اور حدیث میں بظاہر اختلاف نظر آتا ہے تو ان میں تطبیق کی صورت بیان کرتے ہیں۔

۷- آیات سے ماخوذ عام فقہی حکم کی تحدید وہ حدیث سے کرتے ہیں۔

۸- بعض اوقات وہ ایسی آیات سے فقہی نکتہ اخذ کرتے ہیں جو بظاہر احکامی آیات سے تعلق نہیں رکھتی ہیں۔

۹- آیات کی فقہی تشریحات میں بعض اوقات وہ عام مفسرین وفقہاء سے اختلاف کرتے ہوئے اپنی الگ رائے پیش کرتے ہیں اور مجتہدانہ بصیرت کا ثبوت دیتے ہیں۔

Marfat.com

۱۰- وہ آیات کی فقہی تعبیر کو آسان سے آسان تر بنانے کے لیے اس پر نظر ثانی کرتے رہتے تھے۔

۱۱- احکامی آیات اور دوسری آیات کی تفسیر بیان کرنے میں شاہ صاحب اس درجہ محتاط نظر آتے ہیں کہ ہر حاشیہ کے اختتام پر ''واللہ اعلم'' درج فرماتے ہیں۔ فتح الرحمٰن میں شاہ ولی اللہ کی مذکورہ فقہی تشریحات کی اہمیت کچھ مثالوں سے بخوبی واضح ہو جائے گی۔ بعض اوقات شاہ صاحب ترجمہ میں ''یعنی'' کے تحت ایک دو لفظ بڑھا کر ایسی تشریح فرماتے ہیں کہ جس سے فقہی مسئلہ اخذ ہوتا ہے یا اس آیت سے جو مسئلہ نکلتا ہے اس سے متعلق ان کا موقف سامنے آجاتا ہے۔ مطلقات سے متعلق سورہ بقرہ کی مشہور آیت ہے۔

وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ۔ (البقرہ/۲۴۱)	اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو ان کو معروف دستور کے مطابق کچھ دیا جائے یہ متقیوں پر لازم ہے۔

شاہ صاحب اس کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:

''وطلاق دادہ شدگان را لازم است بہرہ مند ساختن بخوش خوئی یعنی نفقہ و سکنیٰ لازم کردہ شد بر پرہیزگاران''[۱]۔

ترجمہ میں ''یعنی نفقہ و سکنیٰ'' کے اضافہ سے شاہ صاحب نے یہ واضح کر دیا کہ یہاں ''متاع'' سے مراد نفقہ عدت ہے جس میں کھانے پینے اور رہنے سہنے دونوں کا نظم شامل ہے۔ جب کہ دیگر فقہاء اس کی مختلف تعبیر پیش کرتے ہیں۔ حنفی علماء اس کی تعبیر ایک جوڑا کپڑے سے کرتے ہیں، مالکی فقہاء کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ شوہر اپنی حیثیت سے مطابق مطلقہ کو کچھ دے دے۔ شافعی فقہاء کے مطابق ''متاع'' کی تعیین شوہر کی مالی حیثیت کے مطابق کی جائے گی[۲]۔ گویا ان فقہاء نے متاع سے نفقہ و سکنیٰ کے بجائے مطلقہ عورت کی رعایت یا دلجوئی کی خاطر کچھ دینا مراد لیا ہے۔ شاہ ولی اللہ کا موقف امام زمخشری کی تفسیر کے مطابق ہے[۳]۔

Marfat.com

طلاق ہی سے متعلق سورہ بقرہ کی ایک دوسری آیت ہے:

لاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن طَلَّقْتُمُ النِّسَاء مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُواْ لَهُنَّ فَرِيضَةً۔ (البقرہ/۲۳۶)	ہیچ گناہ نیست بر شما اگر طلاق دادند زناں را دراں وقت کہ ہنوز دست نرسانیدہ اید بایشاں یا معین نکردہ۔

اس کے آخری حصہ کے ترجمہ "یا معین نہ کردہ برائے ایشاں مقدارے" کرتے ہوئے حاشیہ پر "یعنی مہرا" درج کرکے یہ واضح کردیا کہ یہاں فریضہ سے مراد مہر کی متعینہ مقدار ہے۔[۴]

اس طرح سورہ التوبۃ کی آیت (نمبر ۳۴) "وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلاَ يُنفِقُونَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّهِ"

اور جولوگ سونا اور چاندی ڈھیر کر رہے ہیں اور اسے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو ایک دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو) کا ترجمہ کرتے ہوئے "یعنی زکواۃ نمی دہند"[۵] (جولوگ زکواۃ نہیں ادا کرتے) کی مختصر تشریح سے یہ واضح کردیا کہ اس آیت میں انفاق نہ کرنے والوں کو جو وعید سنائی گئی ہے اس سے مراد عام انفاق نہیں بلکہ زکواۃ نہ دینا ہے۔

بہت سی احکامی آیات کی فقہی تعبیر میں شاہ صاحب نے بڑی وضاحت سے کام لیا ہے۔ اس طرح کی ایک مثال روزہ کے احکام سے متعلق اس آیت کے ضمن میں ملتی ہے:

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ۔ (البقرہ/۱۸۴)	اور جو لوگ روزہ رکھنے کی قدرت رکھتے ہوں (پھر نہ رکھیں) تو وہ فدیہ دے دیں۔ ایک روزہ کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔

اس آیت پر شاہ صاحب کی تفسیری حواشی پر روشنی ڈالنے سے قبل یہ

Marfat.com

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا معنی و مفہوم متعین کرنے میں مفسرین میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اسے ذکر کر دیا جائے۔

۱- ایک خیال یہ ہے کہ پہلے صاحب استطاعت کے لیے بھی روزہ و فدیہ میں اختیار تھا۔ یہ آیت اسی سے متعلق ہے لیکن بعد کی آیت (فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ / پس جو شخص تم میں سے اس مہینہ کو پائے اس میں روزے رکھے) نے اس اختیار والی آیت کو منسوخ کر دیا۔

۲- اس آیت میں ''یطیقون'' سے مراد ہے جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے یا بمشکل رکھتے ہیں اس رائے کے حاملین ''یطیقون'' سے قبل ''لا'' کو حذف مانتے ہیں یا ''اطاقہ'' کو سلب ماخذ کی مثال قرار دے کر اس کا ترجمہ طاقت نہ رکھنا کرتے ہیں۔

۳- تیسرے اس آیت کا ترجمہ اس طور پر کیا جاتا ہے کہ ''جو لوگ فدیہ دینے کی طاقت رکھتے ہیں اور روزہ نہیں رکھ سکتے ان کے لیے ایک مسکین کے کھانے کے برابر فدیہ ہے''[۶]۔

شاہ صاحب نے اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے اس کی مختصر وضاحت کی ہے اور وہ اس طور پر ہے ''لازم است بر آنانکہ می توانند روزہ داشتند یعنی و نمی دارند فدیہ کہ عبارت از خوراک یک درویش است''[۷]۔

(ان کے لیے جو روزہ رکھ سکتے ہیں لیکن نہیں رکھتے فدیہ ادا کرنا لازم ہے جو ایک مسکین کو کھانا کھلانے کے برابر ہے)

یہ ترجمہ و تشریح پہلے خیال کے مطابق ہے لیکن حاشیہ میں اس وضاحت کے بعد کہ اس معنی کے اعتبار سے یہ آیت بعد والی آیت سے منسوخ مانی جائے گی وہ یہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں کو جو فدیہ دے سکتے ہیں اس کا دینا واجب ہے اس سے مراد صدقہ فطر ہے، جس کی مقدار کا تعین حدیث سے ہوتا ہے اس صورت میں یہ آیت محکم ہوگی منسوخ نہ ہوگی[۸]۔ فتح

Marfat.com

الرحمٰن کے حاشیہ میں شاہ صاحب اس کا تیسرا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ ان لوگوں پر جن کے ذمہ روزہ قضا تھا اور وہ قضا کر سکتے تھے لیکن قضا نہیں کیا یہاں تک کہ اگلا رمضان آ گیا بطور فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا واجب ہے ۹۔ یہاں پر مزید وضاحت دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ شاہ صاحب کے حاشیہ یا تکملہ فتح الرحمٰن کے حوالہ سے مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب نے اس آیت کی تشریح میں یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اس آیت میں فدیہ سے مراد صدقہ فطر ہے اور اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ۔ **یجب علی الذین یطیقون طعام مسکین مع اھلہ** ۱۰ (جو لوگ مسکین کو کھانا کھلانے کی طاقت رکھتے ہیں ان پر مسکین کو مع اہل وعیال کھانا کھلانا واجب ہے)۔ ان مثالوں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ شاہ صاحب ترجمہ پر نظر ثانی کرتے رہتے تھے۔ جب کسی آیت کا کوئی نیا مفہوم ذہن میں آتا تو وہ حاشیہ میں اضافہ کر دیتے۔

آیات احکامی کی تشریح میں فتح الرحمٰن کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ مختلف فیہ مسائل کے ضمن میں معروف فقہی مسالک کے علماء کی آراء ذکر کی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر سورہ المائدہ کی آیت نمبر ۵ میں نکاح کے مسائل کے ضمن میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ کن عورتوں سے نکاح جائز ہے اور کس مقصد سے نکاح مطلوب ہے اور وہ آیت یہ ہے:

الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِيْنَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ وَلاَ مُتَّخِذِيْ أَخْدَانٍ۔ (المائدہ/۵)	امروز حلال کردہ شد برائے شما پاکیزہا وطعام اہل کتاب حلال است برائے شما و طعام شما حلال است برائے ایشاں و حلال کردہ شدہ برائے شما محصنات از زنان مسلمانان ومحصنات از زنان کسانیکہ کتاب دادہ شدند پیش از شما چوں بدہید ایشاں را مہر ایشاں عفت طلب کنان وشہوت رانندگان ونہ دوست پنہاں گیرندگان۔

Marfat.com

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ محصنات مومنات و محصنات اہل کتاب حلال ہیں۔ شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک محصنات سے مراد پارسا و پاک دامن عورتیں ہیں امام شافعی کی رائے میں اس سے مراد آزاد عورتیں ہیں ۱۱۔ خود شاہ صاحب نے اس لفظ کے مدلول کے بارے میں اپنا نقطہ نظر واضح نہیں کیا ہے اور ترجمہ میں محصنات کا لفظ ہی باقی رکھا ہے۔ البتہ اسی آیت میں آگے محصنین کا لفظ آیا ہے جس کا ترجمہ انھوں نے ''عفت طلب کنان'' کیا ہے ۱۲۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ شاہ صاحب کے نزدیک محصنات کا مفہوم پاک باز عورتیں زیادہ صحیح ہے۔

اضطراری حالت میں مردار یا ناجائز چیز کے کھانے سے متعلق سورہ مائدہ کی یہ آیت بہت مشہور ہے۔

فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ	پس ہر کس کہ ناچار شود در گرسنگی غیر
مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ	ماگی بہ گناہ پس ہر آئینہ اللہ آمرزندہ
رَّحِیْمٌ۔ (المائدہ/۳)	مہربان است ۱۳۔

[البتہ جو شخص بھوک سے مجبور ہو کر ان میں سے کوئی چیز کھالے بغیر اس کے کہ گناہ کی طرف اس کا میلان ہو تو بے شک اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے]

اس کی تشریح کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں کہ بھوک سے مجبور ہو کر مردار کھانا جائز ہے اور پھر مزید وضاحت کرتے ہیں کہ امام اعظم کے نزدیک لفظ ''متجانف لاثم'' کا فائدہ یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ نہ کھائے۔ امام مالک اور شافعی کے نزدیک اس سے مقصود یہ ہے کہ اضطرار کے وقت مردار کھانے کی رخصت چوروں وڈاکوؤں کے لیے نہیں ہے ۱۴۔

نماز قصر کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

Marfat.com

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ إِنْ خِفْتُمْ أَن يَفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا۔ (النساء/۱۰۱)

چوں سفر کند در زمین پس نیت بر شما گناہے در آں کہ کوتاہ سازید قدرے از نماز اگر بہ ترسید از آں در بلا افگنند شمارا۔

[اور جب تم سفر پر نکلو تو کوئی مضائقہ نہیں کہ نماز مختصر کردو جب کہ تمھیں اندیشہ ہو کہ کافر تمھیں ستائیں گے]

اس آیت کی فقہی تفسیر میں جو اختلاف ہے اسے ترجمہ کے حاشیہ میں اس طور پر واضح فرماتے ہیں کہ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ یہ آیت مسافر کی نماز کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے اور ''خوف'' کی قید اتفاقی ہے، لیکن میرے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ یہ آیت نماز ''خوف'' کے حکم سے تعلق رکھتی ہے اور اس میں سفر کی قید اتفاقی ہے اور قصر سے مراد ہے رکوع وسجود کو اشارہ سے کرنا نہ کہ رکعات کم کرنا ۱۵۔ حواشی فتح الرحمٰن کے ضمیمہ میں شاہ صاحب مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ آیت کے سیاق اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اثر کی روشنی میں اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اس میں صلواۃ الخوف کا ذکر ہے اور قصر سے مراد یہ ہے کہ رکوع وسجدہ اشارہ سے کیا جائے اور یہ بات خود اس شرط سے واضح ہوتی ہے: واذا کنت فیھم (چوں باشی درمیاں مومناں یعنی وقت خوف) ۱۶[اور جب تم ان (مجاہدوں) کے درمیان موجود ہو]۔ اسی لیے اس آیت کو صلواۃ الخوف پر منطبق کرنا زیادہ صحیح ہوگا ۱۷۔ بہرحال شاہ صاحب کی توضیحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے مذکورہ آیت کے مفہوم کی تعیین میں دو رایوں میں سے ایک کے بارے میں اپنی ترجیح صاف طور پر ظاہر کردی ہے یعنی آیت زیر بحث میں نماز قصر کو صلواۃ الخوف پر منطبق کیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ سفر میں نماز قصر کرنے کے خلاف تھے۔ انھوں نے موطا کی شرح میں سفر میں نماز قصر کے جواز پر امت کا متفق ہونا نقل کیا ہے اور بعض احادیث کے حوالہ سے اس کے مسائل بیان کیے ہیں ۱۸۔ مزید براں حجۃ اللہ البالغہ

Marfat.com

میں سفر میں قصر کی حکمت بھی واضح کی ہے۱۹۔

یہاں یہ وضاحت بے موقع نہ ہوگی کہ نماز میں قصر سے متعلق سورہ نساء کی مذکورہ آیت کی تشریح وتعبیر میں قدیم دور کے علماء مختلف الرائے رہے ہیں۔ اس باب میں جو مشہور آراء نقل کی جاتی ہیں وہ یہ ہیں:

☆ آیت میں نماز میں قصر کرنے کا تعلق صرف حالت جنگ سے ہے۔ امن کی حالت میں قصر قرآن کے خلاف ہے۔

☆ صلواۃ الخوف صرف نبی کریم ﷺ کے عہد کے لیے مخصوص تھی جیسا کہ اس آیت سے واضح ہوتا ہے ''وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلوٰةَ'' [اور جب تم ان (مسلمانوں) کے درمیان ہو (حالت جنگ میں) تو انھیں نماز پڑھانے کھڑے ہو]

☆ حالت جنگ میں قصر کی کوئی خاص کیفیت مقرر نہیں ہے جنگ کے حالات جیسی اجازت دیں اسی کے مطابق نماز پڑھی جائے گی۔ جماعت کا موقع ہو تو جماعت سے ورنہ فرداً فرداً نماز پڑھی جائے گی۔ رکوع وسجود ممکن نہ ہو تو اشاروں سے نماز پڑھی جائے گی۔

☆ آیت میں قصر کے ساتھ صلواۃ خوف کا حکم اس صورت میں ہے جب کہ دشمن کے حملہ کا خطرہ ہو۔ عملاً جنگ کی صورت میں نماز موخر کردی جائے گی۲۰۔

قرآنی آیات کے حوالہ سے شاہ صاحب کے مباحث کا یہ پہلو بھی قابل ذکر ہے کہ اگر آیت سے کوئی عام حکم نکلتا ہے اور حدیث سے اس کی تحدید یا تخصیص ہوتی ہے تو وہ اسے واضح کردیتے ہیں۔ مثال کے طور پر سورہ النور کی آیت (نمبر۲) ''اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا'' (زن زنا کنندہ ومرد زنا کنندہ پس بزنید ہر یکے را از ایشان صد درہ) کے ذیل میں حدیث کے حوالہ سے یہ صراحت کی ہے کہ یہ حکم غیر محصن (غیر شادی شدہ) زانی کے ساتھ خاص ہے اور

Marfat.com

محصن زانی کی سزا رجم ہے ۲۱۔

اسی طرح وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا أَيْدِيَهُمَا (المائدہ/۳۸)

(ومرد دزد و زن دزد ببرید دست ایشاں را) [اور چور خواہ مرد ہو یا عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو]

سے بظاہر یہ حکم نکلتا ہے کہ یہ حکم ہر طرح کے چور کا ہاتھ کاٹنے کے لیے ہے۔ حدیث کی روشنی میں انھوں نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ چوتھائی دینار سے زیادہ کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا کا اطلاق ہوگا ۲۲۔ شاہ صاحب نے اس نوع کی وضاحت کا اہتمام مصفیٰ فارسی شرح موطا میں فرمایا ہے۔ فتح الرحمٰن کے حواشی میں اس طرح کی مثالیں نہیں مل سکی ہیں۔ لیکن اس باب میں حواشی فتح الرحمٰن میں شاہ صاحب کی تشریحات کا یہ پہلو کچھ کم اہم نہیں ہے کہ اگر کسی آیت سے ماخوذ کوئی حکم بظاہر کسی حدیث سے مختلف یا متناقض نظر آتا ہے تو وہ اس طور پر ان میں تطبیق پیدا کرتے ہیں کہ اختلاف رفع ہو جاتا ہے۔ سورہ بقرہ میں محرمات کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔ (البقرہ/۱۷۳)

جزایں نیست کہ حرام کردہ است برشما مردار را و خون را و گوشت خوک را و آنچہ آواز بلند کردہ شد براو بغیر اللہ

[اس نے تو بس تمھارے لیے مردار، خون، سور کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کے ذبیحہ کو حرام ٹھہرایا ہے]

اس کے حاشیہ میں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس آیت سے صرف مردار، خنزیر اور ان چیزوں کی حرمت ثابت ہوتی ہے جن پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا جائے، جب کہ حدیث میں درندہ اور گدھے کے گوشت کی حرمت بھی بیان کی گئی ہے۔ اس اختلاف کو رفع کرتے ہوئے وہ واضح کرتے ہیں کہ آیت میں حرام جانوروں کی تحدید حقیقی نہیں اضافی ہے۔ یہ خاص طور سے اہل عرب کے ان مزعومات و عقائد

Marfat.com

کے اعتبار سے ہے جو وہ پالتو جانوروں کی حرمت وحلت کے بارے میں رکھتے تھے۔مثال کے طور پر وہ بحیرہ وسائبہ کوحرام سمجھتے تھے۔اسی نسبت سے یہ وضاحت مقصود تھی کہ جانوروں میں مذکورہ چیزوں کے علاوہ اورکوئی چیز حرام نہیں۔ یہاں کوئی عام حکم بیان کرنا مقصود نہ تھا ۲۳۔

شاہ صاحب نے مختلف آیات کی فقہی تفسیر کے ضمن میں شان نزول بھی ذکر فرمایا ہے۔گرچہ وہ ہرآیت کوکسی نہ کسی آیت سے جوڑنے یا اس کے شان نزول کے تتبع کے خلاف ہیں ۲۴، لیکن فتح الرحمٰن کے حواشی میں جس طرح انھوں نے متعدد آیات کی تشریح کرتے ہوئے شان نزول کی وضاحت ضروری سمجھی اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اسے آیات کی تشریح وترجمانی میں ممد ومعاون سمجھتے تھے۔تحویل قبلہ کی مشہورآیت ہے:فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ (البقرہ/۱۴۴)۔(پس متوجہ گرداں روئے خودرا بطرف مسجد حرام وہرجا کہ باشید پس متوجہ گردانید روہائے خویش را بطرف وے)[مسجد حرام کی طرف رخ پھیر دواب جہاں کہیں تم ہواسی کی طرف منہ کرکے نماز پڑھا کرو]۔

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے انھوں نے تحویل قبلہ کا پس منظر بیان کیا ہے اور خاص طور سے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ مدینہ ہجرت کے بعد تقریباً سولہ سترہ ماہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کا معمول بیت المقدس کی جانب رخ کرکے نماز ادا کرنے کا تھا ۲۵، اسی طرح سورہ بقرہ کی آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ (البقرہ/۱۰۴) (اے مومناں مگوئید راعنا وبگوئید وانظرنا ونیک بشنوید وکافراں را وقت عذاب دردد ہندہ) [اے مومنو "راعنا" نہ کہا کرو بلکہ "انظرنا" کہو اور توجہ سے بات سنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے] کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ یہودی نبی کریم ﷺ کی مجلس میں شریک ہوتے تو آپ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے "راعِنا" کہتے۔اس کے دو معنی ہیں۔ایک یہ کہ ہماری رعایت

Marfat.com

کیجیے، ہم پر مہربانی کیجیے دوسرے رعونت رکھنے والے۔ اس سے مقصود آپ کی تحقیر ہوئی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کے بجائے "انظرنا" کے استعمال کی ہدایت دی تا کہ فساد کا دروازہ بند ہو جائے۔ آیت میں اس کی جانب اشارہ ہے۲۶۔

فتح الرحمٰن میں فقہی نقطہ نظر سے تشریح آیات کا ایک اور قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ شاہ صاحب ایک عام لفظ سے بھی فقہی مسئلہ اخذ کر کے اسے واضح فرما دیتے ہیں۔ اوپر سورہ مائدہ کی وہ آیت گذر چکی ہے جس میں مومنات اور محصناتِ اہل کتاب سے نکاح کے شرائط و مقاصد بیان کے ضمن میں "غیر مسافحین" کا لفظ آیا ہے جس کا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے (نہ شہوت رانندگان/ یعنی نہ محض شہوت رانی کرتے ہوئے)۔ شاہ صاحبؒ نے اس لفظ کے مفہوم سے متعہ کے عدم جواز کی حرمت ثابت کی ہے (واز غیر مسافحین مفہوم شد کہ نکاح متعہ درست نیست)۲۷۔ اسی طرح اسی آیت میں "ولا متخذی اخدان" (ونہ دوست پنہاں گیرندگان/ اور نہ چوری چھپے آشنائی کرتے ہوئے) کا لفظ آیا ہے۔ اس سے انھوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ پوشیدہ طور پر یا بلا اعلان نکاح صحیح نہیں ہے۲۸۔ سورہ توبہ میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ۔ (التوبہ/۱۲۲)

(وممکن نیست مومناں را کہ برآیند ہم یک جا [یعنی بہ طلب علم] ۲۹۔ پس چرا بیرون نیآمدند از ہر جمعے از ایشاں چند کس تا دانش مند شوند در دین و تا بیم کنند قوم خود را چوں از آیند بسوئے ایشاں بود کہ ایشاں بترسند)

[اور یہ تو ضروری نہ تھا کہ سب ہی مسلمان نکلتے تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ نکلتے تا کہ دین میں بصیرت حاصل کرتے اور اپنی قوم کے لوگوں کو بھی آگاہ کرتے جب کہ وہ ان کی طرف لوٹتے کہ وہ بھی احتیاط کرنے والے بنتے]

Marfat.com

اس آیت کی تعبیر میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض مفسرین نے اس سے جہاد کے لیے نکلنا مراد لیا ہے جب کہ دوسروں کی رائے میں اس سے علم دین کے حصول یا دین کی تعلیم کے لیے نکلنا مراد ہے ۳۰۔ شاہ صاحب بھی اسی رائے کے حامل ہیں۔ اسی سے انھوں نے یہ فقہی مسئلہ اخذ کیا ہے کہ طلبِ علم دین فرض کفایہ ہے ۳۱۔ اسی طرح مصفیٰ میں وضو کے ارکان سے متعلق احادیث کی تشریح کرتے ہوئے سورہ البینہ کی آیت (نمبر ۵) وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (وفرمودہ نشد ایشاں را مگر آں کہ عبادت کنند اللہ را خالص ساختہ برائے او پرستش را) میں خالص اللہ کے لیے عبادت الٰہی کی ہدایت سے شاہ صاحب نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ وضو و غسل وغیرہ کی صحت کے لیے نیت شرط ہے ۳۲۔

یہاں یہ ذکر بھی اہمیت سے خالی نہ ہوگا کہ شاہ صاحب نے متعدد آیات کی فقہی تشریح وتوضیح میں عام مفسرین سے اختلاف کرتے ہوئے ایک ایسا نقطہ نظر پیش کیا ہے جس سے ان کی مجتہدانہ بصیرت واضح ہوتی ہے اور قرآن کریم میں ان کے گہرے تدبر و تفکر کا ثبوت بھی ملتا ہے، اہم بات یہ کہ انھوں نے جو رائے پیش کی ہے اس پر قرآنی آیات میں استشہاد کیا ہے: قتل خطا کی دیت سے متعلق ارشاد ربانی ہے:

وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةً۔ (النساء/۹۲)	(واگر باشد مقتول از قومے کہ میاں شما وایشاں عہد است (یعنی واو مومن باشد) پس لازم است خون بہا رسانیدہ شدہ بکسان او و آزاد کردن بردہ مسلمان) ۳۳

[اگر وہ کسی ایسی قوم کا فرد تھا جس سے تمھارا معاہدہ ہو تو اس کے وارثوں کو خوں بہا دیا جائے گا اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہوگا]

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ جمہور مفسرین

Marfat.com

نے اس سے کافر مقتول مراد لیا ہے یعنی اس کی دیت کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ شاہ صاحب کی رائے میں اس سے معاہد قوم سے تعلق رکھنے والے مومن مقتول مراد ہے۔ وہ اس کی دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سے پہلے جو آیت ہے اسے پیش نظر رکھا جائے اور اس میں "وھو مومن" کی جو قید ہے اس پر غور کیا جائے اور وہ آیت یہ ہے:

مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَن يَقْتُلَ مُؤْمِناً إِلاَّ خَطَئاً وَمَن قَتَلَ مُؤْمِناً خَطَئاً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ إِلاَّ أَن يَصَّدَّقُواْ فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ۔ (النساء/۹۲)

(ونہ سزد مسلمانے را کہ بکشد مسلمانے را لیکن قتل واقع می شود بخطا یعنی بغیر قصد و ہر کہ بکشد مسلمانے را بخطا پس لازم است آزاد کردن بردہ مسلمان و خون بہا رسانیدہ شدہ بہ بکسان مقتول مگر آنکہ ابرا نمایند پس اگر باشد مقتول از گروہ دشمناں واو مسلمان است پس لازم است آزاد کردن بردہ مسلمان)

شاہ صاحب کے خیال میں ان سب باتوں پر غور وفکر سے یہ واضح ہوتا ہے کہ زیر بحث آیت میں دیت کا لزوم ایفاء عہد کے لحاظ سے ہے نہ کہ میراث کے طور پر۔ اس پر سورہ ممتحنہ کی اس آیت سے بھی استشہاد کیا جاسکتا ہے جو معاہد قوم کی طرف سے آنے والی مومن عورت کی مہر سے تعلق رکھتی ہے۔ اس سے یہ حکم نکلتا ہے کہ اگر مومنات کفار کے علاقہ سے ہجرت کرکے آئیں تو انھیں واپس نہ لوٹایا جائے نکاح کے وقت کافروں نے انھیں جو مہر دیا تھا اسے انھیں واپس دے دیا جائے اور مہر کی ادائیگی کے بعد مسلمانوں کے لیے ان سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہ ہوگا۔ شاہ صاحب کی تفسیر کے مطابق دیت سے متعلق مذکورہ بالا اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مومن نے کسی دوسرے مومن کو غلطی سے قتل کردیا تو اس

Marfat.com

کے لیے دیت اور ایک غلام آزاد کرنا ضروری ہے اور اس آیت میں کافر مقتول نہیں بلکہ مومن مقتول کا ذکر ہے جس کے ولی وسرپرست اہل الذمہ ہوں ۳۴۔ اسی طرح سورہ بقرہ کی آیت (وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ) کی تشریح و توضیح کے ضمن میں شاہ صاحب کا یہ منفرد موقف اوپر گذر چکا ہے کہ یہاں فدیہ سے مراد صدقہ فطر ہے یعنی جو لوگ فدیہ یعنی صدقہ فطر ادا کرنے کی وسعت رکھتے ہیں ان پر ایک مسکین کے کھانا کے برابر صدقہ فطر واجب ہے، گرچہ انھوں نے اس آیت کے اور بھی مفہوم بیان کیے ہیں لیکن اس جداگانہ رائے کو ترجیح دیا ہے اس لیے کہ اس کی وجہ سے آیت منسوخ نہیں قرار پائے گی اور اس کی محکم حیثیت باقی رہے گی۔

فتح الرحمٰن کی یہ بھی ایک خصوصیت ہے کہ اس کے مولف گرامی نے احکامی آیات کی تشریح وتوضیح اور دوسرے فقہاء کی آراء نقل کرنے بلکہ عام تفسیری نکات پیش کرنے میں بھی بڑی احتیاط سے کام لیا ہے اور ہر حاشیہ کے اختتام پر ''واللہ اعلم'' درج فرمانے کا اہتمام فرمایا ہے۔

ان تفصیلات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ فتح الرحمٰن میں شاہ ولی اللہ کی تشریحات وتوضیحات بیش تر مقامات پر مختصر ہیں لیکن اپنے اندر بڑی جامعیت و معنویت رکھتی ہیں۔ ان میں فقہی نقطہ نظر سے جو تشریح وتوضیح ملتی ہیں وہ بھی بہت اہم ومفید ہیں۔ شاہ صاحب کا یہ انداز تشریح بھی منفرد ہے کہ کہیں محض ایک دو لفظ کے اضافہ سے کوئی فقہی نقطہ نظر واضح کر دیتے ہیں اور بعض مقامات پر ضرورت کے مطابق تفصیلی وضاحت کا اہتمام کرتے ہیں۔ فقہی مسائل کی تشریح کے ضمن میں وہ دوسرے فقہاء کی آراء کا ذکر کرتے ہیں لیکن ان سے اتفاق ضروری نہیں۔ کبھی اپنی بالکل منفرد رائے ظاہر کرتے ہیں اور اس کے حق میں نقلی وعقلی دلائل بھی پیش کرتے ہیں۔ حواشی میں فقہی مسائل سے بحث کرتے ہوئے شاہ صاحب نے بہت سے مقامات پر مختلف مسالک بالخصوص حنفی وشافعی فقہاء کی آراء کا استقصاء کیا ہے۔ یہ

Marfat.com

تقابلی مطالعہ کے پہلو سے بڑی افادیت رکھتا ہے۔ متعدد آیات کی دو یا دو سے زائد فقہی تعبیرات سے اس بات کی مزید توثیق ہوتی ہے کہ شاہ صاحب قرآن میں مسلسل غور وفکر کرتے رہتے تھے۔ کسی آیت سے متعلق کوئی نیا نکتہ ذہن میں آتا تو حاشیہ میں اس کا اضافہ فرمادیتے، ان سب کے علاوہ فتح الرحمٰن کے حواشی میں فقہی مباحث سے بھی شاہ صاحب کی مجتہدانہ بصیرت کا ثبوت ملتا ہے۔ مختصر یہ کہ فتح الرحمٰن کے مطالعہ سے فن ترجمہ وتفسیر میں شاہ ولی اللہؒ دہلوی کی مہارت کے علاوہ علم فقہ میں ان کی گہری دلچسپی اور آیات کی فقہی تشریح میں ان کے امتیازات بھی سامنے آتے ہیں۔

حواشی ومراجع

۱ شاہ ولی اللہ دہلوی، القرآن الکریم و ترجمۃ معانیہ الی اللغۃ الفارسیۃ، (فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن)، مدینہ منورہ، ۱۴۱۶ھ، ص ۴۹

۲ ابوبکر احمد بن علی الجصاص، احکام القرآن، المطبعۃ البہیۃ، مصر، ۱۳۴۷ھ، ۵۰۸/۱-۵۱۰، عبدالماجد دریابادی، تفسیر قرآن (تفسیر ماجدی) مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ، ۲۰۰۸ء، ۴۴۹/۱۰-۴۵۰۔ اس مسئلہ پر مفید و مفصل بحث کے لیے ملاحظہ فرمائیں: سید جلال الدین عمری، مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ، ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ، ۱۹۸۶ء، ص ۱۲۶-۱۳۸

۳ محمود بن عمر الزمخشری، الکشاف، دار الاحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۷ء، ۳۱۷/۱۰-۳۱۸

۴ فتح الرحمٰن، ص ۴۸، حاشیہ نمبر ۱

۵ فتح الرحمٰن، ص ۲۳۲، حاشیہ نمبر ۲

۶ اس آیت کی ترجمانی وتشریح میں اختلافی آراء اور ان کے تجزیاتی مطالعہ کے

Marfat.com

لیے ملاحظہ فرمائیں: محمد اجمل اصلاحی ''تدبر قرآن میں لفظ یطیقون کی لغوی تحقیق''، ششماہی علوم القرآن (مولانا امین احسن اصلاحی نمبر) جلد ۱۳-۱۵، ۱۹۹۸-۲۰۰۲ء، ص ۱۱۵--۱۴۱

۷ فتح الرحمٰن، ص ۳۵

۸ فتح الرحمٰن، ص ۳۵-۳۶، حاشیہ نمبر ۳

۹ فتح الرحمٰن، ص ۳۶، حاشیہ نمبر ۳

۱۰ ضیاء الدین اصلاحی، مقدمہ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن کا تجزیاتی مطالعہ، ششماہی علوم القرآن، (علی گڑھ)، ۷/۱، جنوری- جون ۱۹۹۲ء، ص ۴۵-۴۶

۱۱ فتح الرحمٰن، ص ۱۳۱، حاشیہ نمبر ۴

۱۲ فتح الرحمٰن، ص ۱۳۱

۱۳ فتح الرحمٰن، ص ۱۳۰

۱۴ فتح الرحمٰن، ص ۱۳۰، حاشیہ نمبر ۴

۱۵ فتح الرحمٰن، ص ۱۱۵، حاشیہ نمبر ۳

۱۶ فتح الرحمٰن، ص ۱۱۵، حاشیہ نمبر ۴

۱۷ ضیاء الدین اصلاحی، مقدمہ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن کا تجزیاتی مطالعہ، محولہ بالا، ص ۴۸

۱۸ شاہ ولی اللہ دہلوی، مصفیٰ و مسویٰ، کتب خانہ رحیمیہ، دہلی (بدون تاریخ)، ۱/۱۴۱-۱۴۲

۱۹ شاہ ولی اللہ الدہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی، ۱۳۷۳ھ، ۱/۱۰۳-۱۰۴؛ نیز دیکھیے: محمد سعود عالم قاسمی، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی قرآنی فکر کا مطالعہ، اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی، ۱۹۹۴ء، ص ۱۲۸-۱۲۹

۲۰ آیت قصر کی مختلف تشریح وتوضیح اور اس مسئلہ میں فقہاء کے اختلافات کے لیے ملاحظہ فرمائیں: محمد شفیع دیوبندی، معارف القرآن، ۲/۵۳۴، سید ابوالاعلیٰ

Marfat.com

مودودی، تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی، نئی دہلی، ۲۰۰۳ء، ۱/۳۸۸-۳۹۰، امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، تاج کمپنی، دہلی، ۴/۳۶۹-۳۷۲

۲۱ مصفیٰ، محولہ بالا، ۱/۱۳۴-۱۳۵، محمد یٰسین مظہر صدیقی، شاہ ولی اللہ کی خدمات حدیث، حضرت شاہ ولی اللہ اکیڈ.ی، پھلت، ۲۰۰۴ء، ص ۸۴

۲۲ مصفیٰ، ۱/۱۴۲، محمد یٰسین مظہر صدیقی، محولہ بالا، ص ۸۴

۲۳ فتح الرحمٰن، ص ۳۳، حاشیہ نمبر ۲، محمد سعود عالم قاسمی، محولہ بالا، ص ۱۴۳-۱۴۴

۲۴ شاہ ولی اللہ الدہلوی، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، دار السنہ، لکھنؤ، ۱۹۹۳ء، ص ۱۶۱-۱۶۲

۲۵ فتح الرحمٰن، ص ۲۸، حاشیہ نمبر ۱

۲۶ فتح الرحمٰن، ص ۲۱، حاشیہ نمبر ۱، محمد سعود عالم قاسمی، ص ۱۵۴

۲۷ فتح الرحمٰن، ص ۱۳۱، حاشیہ نمبر ۴

۲۸ فتح الرحمٰن، ص ۱۳۱، حاشیہ نمبر ۴

۲۹ فتح الرحمٰن، ص ۲۴۹، حاشیہ نمبر ۱

۳۰ تفہیم القرآن، ۱/۲۵۰-۲۵۲، معارف القرآن، ۴/۴۸۷-۴۸۹

۳۱ فتح الرحمٰن، ص ۲۴۹، حاشیہ نمبر ۲

۳۲ مصفیٰ، ۱/۴۲

۳۳ فتح الرحمٰن، ص ۱۱۳، حاشیہ نمبر ۶

۳۴ حوالہ مذکور، نیز دیکھیے: محمد سعود عالم قاسمی، محولہ بالا، ص ۱۳۰-۱۳۱

Marfat.com

شاہ ولی اللہ کی فقہی تحریروں میں قرآنی استدلال

ڈاکٹر ضیاء الدین فلاحی ☆

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۷۰۳-۱۷۶۲ء) اسلامی علوم کے معمار و محرم راز ہیں۔ مقاصد شریعت اور اسرار دین کو منفرد اقلیم فراہم کرنے والے اس ہندی نژاد مفکر نے متعدد علمی شعبوں میں اجتہادی بصیرت کے ذریعہ اضافے کیے ہیں۔ آپ کی جملہ علمی فتوحات کا محور اصلی قرآن مجید ہے۔ قرآنی فکر سے عشق و عقیدت والد ماجد کی مخصوص تربیت کا فیضان تھا۔[۱]

شاہ ولی اللہ کی فقہی تحریریں پوری طرح قرآنی افکار سے ہم آہنگ ہیں، البتہ ان کی تلاش و جستجو اور انطباق و استخراج کافی فکر انگیز عنوان ہے، کیونکہ خدمت شاہ کے ذریعہ فقہاء اربعہ اور ان کی علمی کاوشوں کو بامعنی خراج عقیدت پیش کی گئی۔ حاشیہ نشینی سے اوپر اٹھ کر، فقہ کو اسلامی علوم کا ناگزیر عنصر قرار دیتے ہوئے، اختلافات و تسامحات کی تطبیقی توجیہات نے اتحاد و اتفاق کے قابل تقلید نمونے رقم کیے ہیں۔

قرآن مجید کو بنیادی ماخذ اور علم و عمل میں اس کے نفوذ کے سلسلے میں آپ نے جو مستحسن قدم اٹھایا اور علماء و عوام کی معاصر زبان 'فارسی' میں فتح الرحمٰن کے نام سے قرآن کا ترجمہ کر کے فہم قرآن کے فروغ کی نمایاں خدمت انجام دی۔ اصول تفسیر کے سلسلے میں الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، فتح الخبیر اور مقدمہ فی قوانین

☆ گیسٹ فیکلٹی، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

Marfat.com

الترجمہ کے علاوہ قصص القرآن پر ایک منفرد کتاب تاویل الاحادیث رقم کی۔ اول الذکر کتاب کو آج بھی معروف علمی دبستانوں میں علم اصول تفسیر کے سلسلہ میں مرجع کا مقام حاصل ہے۔

زیر نظر مقالے میں حضرت شاہ کی مندرجہ ذیل فقہی کتب: ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید ، الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف اور حجۃ اللہ البالغہ کے مختلف ابواب کے حوالے سے ان کے افکار کی وضاحت کی گئی ہے۔

حضرت شاہ فقہی مسائل میں چاروں فقہاء کرام کی آراء سے استفادہ کرتے ہیں البتہ والد ماجد کی مانند بالعموم امام اعظم ابوحنیفہ کی تائید کرتے نظر آتے ہیں۔ اکتساب علم کی خاطر جب آپ بیرون ہند تشریف لے گئے تو حرمین شریفین میں آپ کے اساتذۂ کرام میں شیخ ابوطاہر مدنی شافعی، شیخ وفد اللہ مالکی اور تاج الدین قلعی حنفی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس علمی سفر سے واپسی کے بعد شاہ صاحب کی تحریروں میں اعتدال پسندی، تطبیق ملکہ اور قدردانیِ فقہاء کی خصوصیات بکثرت نظر آتی ہیں۔ فقہاء کے اختلافات کے درمیان دلائل قویہ کی بنیاد پر ترجیحی پہلو کی نشان دہی بھی ان کی اہم فقہی خدمت ہے۔ حالیہ برسوں میں ڈاکٹر مظہر بقا نے ایک تحقیقی مقالہ تحریر کیا ہے، جس کے ذریعہ شاہ صاحب کے اصول فقہ پر معرکہ آراء بحثیں کی گئی ہیں۔ ڈاکٹر موصوف نے مسویٰ اور مصفّٰی کے حوالے سے ایسے سینتالیس مسائل کی صراحت کی ہے، جن میں شاہ گرامی نے امام شافعیؒ کی رائے کو راجح قرار دیا ہے[۲]۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ حضرت محدث دہلوی نے مختلف تصنیفات میں متعدد فقہی مسائل پر اظہار خیال کیا ہے اور استنباط کے مختلف مناہج و طرق اختیار کیے ہیں۔ علماء وفقہاء پر علمی تنقید ومحاکمہ کیا۔ نیز مجتہدانہ رائے کا اظہار بھی فرمایا۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آپ نے استنباط و استدلال کے مختلف

Marfat.com

طریقے اختیار فرمائے مثلاً کہیں قرآنی آیات نقل کیں، کہیں اقوال رسول ﷺ سے استنباط کیا، کہیں آراء و آثار صحابہ بالخصوص شیخین سے استفادہ کیا۔ بادی النظر میں شاہ صاحب کی فقہی تحریروں میں آیات قرآنی اور نظائر برہانی کی کمی کا احساس ہوتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ فقہی عنوان کے تحت احادیث رسول کی ترسیل کی جارہی ہے یا اقوال صحابہ کو عنوان کا سہرا بنارہے ہیں۔ قرآنی آیات کی عدم موجودگی سے قاری کو گمان ہونے لگتا ہے کہ جیسے زیر نظر مسئلہ فقہیہ کے لیے موزوں آیت کریمہ کا فقدان ہو۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ محض قرآنی آیات کی بوچھاڑ اور ہر مسئلہ کے ساتھ کسی نہ کسی آیت کریمہ کی ننتھی کوئی علمی طریقہ بحث نہیں ہے۔ اصل میں دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ جملہ فقہی آراء ومحاکمات میں شاہ ولی اللہ کا قلم فکر قرآنی سے منحرف ومغائر تو نہیں؟ آپ اجتہاد کے جس اعلیٰ مقام پر فائز تھے فروعی مسائل میں الجھنا اور تعارف کرانا کارعبث تھا۔ آپ نے معرکہ آراء موضوعات وافکار کو قرآنی رخ دینے کی کوشش کی اور عامی سے زیادہ عالم و فاضل کو متعارف موضوعات و جہات میں صحیح منہج وطریق فراہم کرنے میں منہمک نظر آتے ہیں۔ آپ کے اس طرز قرآنی نے رجال بسط وکشاد سے علمی داد وصول کی ہے۔

شاہ صاحب کے نزدیک فقہی کلیات و جزئیات کے لیے قرآن کریم مآخذ اصلی کی حیثیت رکھتا ہے۔ حدیث نبوی کا مقام شرح متن قرآن کا ہے جس کی ثانوی حیثیت سے انکار ممکن نہیں بعد میں اجماع وقیاس کو جمہور امت نے دو اضافی ولازمی مآخذ کی حیثیت میں تسلیم وقبول کیا۔

۱- ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء

شاہ محترم نے مروجہ طریق کے مطابق فقہ کی کوئی کتاب تحریر نہیں کی البتہ 'ازالۃ الخفا' کے ذریعہ فقہی آراء کا بکثرت اظہار کیا جو اگرچہ خلیفۂ ثانی فاروق اعظمؓ کی فقہیات کا حصہ ہیں لیکن شاہ موصوف نے خود ان مسائل پر کلام کرنے کے

Marfat.com

بجائے خلیفہ راشد کو بطور سند استعمال کیا ہے۔ ازالۃ الخفاء کے ذریعہ آپ نے ثابت کیا ہے کہ قرآن وسنت کے بعد حضرات ابوبکرؓ وعمرؓ کی فقہی آراء اجماع امت کا درجہ رکھتی ہیں۔ شاہ صاحب نے فاروق اعظمؓ کی فقہی آراء کو ''اجماعیات'' کا نام دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ مذاہب اربعہ کی اصل شیخین کی اجماعیات ہیں[۳]۔ ازالہ میں آپ نے حضرت عمرؓ کے اجتہادات کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے اور اس عمل کے ذریعہ فقہی اختلافات کو دور کرنے اور مختلف مذاہب کے فقہی افکار و خیالات میں تطبیق دینے کے اصول وضوابط کی طرف رہنمائی کی ہے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ازالۃ الخفا کا دوسرا حصہ جسے مقصد دوم کا عنوان دیا گیا ہے اس میں رسالہ در مذہب فاروق اعظم درج ہے۔ میری گفتگو ازالہ کے صرف اسی حصہ تک محیط ہے جس کا خوبصورت ترجمہ امام خاں نوشہروی نے کیا ہے۔

جن فقہی موضوعات پر اس کتاب میں کلام کیا گیا ان کی تفصیل اس طرح ہے:

طہارت، اذان، مساجد، آداب نماز، جنائز، زکوٰۃ، صیام، حج، بیوع، نکاح، طلاق، احکام ریاست، حضرت عمرؓ کی مجلس مشاورت، حدود وقصاص، دیات، تقسیم اموال وغنائم وغیرہ۔

مباحث و جزئیاتِ فقہ میں حضرت عمر فاروقؓ کی حیثیت ائمہ اربعہ کے یہاں مجتہد مطلق کی ہے۔ مجتہد مطلق کا ہر قول اور فیصلہ قرآن و حدیث سے براہ راست مستنبط و مستفاد ہوتا ہے۔ ازالۃ الخفاء کے انتخاب کا در پردہ مقصد یہ تھا کہ فقہی مسائل کو نظائر قرآن سے قریب کر دیا جائے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے حوالے سے شاہ محدث دہلوی نے جن فقہی موضوعات کا احاطہ کیا ہے ان میں سے چند کا ذکر بے محل نہ ہوگا، جن میں براہ راست آیات قرآنی سے استنباط کیا گیا ہے۔

Marfat.com

۱- امام شافعیؒ کا ارشاد ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ اور ابن مسعودؓ کا اجتہاد آیت: اولٰمستم النساء (النساء/۴۳) سے مجامعت نہیں بلکہ مباشرت (بغیر مقاربت) ہے اس لیے یہ دونوں حضرات اس پر غسل کے قائل نہیں ہیں۴۔

۲- تیمّم کا طریقہ اور اس کی مشروعیت کے ضمن میں حضرت عمرؓ و عمارؓ کا واقعہ قلمبند کیا گیا ہے۔ حضرت عمارؓ نے زمین پر لوٹ کر تیمّم کیا تھا۔ جب دونوں حضرات حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے تیمّم کا طریقہ عملاً کر کے سکھایا۔ حضرت شاہ دہلوی نے اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد ازالۃ الخفاء میں سورۃ النساء کی آیت نمبر ۴۳ اور المائدہ: آیت نمبر ۶ نقل کیں جن کے الفاظ میں مماثلت ہے۔ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ ۔فرماتے ہیں کہ یہ آیات واضح طور پر طریقۂ تیمّم سکھاتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مرقوم فرمایا ہے۵۔

۳- خلیفۂ ثانی فاروق اعظمؓ کبار صحابہ میں عظیم المرتبت مجتہد فقیہ تھے۔ آپ نے اپنی بعض آراء سے رجوع بھی فرمایا کیونکہ بعض احادیث آپ پر مخفی تھیں۔ ایسی ہی احادیث میں سے عورت کی تقلیل مہر پر آپ کے اصرار کا معاملہ ہے۔ ایک خاتون نے آپ کو یہ آیت مبارکہ سنائی ''وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا'' (النساء/۲۰) ترجمہ: اور دیا ہے تم نے کسی ایک عورت کو ان میں سے حق مہر میں ایک خزانہ۔ حضرت عمرؓ نے اپنے فتویٰ سے رجوع فرمایا اور کہا: **كل احد افقه من عمر حتى** النساء۶۔

۴- عیدین اور نماز استسقاء میں زائد تکبیرات کے مسئلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ اور شیخین ان نمازوں میں بارہ تکبیرات کہتے تھے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اہل کوفہ کا یہ عمل تھا کہ نماز جنازہ کی طرح عیدین کی تکبیریں بھی چار چار ہی کہتے تھے جیسا کہ حضرت ابوموسیٰؓ سے مروی ہے۔ اور میرے (شاہ ولی اللہ) نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ شریعت کا منشا دونوں عیدوں میں نماز وغیر

Marfat.com

نماز (ہر دو حالات) تکبیرات کی کثرت ہے۔ آپ نے اپنی بات کی تائید میں سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۸۵ پیش کی تھی۔ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۔ اور سورہ حج آیت نمبر ۳۷ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدَاكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ الآیہ۔ آپ نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ پس جو شخص ہر رکعت میں تین تین تکبیریں کہتا ہے وہ بھی مصیب ہے اس لیے کہ تکثیر کی ابتدا تین سے شروع ہوتی ہے اور جو شخص بارہ تکبیریں کہتا ہے وہ بھی حق بجانب ہے ۷۔

۵- حضرت فاروق اعظم نے ایک بار نماز استسقاء پڑھائی، خطبہ دیا اور صدقہ وتوبہ کی تلقین فرمائی اور آیت ذیل: اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّاراً. يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَاراً (نوح/۱۱-۱۰) صحابہ نے عرض کیا آپ نے دعا استسقاء تو فرمائی نہیں۔ فرمایا میں نے ستارے کے توسّل سے دعائے باراں کی ہے جس کے قرب سے بارش ہوتی ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کا فتوی ہے کہ استسقاء میں نماز پڑھنا سنت نہیں ہے مگر امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت کا استسقاء کی نماز پڑھنا ثابت ہے اور یہ حدیث ذیل کے حضرات سے مروی ہے: عبداللہ بن ثابتؓ، ابن عباسؓ، جعفر بن محمد اور شیخین.... اور میرے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص محض دعا پر اکتفا کرتا ہے تو وہ بھی مصیب ہے کیونکہ اصل تو بارش کے لیے دعا کرنا ہے۔ آنحضرت اور شیخین نے دعا بھی کی اور اگر کوئی شخص نماز اور دعا دونوں پر عمل کرے تو وہ بہت زیادہ مصیب ہے کیونکہ دعا کی قبولیت کے ساتھ بہت زیادہ متوقع اور نبی کریم ﷺ اور حضرت عمرؓ کے طریق سے بھی یہی ثابت ہے ۸۔

۶- فاروق اعظمؓ کا معمول تھا کہ آخر شب میں زوجہ محترمہ کو تہجد کے لیے الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہہ کر جگاتے تھے کیونکہ اپنے ساتھ زوجہ کو اہتمام کروانا قرآن سے ثابت ہے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرماتے۔ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ

Marfat.com

عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقاً نَّحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى (طٰہٰ/۱۳۲)۔

۷- نماز قصر کی اجازت قرآن میں جنگی حالات میں دشمنوں سے بچاؤ کے لیے دی گئی ہے لیکن دشمنوں کا خوف ختم ہونے کے باوجود قصر کا حکم باقی رہا۔ أَن تَقْصُرُواْ مِنَ الصَّلٰوةِ إِنْ خِفْتُمْ أَن يَفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُواْ (النساء/۱۰۱) حضرت ابولیلیٰ کو حضرت عمرؓ نے کہا کہ ابولیلی اب جب کہ دشمنوں کی طرف سے خوف نہیں ہے، یہ قصر صدقہ ہے جو تمھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ہے، صدقہ قبول کر لینا چاہیے[۹]۔

۸- بین الاقوامی تعلقات سے تعلق رکھنے والا ایک مسئلہ صدقات میں اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کا استحقاق تھا۔ اسلامی ریاست میں صدقہ و زکوٰۃ اہل کتاب کو دی جائے یا نہیں حضرت عمرؓ نے انما الصدقات للفقراء کے ضمن میں ارشاد فرمایا کہ اس کے مصداق اہل کتاب بھی ہیں جو کمانے سے معذور ہوں[۱۰]۔

۹- اوائل اسلام میں رمضان المبارک کے مہینہ میں شب میں بھی مباشرت حرام تھی۔ اللہ تعالیٰ نے امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کی وجہ سے افطار کے بعد سحری کھانے تک بیوی سے مباشرت کی اجازت انعام کے طور پر مسلمانوں کو عطا فرمائی اور سورۃ البقرہ کی آیت ۱۸۷: أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَآئِكُمْ ..... لَعَلَّهُمْ تَتَّقُونَ الآیۃ نازل ہوئی[۱۱]۔

۱۰- طلوع سحر کے شک کا ازالہ حضرت عمرؓ نے قرآن کی آیت ذیل: وَكُلُواْ وَاشْرَبُواْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (البقرہ/۱۸۷) سے فرمایا[۱۲]۔

۱۱- صاحب استطاعت جن کے لیے سواری بھی میسر ہو، حج فرض ہے۔ قرآن کی آیت: وَلِلّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلاً (آل عمرا-) سے استدلال کیا گیا[۱۳]۔

۱۲- ایک مسئلہ کنیز کا تھا یعنی ماں اور بیٹی دونوں کسی کی ملک میں ہوں تو کیا

Marfat.com

دونوں سے مقاربت جائز ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ قرآن کی ایک آیت اس کے جواز میں ہے یعنی اِلاَّ مَامَلَکَتْ اَیْمَانُکُم (المومنون/۶) یعنی تمہاری کنیزیں تم پر حلال ہیں اس میں ماں اور بیٹی دونوں اسی نوع میں آتی ہیں۔ اور دوسری آیت حرمت کے ضمن میں مگر میں اس فعل (حرمت) کے قریب نہیں جاسکتا یعنی اَنْ تَجْمَعُوا بَیْنَ الاُخْتَیْنِ (النساء/۲۳)

شاہ صاحب کا خیال یہ ہے کہ اَنْ تَجْمَعُوا بَیْنَ الاُخْتَیْنِ سے تحریم بطریقِ قیاس ثابت ہوئی ہے۔ ورنہ دو حقیقی بہنوں کی ایک گھر میں بود و باش کیونکر حرام ہوسکتی ہے۔ حرمت تو صرف دونوں کے ایک مرد کے ساتھ نکاح میں ہے۔ اسی طرح آیت مَامَلَکَتْ اَیْمَانُکُم (المومنون/۶) سے تحلیل (حلت) بطریق عموم ہے۔ پس حضرت عمرؓ نے اَنْ تَجْمَعُوا بَیْنَ الاُخْتَیْنِ سے قیاس جلی کا ارادہ فرمایا کہ کنیز ماں اور بیٹی دونوں سے مقاربت حرام ہے یعنی انھیں ایک کے نکاح میں مت رکھو اور "اِلاَّ مَامَلَکَت" سے معلوم ہوا کہ کنیزوں سے وطی جائز ہے ۱۴۔

۱۳- ازالۃ الخفا میں ایک مسئلہ تقلیل مہر سے تکثیر مہر کی طرف رجوع سے متعلق ہے۔ ایک واقعہ کے بعد جس میں طلاق واقع ہوجاتی ہے حضرت عمرؓ نے اس عورت (جس کا مہر متعین نہیں ہوسکا تھا) کے لیے مہر مثل کا حکم دیا۔ نیز بروایت امام شافعیؒ امیر المومنین نے فرمایا کہ جونہی عورت و مرد تخلیہ کرلیں مرد کے ذمے مہر واجب ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ لیکن میرے نزدیک ظاہر آیت لاجناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسّوھُن (البقرہ/۲۳۶) اور فتوی امیر المؤمنین میں بایں صورت تطبیق ممکن ہے کہ اس معاملہ میں اگر مرد یہ بیان دے کہ میں نے اس کے ساتھ مَس نہیں کیا ہے تو فیصلہ ظاہر کتاب پر ہوگا اگرچہ عورت اس مرد کے خلاف کہے۔ لیکن اگر دونوں میں خلوت صحیحہ ہوچکی ہے تو عورت کے قسم کھانے کی صورت میں اس کے حق میں فیصلہ دیا جائے گا ورنہ خلوت صحیحہ نہ ہونے

Marfat.com

کی صورت میں مرد کی قسم کا یقین کیا جائے گا اور بظاہر الامر حضرت عمرؓ کے فتویٰ کا مفہوم و مدعیٰ یہی ہے ۱۵۔

۱۴۔ فاروق اعظمؓ نے فرمان جاری فرما کر ایک مجلس کی تین طلاق کو تین طلاق قرار دیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے اس مسئلے پر طویل بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عہد رسالت مآب تک لوگوں پر مسئلہ طلاق کی نزاکتیں منکشف نہیں ہوئیں اور سمجھتے رہے کہ کسی صورت میں بھی لفظ زبان سے نکلے وہ ایک ہی شمار ہوگا لیکن عہد فاروقی میں اس قسم کی تفریق و تمیز کا خیال دامن گیر ہوا تو حضرت عمرؓ نے فتویٰ دیا کہ جس حالت وصورت حال میں مرد تین کا عدد زبان سے نکالے گا وہ تین ہی شمار ہوگا اور یہ فتویٰ اس قدر واضح انداز میں دیا کہ کوئی شبہ باقی نہ رہا ۱۶۔

۱۵۔ طلاق بتہ کے مسئلے میں وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْراً لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتاً (النساء/۶۶) ترجمہ: اے کاش جو نصیحت انھیں کی گئی ہے وہ اس پر عمل پیرا ہوتے تو یہ ان کے لیے بھلائی اور اثبات قدم کا سبب ہوتا" کی آیت سے استدلال کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے لفظ بتہ کہہ کر طلاق دینے والے مرد سے کہا کہ اپنی عورت کو اپنے گھر ہی میں رکھو یعنی تم نے ایک طلاق دی ہے ۱۷۔

۱۶۔ مفتوحہ زمین (فیئ) کی تقسیم کے سلسلے میں شاہ صاحب نے پانچ مستحقین کی نشان دہی کی ہے۔ ۱۔ رسولؐ کا حصہ اور الحشر کی آیت نمبر ۶: وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ. ترجمہ: اور جو مال اللہ نے ان کے قبضے سے نکال کر اپنے رسول کی طرف پلٹا دیے ایسے مال نہیں ہیں جن پر تم نے اپنے گھوڑے اور اونٹ دوڑائے ہوں بلکہ اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا تسلط عطا کرتا ہے" سے استدلال کیا۔

۲۔ دوسرا حصہ مہاجرین مکہ کا (الحشر/۷)

۳۔ تیسرا حصہ انصار مدینہ کا (الحشر/۹)

۴۔ فے کے حق دار صرف انصار مدینہ یا مہاجرین مکہ ہی نہیں بلکہ سواد عراق

Marfat.com

کے فاتحین کا بھی حق محفوظ کیا گیا جن کا ذکر الحشر-۱۰ میں اس طرح ہوا: وَالَّذِیْنَ جَاؤُوا مِن بَعْدِهِمْ یَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُونَا بِالْإِیْمَانِ۔

۵- حضرت عمر فاروقؓ نے آخری فیصلہ میں پانچواں حصہ ان الفاظ میں ذکر فرمایا: پس (اس آیت کے مطابق) ان اموال (غنائم) میں ان لوگوں کا بھی حصہ ہے جو آج کے بعد آنے والے ہیں اور حقیقت یہی ہے۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ ہم یہ اموال موجودین ہی میں تقسیم کر کے ختم کر دیں اور بعد میں آنے والوں کو ان میں کچھ نہ ملے۔ قاضی ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے سواد عراق کی آراضی اور غیر مسلم رعایا کی منع تقسیم میں قرآن مجید سے جو استدلال فرمایا تو یہ اللہ کی طرف سے ان کی بروقت معنویت اور اس میں تمام مسلمانوں کی بھلائی مضمر تھی کیونکہ اس زمین پر لگان اور باشندوں پر ٹیکس مسلمانوں کے لیے استمراری منافع کا ذریعہ تھا ۱۸۔

۱۷- خلیفہ سوم حضرت عثمان غنیؓ کو حمل کی کم سے کم مدت اور مدت رضاعت میں اشتباہ پیدا ہو گیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے انھیں قرآن کی دو آیتیں یاد دلائیں تو ان کا شبہ جاتا رہا۔ پہلی آیت: وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْراً (الاحقاف/۱۵) اور دوسری آیت: وَالْوَالِدَاتُ یُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ كَامِلَیْنِ (البقرہ/۲۳۳) ۱۹۔

۲-عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید

اس کتاب میں حضرت شاہ ولی اللہ نے اجتہاد و قیاس سے متعلق انتہائی اہم آراء کا اظہار کیا ہے۔ یہ کتاب علم فقہ میں اصولی نوعیت کی ہے۔ جن موضوعات کا احاطہ اس میں کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

مجتہد کی اقسام، مذاہب اربعہ کی اور علماء کرام کی تقلید، اجتہاد کی ضرورت و اہمیت اور شرائط وغیرہ۔

برصغیر پاک و ہند کے تناظر میں شاہ صاحب نے ضروری خیال فرمایا کہ

Marfat.com

ایک ایسی کتاب لکھی جائے جہاں حنفی وشافعی مسالک کا زور ہے۔ دونوں مسالک کے علماء، فضلاء، منتسبین اور حاملین کی ایک بڑی تعداد پائی جاتی ہے، چنانچہ آپ نے تطبیق کی راہ اپنائی اور حنفی المسلک ہوتے ہوئے بے شمار مسائل میں فقہ شافعی کی پرزور وکالت کرتے ہوئے تقلید کو علماء کے لیے غیر لازم اور عوام کے لیے لازمی قرار دیا۔ شاہ صاحب نے افراط وتفریط کے درمیان تطبیقی راہ اختیار فرمائی جو فکر قرآنی سے تمسک کی واضح دلیل ہے۔ اعتدال کی اسی شاہ راہ پر برصغیر اور عالمی امت کی نشأۃ ثانیہ ممکن ہے۔

شاہ صاحب بنیادی طور پر حق کو چاروں دبستان فقہ کے درمیان محصور کرتے ہیں، ان سے باہر قدم رکھنے کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ وہ اس بات کو ضروری قرار دیتے ہیں کہ انہی چاروں کے اندر رہ کر کسی نہ کسی کی اتباع کی جائے البتہ فقہی جمود اور مسلکی تعصب کو جاہلیت قرار دیتے ہیں۔

عقد الجید میں ''مواضع الاختلاف بین الفقہاء'' پر گفتگو کے ضمن میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ جب اختلاف کسی ایسے تفویض کردہ امر میں ہوا کہ اس میں اختلاف کی گنجائش تھی تو اس میں ان پر سختی نہیں کی گئی۔ مثلاً حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کے اس آیت کریمہ: ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ، سے یہ مطلب نکالنے پر کہ جنبی جب سردی کی وجہ سے فوت ہونے کا خوف محسوس کرے تو اس کے لیے تیمّم جائز ہے، کوئی سرزنش نہیں کی۔ اور حضرت عمرؓ کے اس آیت کریمہ: ''أو لا مستم النساء'' سے یہ مطلب نکالنے پر بھی نکیر نہیں کی کہ حکم تیمّم، لمسِ مرأۃ میں ہے جنابت میں نہیں۔ گویا مسئلہ جنبی کا غیر مذکور رہ گیا تو چاہیے کہ جنبی ہرگز تیمّم نہ کرے۔

امام ابن حزم تقلید کو حرام قرار دیتے ہیں اور تمام لوگوں کے لیے بلا دلیل کسی کے قول کو اختیار کرنے کی روش کو ناجائز تصور کرتے ہیں۔ ان کے دلائل کی بنیاد ذیل کی آیات ہیں:

Marfat.com

(۱)اِتَّبِعُواْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلاَ تَتَّبِعُواْ مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ (الاعراف/۳)

(۲):وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللّهُ قَالُواْ بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءنَا (البقرۃ/۱۷۰)

(۳):فَبَشِّرْ عِبَادِى الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُوْلَئِكَ الَّذِيْنَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُوْلَئِكَ هُمْ أُوْلُوا الْأَلْبَابِ (الزمر/۱۸)

(۴):فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِى شَىْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ (النساء/۵۹)۔

حضرت شاہ ولی اللہ، ابن حزم کے قول کا مصداق تلاش کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ان کا یہ قول تین شخصوں پر صادق آتا ہے، اول: اس پر جس کو کچھ نہ کچھ اجتہاد کا ملکہ حاصل ہو اگرچہ ایک ہی مسئلہ میں کیوں نہ ہو اور اس پر پوری طرح روشن ہو کہ نبی ﷺ نے اس کا حکم فرمایا، اس سے منع نہیں کیا، تیسری بات یہ کہ یہ حدیث منسوخ نہیں ہے۔

دوم: ابن حزم کا قول اس عامی شخص کے بارے میں صادق آتا ہے جو فقہاء میں سے کسی کی تقلید کرتا ہے۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ اس جیسے فقیہ سے غلطی ناممکن ہے نیز دل میں یہ ارادہ رکھتا ہو کہ وہ اس کی تقلید نہیں ترک کرے گا۔

سوم: اس شخص سے متعلق ہے جو جائز نہیں سمجھتا کہ کوئی حنفی فقیہ، شافعی فقیہ سے فتوی لے اور نہ ہی یہ جائز خیال کرتا ہے کہ کوئی حنفی، کسی شافعی کی اقتدا کرے کیونکہ اس نے قرن اولی اور صحابہ وتابعین کے اجماع کے خلاف عمل کیا۔

شاہ ولی اللہ اس محاکمہ کے آخر میں فرماتے ہیں: ابن حزم کے قول کا مصداق وہ شخص نہیں جو نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق دین اختیار کرنا چاہتا تو ہے لیکن وہ ایک ایسا عامی ہے جسے تطبیق دینے کا ملکہ نہیں اسی لیے وہ کسی عالم راشد کی اتباع کرتا ہے جب کہ فتوی لینا اور دینا حضور اکرم ﷺ کے زمانہ سے چلا آرہا

Marfat.com

ہے تو اس شخص کو اس طرز عمل سے کیونکر روکا جا سکتا ہے۔

پس اگر ہم کسی فقیہ کی اتباع یہ سمجھ کر کرتے ہیں کہ وہ معصوم نہیں بلکہ وہ کتاب اللہ کا عالم ہے، کتاب وسنت سے استنباط کرنے والا ہے، وہ غیر منصوص کو منصوص پر قیاس کرنے والا ہے، تو اس طرز عمل میں کوئی قباحت نہیں ہے[۲۰]۔

عقد الجید میں مذاہب اربعہ سے تمسک اختیار کرنے کی تاکید ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے: اعلم أن فی الاخذ بهذه المذاهب الاربعة مصلحة عظيمة وفی الاعراض عنها مفسدة كبيرة ونحن نبين ذلك بوجوه احدها إن الامة اجتمعت على ان يعتمدوا على السلف فی معرفة الشريعة فالتابعون اعتمدوا فی ذلك على الصحابة وتبع التابعين اعتمدوا على التابعين واذا تعين اعتماد على تاويل السلف فلا بد ان يكون اقوالهم التی يعتمد عليها مروية بالاسناد الصحيحة ومدونة فی كتب مشهورة ..... ثانياً قال رسول الله ﷺ اتبعوا السواد الاعظم ولما اندرست مذاهب الحقه الا هذه الاربعة كان اتباعها اتباعاً للسواد الاعظم والخروج عنها خروجاً عن السواد الاعظم ..... وثالثها: ان الزمان لما طال وبعد العهد وضيّعت الامانات لم يجز ان يعتمد على اقوال علماء السوء من القضاة الجورة والمفتيين التابعين لاهواء هم حتى ينسبوا مايقولون الى بعض من اشتهر من السلف بالصدق والديانة والامانة۔ ترجمہ: جان لو کہ ان چاروں مذاہب کو اختیار کرنا فائدہ مند ہے جب کہ ان سے پہلو تہی اختیار کرنا نقصان کا موجب ہے۔ اس کی چند وجوہات میں سے ایک یہ ہے کہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ شریعت کی معرفت کے سلسلے میں ان پر اعتماد کیا جائے چنانچہ تابعین نے صحابہ پر اور تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا..... اور جب سلف کے اقوال پر اعتماد ثابت ہو چکا تو ضروری ہے کہ ان کے اقوال صحیح سندوں کے ساتھ ہوں اور معروف کتب میں وارد ہوئے

Marfat.com

ہوں۔ دوسری بات یہ کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ سواد اعظم کا اتباع کرو اور جب مذاہب و مسالک کی کثرت ہونے لگی تو ان مذاہب اربعہ کا اتباع سواد اعظم کے اتباع کے حکم میں شامل ہے اور ان سے پہلو تہی اختیار کرنا جمہور امت سے خروج کے مانند ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ جب زمانہ دراز ہوگیا، عہد اسلامی سے فاصلہ پیدا ہوگیا، امانتیں ضائع ہونے لگیں تو علماء سوء کے اقوال کی پابندی اختیار کرنا جائز نہیں ہے جو ظالم قضاۃ اور ذاتی رایوں کا فتوی دینے والے بن گئے اور جنھوں نے اپنی ذاتی رایوں کو معتبر اسلاف کے حوالے سے بیان کرنا شروع کردیا''۲۱۔

شاہ صاحب نے عقد الجید میں تقلید واجب اور تقلید حرام کے ضمن میں قیمتی نکات پیش کیے ہیں۔ تقلید واجب کے متعلق فرماتے ہیں: جو شخص کتاب اللہ وسنت نبی سے جاہل ہے خود تتبع نہیں کرسکتا اس کا فرض ہوگا کہ کسی فقیہ سے پوچھے کہ رسول اللہ نے اس مسئلہ میں کیا حکم دیا ہے جب بتادے تو اس کی اتباع کرے خواہ وہ صریح نص سے ماخود ہو یا اس سے مستفاد و مستنبط ہو یا کسی نص پر قیاس ہو..... اس تقلید کی علامت یہ ہے کہ مقلد کا مجتہد کے قول پر عمل بایں شرط ہے کہ وہ موافق سنت ہو چنانچہ وہ بقدر طاقت سنت کا متلاشی رہے گا ۲۲۔

تقلید حرام کے بارے میں فرماتے ہیں: ان یظن بفقیه أنه بلغ الغاية القصوى فلا يمكن ان يخطى فمهما بلغه حديث صحيح صريح يخالف مقالته لم يتركه او ظن أنه لما قلده كلفه الله بمقالته و كان كالسفينة المهجور عليه۔ ترجمہ: تقلید حرام یہ ہے کہ وہ کسی فقیہ کو یہ گمان کرلے کہ وہ نہایت بلندی پر پہنچ گیا، اب اس سے غلطی ممکن نہیں، اب جب ایسی حدیث صحیح وصریح پہنچے، جو اس کے قول کے مخالف بھی ہے تو وہ اس کے قول کو نہیں چھوڑتا یا یہ گمان کرتا ہے کہ جب میں نے اس کی تقلید کرلی تو خدا نے مجھے اس کے قول کا مکلّف بنادیا، یہ سفینہ مجور کی مانند ہے''۔

عامی فرد کا تعارف محدث دہلوی اس طرح کرتے ہیں: عامی محض کا کوئی

Marfat.com

مذہب و مسلک نہیں ہوتا اس کا مذہب صرف مفتی کا فتوی ہے۔ اگر مفتی سے عامی فتوی مانگتا ہے اور غلط فتوی ملتا ہے تو وہ معذور ہوگا اور عامی کے لیے جائز نہیں کہ کئی مفتیوں سے فتوی تلاش کرتا پھرے ۲۳۔

تقلید میں میانہ روی کیلیے ''الامر بین الامرین'' کا عنوان قائم کرتے ہیں۔ ان قیمتی مباحث کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے: فقہاء اربعہ نے میانہ روی اختیار کی۔ امام اعظم نے اس احتیاط کے نتیجے میں فرمایا کہ جو میرے قول کی دلیل سے واقف نہیں اسے میرے کلام پر فتوی دینے کا حق نہیں۔ اسی طرح کے اقوال امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے بھی ارشاد فرمائے ہیں۔ شاہ صاحب نے متعدد مثالوں کے ذریعہ تشدد سے بچنے اور اعتدال کی راہ اختیار کرنے کی طرف نشان دہی کی ہے۔ (عقد الجید کے آخری صفحات میں حضرت شاہ نے مقلدین کے اقسام گنانے کے بعد فتوی کی مجاز شخصیات پر اپنی گفتگو ختم کردی ہے)۔

عقد الجید کے یہ قیمتی شہ پارے شاہ صاحب کی فکر قرآنی کا بدیہی ثبوت ہیں کیونکہ قرآن وسنت کا آشنائے راز ہی اس قدر واضح، شفاف اور بے لاگ تبصرہ کا حق رکھتا ہے تاکہ باب فقہ میں چور دروازے نہ کھلیں اور فقہ و اصول فقہ میں کمزور افکار و نظریات جگہ نہ پاسکیں۔ چنانچہ آپ ایک طرف مذاہب اربعہ کے درمیان تطبیق کی راہ تلاش کرنے میں انتھک جدوجہد کرتے نظر آتے ہیں وہیں شرعی امور کے استنباط میں بے شمار شرائط اور قیود کے ذریعہ اس مبارک وادی کو آزاد روی سے بچانے کے لیے قدغنیں لگاتے دکھائی دیتے ہیں ۲۴۔

۳- الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف

شاہ ولی اللہؒ نے اس کتاب اور الانتباہ میں صحابہ و تابعین کے ادوار میں فقہی اختلافات کے وجوہ، مذاہب اربعہ کے اختلافات کے اسباب، اہل حدیث او راہل الرائے کے امتیازات پر تفصیلی کلام کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں پہلی کتاب جس

Marfat.com

نے فقہی مسلک کی بنیاد ڈالی، امام مالک بن انس کی مؤطا ہے، لیکن چونکہ امام مالک شخص واحد کی تقلید کو جائز قرار نہیں دیتے تھے چنانچہ عباسی خلیفہ المنصور کے اصرار کے باوجود مؤطا کے پوری مملکتِ اسلامیہ کے لیے لازمی و دستوری کتاب بننے کی اجازت نہیں دی ۲۵۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اولین توجہ مجتہدین اولین کے اقوال پر رکھی جائے نہ کہ متاخرین پر کیونکہ یہ حضرات فکر و نظر کے لحاظ سے ائمہ اولین کی آراء سے استنباط کرتے ہیں۔

الانصاف میں شاہ صاحب نے صراحت فرمائی ہے کہ فقہی مسائل کی حقیقت قرآن و سنت سے بیان کی جائے اور جب قرآن و سنت کا کوئی حکم مل جائے تو لفظاً و معناً اسی پر عمل کو رواج دیا جائے نیز قرآن و حدیث کے حکم کو ذاتی رائے سے محدود، مشروط کرنے کی کوشش کرنا امر غیر مستحب ہے۔

تاریخی طور پر ان فطری اسباب کی عقدہ کشائی، الانصاف میں بصراحت کی گئی ہے جن سے بچنا محال تھا اور جن کے درآنے سے ملت میں علمی و فکری اختلافات رونما ہوگئے۔ معاندین نے نہایت عیاری سے ان اختلافات سے مطلب براری کی۔ ان فطری اسباب میں سے چند کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے مثلاً ایک حدیث کسی صحابی کے پاس پہنچی اور دوسرے کے پاس نہیں پہنچی چنانچہ دوسرے صحابی نے اپنی بصیرت سے کام لیا۔ اسی طرح کبھی حدیث دوسرے کے پاس پہنچی تو رجوع کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اسی طرح کبھی حدیث پہنچی تو لیکن درایت سے دور رہی، کبھی ایسا اتفاق بھی ہوا کہ صحابی کے پاس حدیث سرے سے پہنچی ہی نہیں۔

بعض دوسری نوعیت کے اسباب بیان کیے گئے ہیں مثلاً یہ کہ حدیث پہنچی لیکن استنباط میں اختلاف ہوگیا کسی نے حکم تو کسی نے اباحت پر محمول کیا۔ کہیں وہم و گمان کا معاملہ پیدا ہوا یعنی یقینی صورت پیدا نہیں ہوسکی، کہیں حافظے کی خرابی

Marfat.com

کا مسئلہ کھڑا ہوگیا، کہیں حکم کی علت میں اختلاف رونما ہوگیا اور کہیں اختلافی معاملہ میں تطبیق دینے میں اختلاف ہوگیا۔

چنانچہ یہی صورت حال تابعین تک منتقل ہوئی۔ تابعین عظام نے فہم و بصیرت کے موافق اخذ و استفادہ اور حذف و اضافہ فرمایا۔ اختلافی کیفیت میں فقہاء اربعہ کی نشو ونما ہوئی چنانچہ ان کے علمی اختلافات کے اس تاریخی پس منظر کو فراموش نہیں کیا جانا چاہیے۔ فقہاء اربعہ کے اختلافات کی حقیقت کو سمجھنے میں مؤخر الذکر نکتہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔

الانصاف میں شاہ صاحب نے جابجا قرآنی آیات نقل کی ہیں، گرچہ اصل موضوع سے براہ راست انکا ربط تلاش کرنا مشکل امر ہے تاہم دوران گفتگو بے شمار آیتوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ مثلاً باب حکایة ماحدث فی الناس بعد المأة الرابعة، کے ضمن میں یہ آیات نقل کی ہیں۔

۱-وَامْسَحُواْ بِرُؤُسِكُمْ (المائدہ/٦)

۲-الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِآئَةَ جَلْدَةٍ (النور/۲)

۳-وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُواْ أَيْدِيَهُمَا (المائدہ/۳۸)

۴-حَتَّى تَنكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ (البقرہ/۲۳۰)

۵-فَاقْرَؤُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ (المزمل/۲۰)

٦-فَمَن تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ (البقرہ/۱۹٦)

۷-وَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنكُمْ طَوْلاً (النساء/۲۵)

التقلید فی المذاهب الاربعة کے ضمن میں درج ذیل آیات سے استفادہ کیا گیا:

(۱) اِتَّبِعُواْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلاَ تَتَّبِعُواْ مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ (الاعراف/۳)

Marfat.com

(۲) وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللّهُ قَالُواْ بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءنَا (البقرہ/۱۷۰)

(۳) فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُوْلَئِكَ الَّذِيْنَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُوْلَئِكَ هُمْ أُوْلُوا الْأَلْبَابِ (الزمر/۱۸)

(۴) فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ (النساء/۵۹)

ان آیات کو نقل کرنے کے بعد ابن حزم کے قول (یعنی تقلید) کو اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ اختلافی مسائل میں اللہ تعالیٰ نے قرآن وسنت ہی کی طرف رجوع کا حکم دیا ہے اور کسی انسان کے قول کو قرآن وحدیث کے بالمقابل رد کرنے کا حکم فرمایا ہے صحابہ کرام از اول تا آخر تمام مصیب تھے تابعین از اول تا آخر صحیح تھے[۲۶]۔

الانصاف کے آخر میں ان طریقوں کی نشان دہی کی گئی ہے جن کے ذریعہ فقہی بصیرت حاصل کی جاسکتی ہے اور متقدمین کے اختلافات کو سمجھ لینے کے بعد مسلکی تعصب سے بچا جاسکتا ہے۔

۴- حجۃ اللہ البالغہ

اسرار دین اور مقاصد شریعت پر دنیائے اسلام میں لکھی جانے والی معرکہ آرا کتاب ہے۔ علامہ ابن قیم نے اعلام الموقعین اور اشرف علی تھانوی نے المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ ،[۲۷] میں مقاصد شریعت کی ترجمانی کرنے کی کوشش کی ہے، صاحب حجۃ اللہ البالغہ نے اپنی اس تصنیف میں دین کی جزئیات کی جو عقلی توجیہ پیش کی ہے اس نے جملہ احکام دین کی عقلی توجیہ کرنے کی خوش گوار روایت قائم کردی ہے۔ چنانچہ جدید سائنٹفک دور میں شاہ صاحب کی معنویت دو چند ہوجاتی ہے۔

Marfat.com

حجۃ اللہ البالغہ کی دونوں جلدوں میں جن فقہی موضوعات کے ذریعہ اسرار دین کی تفہیم کی کوشش کی گئی ہے وہ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

جلد اول: عبادات خمسہ، طہارت، وضو، مسح علی الخفین، غسل، تیمّم، پانی کے مسائل، اوقات صلاۃ، اذان، مسجد، تدبیر منزل وغیرہ۔

جلد دوم: سترہ، نوافل، زکوٰۃ، صوم، حج، احکام البیوع، فرائض، مسکرات، خلافت، مشروبات و ماکولات وغیرہ۔

ان مسائل کی توضیح کے سلسلے میں جابجا قرآنی آیات و نظائر سے استشہاد کیا گیا ہے۔ مثلاً صرف حدود کے ضمن میں درج ذیل آیات سے استفادہ کیا گیا ہے:

۱- ذَلِکَ تَخْفِیْفٌ مِّن رَّبِّکُمْ (البقرہ/۱۷۸)

۲- الزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِآئَۃَ جَلْدَۃٍ (النور/۲)

۳- فَإِذَا أُحْصِنَّ فَإِنْ أَتَیْنَ بِفَاحِشَۃٍ فَعَلَیْھِنَّ نِصْفُ مَا عَلَی الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ (النساء/۲۵)

۴- وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ یَأْتُوا بِأَرْبَعَۃِ شُھَدَاء فَاجْلِدُوھُمْ ثَمَانِیْنَ جَلْدَۃً وَلَا تَقْبَلُوا لَھُمْ شَھَادَۃً أَبَداً وَأُوْلَئِکَ ھُمُ الْفَاسِقُوْنَ. إِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوا مِن بَعْدِ ذَلِکَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّہَ غَفُورٌ رَّحِیْمٌ (النور/۵-۴)

۲- احکام المیاہ (پانی) پر گفتگو کرتے ہوئے تین اہم آیتوں کی نشان دہی فرماتے ہیں:

۱- حرمت علیکم المیتۃ (المائدہ/۳)

۲- حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ أُمَّھَاتُکُمْ وَبَنَاتُکُمْ وَأَخَوَاتُکُمْ (النساء/۲۳)

۳- فِیْ مَا أُوْحِیَ إِلَیَّ مُحَرَّماً عَلَی طَاعِمٍ یَطْعَمُہُ (الانعام/۱۴۵) وغیرہ

آیات سے لفظی و معنوی استنباط و استشہاد کرتے ہوئے جسم و روح کو نقصان

Marfat.com

پہنچانے والی چیزوں کی طرف اشارے فرماتے ہیں۔ ان آیتوں سے براہ راست پانی کے احکام پر روشنی تو نہیں پڑتی تاہم اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ موصوف شرعی احکام کو قرآنی حصار میں محصور کرنے کے لیے قرآن سے استدلال کا کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کر ہی لیتے ہیں۔

۳- اوقات صلاۃ پر شاہ صاحب نے تفصیلی کلام کیا ہے۔ فرماتے ہیں: فکانت اوقات الصلاۃ فی الاصل ثلاثۃ: الفجر، العشی و غسق اللیل۔ اور دلیل کے طور پر یہ آیت شریفہ تلاوت فرماتے ہیں: أَقِمِ الصَّلاَةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوداً. (بنی اسرائیل/۷۸)۔ اسی ضمن میں ہر نماز کے اوقات کی افادی حیثیت پر گفتگو کرتے ہوئے فجر وظہر کے درمیان طویل وقفہ کی حکمت بیان کرتے کہ اس کی وجہ تجارت اور تمدنی امور کی تکمیل وضرورت ہے۔ پھر قرآن کی یہ طویل آیت نقل کرتے ہیں: وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشاً (النبأ/۱۱) اور لِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ (القصص/۷۳) اور لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَبْتَغُواْ فَضْلاً مِّن رَّبِّكُمْ (البقرہ/۱۹۸)

الغرض حجۃ اللہ البالغہ میں فقہی تحریریں فکر قرآنی کی آئینہ دار ہیں اور فقہیات کے ضمن میں جدید طرزِ تحریر کی داغ بیل ڈالتی دکھائی دیتی ہیں۔

مذکورہ کتب کے علاوہ موصوف گرامی کی فقہی تحریریں التفہیمات الالٰہیۃ، المسوی، المصفّٰی اور الانتباہ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ البتہ ان کتب میں ثانوی حیثیت کی بعض اصولی مباحث کا تذکرہ ملتا ہے۔ خالص فقہی مباحث وخدمات کا مرکز تو وہی کتب ہیں جن کا تعارف گذشتہ صفحات میں کیا گیا۔

خلاصہ بحث

اب تک کی بحث سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ قرآنی

Marfat.com

فکر کو مستحکم کرنے کے لیے اجماع صحابہ بالخصوص اجماع شیخین کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ تاکہ قرآن وسنت کے مزاج کی تشکیل کا موثر کردار فقہ کے باب کو تابانی عطا کر سکے چنانچہ ازالۃ الخفاء کے ذریعہ آپ نے یہ کارنامہ انجام دینے کی کوشش کی۔

دوسری بات یہ کہ فکر قرآنی کے ذریعہ اجتہاد وتقلید کو جائز مقام عطا کیا اور اعتدال کی شاہ راہ کو اختیار کرتے ہوئے فقہی دنیا میں تطبیقی ذوق ورجحان کی سرپرستی فرمائی اس ضرورت کی تکمیل کے لیے عقید الجید اور الانصاف جیسے شاہ کار رسالے سپرد قلم کیے۔

حواشی ومراجع

۱۔ شاہ ولی اللہ، انفاس العارفین، ترجمہ سید محمد فاروق القادری، تصوف فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۴۰۳۔ عبیداللہ سندھی، شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۷۵-۱۷۴

۲۔ ڈاکٹر محمد مظہر بقا، اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، اسلام آباد، ۱۹۷۹ء، ص ۹۷-۴۹۱

۳۔ محمد یٰسین مظہر صدیقی، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، شخصیت وحکمت کا ایک تعارف، شاہ ولی اللہ دہلوی ریسرچ سیل، ادارہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۲۰۰۱، ص ۳۱

۴۔ شاہ ولی اللہ، فقہ عمرؓ، ترجمہ ابو یحییٰ امام خان، اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی، ۱۹۹۰ء، ص ۴

۵۔ فقہ عمرؓ، حوالہ سابق، ص ۴۹، ۵۷

۶۔ فقہ عمرؓ، ص ۵۷

۷۔ فقہ عمرؓ، ص ۹۳-۹۲

۸۔ فقہ عمرؓ، ص ۹۴

۹۔ فقہ عمرؓ، ص ۸۹

Marfat.com

۱۰ فقہ عمرؓ، ص ۱۲۶

۱۱ فقہ عمرؓ، ص ۱۳۰

۱۲ فقہ عمرؓ، ص ۱۳۱

۱۳ فقہ عمرؓ، ص ۱۳۸

۱۴ فقہ عمرؓ، ص ۱۹۴-۱۹۳

۱۵ فقہ عمرؓ، ص ۲۰۰

۱۶ فقہ عمرؓ، ص ۲۰۳

۱۷ فقہ عمرؓ، ص ۲۰۳

۱۸ فقہ عمرؓ، ص ۲۸۸

۱۹ فقہ عمرؓ، ص ۵۸

۲۰ شاہ ولی اللہ، عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید، اردو مترجمہ از مولانا ساجد الرحمٰن صدیقی کاندھلوی، قرآن محل، مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی، ۱۳۷۹ھ، ص ۷۰

۲۱ عقد الجید، حوالہ سابق، ص ۵۷-۵۳

۲۲ عقد الجید، حوالہ سابق، فصل تبحر فی المذاہب، حوالہ سابق، ص ۱۲۳-۱۲۰

۲۳ عقد الجید، حوالہ سابق، فصل چہارم، ص ۱۳۴

۲۴ عقد الجید، حوالہ سابق، ص ۱۵۷-۱۴۱

۲۵ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی شخصیت وحکمت کا ایک تعارف، حوالہ سابق، ص ۳۱

۲۶ شاہ ولی اللہ، الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف، تعلیق وحواشی، عبد الفتاح ابوغدہ، دار النفائس، بیروت، ۱۹۷۷ء، ص ۹۸-۹۷

۲۷ تفصیل کے لیے دیکھیے پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی کا مقالہ بعنوان: حجۃ اللہ البالغہ اور المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ، حجۃ اللہ البالغہ ایک تجزیاتی مطالعہ، مرتبہ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی، شاہ ولی اللہ دہلوی ریسرچ سیل، ادارہ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۲۰۰۲ء، ص ۲۵۷ تا ۲۷۱

Marfat.com

شاہ ولی اللہ اور فقہی مسائل میں قرآنی استدلال

ڈاکٹر محمد مشتاق احمد تجاروی☆

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ہمہ جہت شخصیت کے حامل تھے۔ وہ بلند پایہ محدث، عظیم مفسر اور تصوف و کلام کے ماہر تھے۔ تاریخ اسلام پر ان کو بصیرت افروز نظر حاصل تھی اسی کے ساتھ وہ فقہ کے امام تھے، حنفی اور شافعی فقہ میں ان کو مجتمع اور مجدد کا مقام حاصل ہے۔ انھوں نے فقہ اسلامی کے پورے ذخیرے پر از سر نو ناقدانہ نظر ڈالی، فقہی دلائل کا جائزہ لیا اور اسی میں استدلال کے فقدان پر کلام کیا مختلف مکاتب فقہ کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کی سعی کی اور ایک نئے فقہی عہد کی بنیاد ڈالی۔

شاہ صاحب نے واضح کیا کہ ابتدائی صدیوں میں شخصی تقلید نظر نہیں آتی بلکہ چوتھی صدی سے اس کا آغاز ہوتا ہے انھوں نے ملت اسلامیہ کو اجتہاد کا فریضہ یاد دلایا اور اندھی تقلید پر سخت تنقید کی۔ اپنے وصایا میں لکھتے ہیں۔

تم لوگ سابقہ فقہاء کے استحسانات اور تفریعات میں ڈوب کر غور و فکر کرتے ہو کیا تم نہیں جانتے کہ حکم تو وہ ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا۔ تم میں سے بہت سے لوگوں کے پاس جب کوئی حدیث پہنچتی ہے تو وہ اس پر عمل نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ میرا عمل حدیث پر نہیں بلکہ فلاں امام کے مذہب پر ہے[۱]۔

☆ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

Marfat.com

شاہ ولی اللہ فقہ میں اجتہادی فکر کے قائل تھے، تاہم عدم تقلید کے بھی قائل نہ تھے، غالباً ان کا خیال تھا کہ فقہی مسالک ملت کی شیرازہ بندی کے لیے ضروری ہیں چنانچہ انھوں نے متعدد مقامات پر اس کی صراحت کی کہ امت مرحومہ کا غالب حصہ حنفی یا شافعی ہے۔ مسویٰ میں لکھا ہے:

واذکر فی کل باب مذهب الشافعية والحنفية اذهما الفئتان العظيمتان اليوم وهم اكثر الامة وهم المصنفون فی اكثر الفنون الدينية وهم القادة الائمة[۲]۔

(اور ہر باب میں شافعیہ اور حنفیہ کا مذہب بیان کروں گا کیونکہ آج وہی دونوں عظیم گروہ ہیں اور وہی اکثر امت ہیں اور دینی علوم و فنون میں اکثر کے وہی مصنفین ہیں اور وہی قائدین ائمہ بھی ہیں۔)

اس لیے وہ چاروں مسالک کے دائرے میں حق تسلیم کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ حق چاروں مسالک میں اسی طرح دائر اور موجود ہے جس طرح جسم میں خون گردش کرتا ہے[۳] اس لیے وہ چاروں مسالک کے دائرے سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دیتے کسی ایک کی اتباع کو لازم قرار دیتے ہیں۔

مذاہب اربعہ کے دائرے میں فقہ کو محصور رکھنے کے سلسلے میں شاہ ولی اللہ نے اپنے مخصوص ذوق یعنی متصوفانہ رنگ کو بھی استعمال کیا ہے۔ الدرالثمین میں لکھتے ہیں:

سألته ﷺ عن هذه المذاهب الاربعة وبهذه الطريق ايها اولى عنده بالاخذ ففاض على قلبی منه ان المذاهب والطرق كلها سواء لا فضل لو احد على الاخر[۴]۔

(میں نے رسول اللہ ﷺ سے چاروں مذاہب کے بارے میں دریافت کیا کہ ان میں سے کون سا آپ ﷺ کے اتباع کے لیے

Marfat.com

موزوں ترین ہے تو آپ ﷺ کی طرف سے میرے دل پر فیضان ہوا کہ وہ سب برابر ہیں اور کسی کو دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔)

البتہ شاہ صاحب نے اس کی کوشش کی ہے کہ چاروں مسالک میں کوئی تطبیق کی سبیل پیدا ہو اور اس کے لیے انھوں نے بعض عملی مشورے بھی دیے۔

شاہ صاحب اور فقہی مباحث

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے باضابطہ فقہ کے موضوع پر کوئی کتاب تصنیف نہیں کی، اصول فقہ کے حوالہ سے ان کے یہاں مفصل بحث ملتی ہے بلکہ بعض مستقل کتابچے بھی اس موضوع پر ہیں۔

شاہ صاحب کی فقہی آراء کی اصل جولانگاہ موطا کی عربی شرح مسویٰ ہے اس میں فقہی مباحث پر بھی انھوں نے تفصیل سے لکھا ہے اور صرف متقدمین آراء کا ذکر نہیں کیا بلکہ کہیں ان کی رایوں میں محاکمہ کیا ہے کہیں خود بھی اپنے دلائل دیتے ہیں اور مسویٰ کے علاوہ مصفیٰ میں بھی بعض مختصر رائیں ملتی ہیں، اس کے علاوہ حجۃ اللہ البالغہ میں فقہی ابواب کی ترتیب پر مسائل فقہیہ کی حکمت بیان کی ہیں، بعض مختصر آراء اپنی تفسیر میں بیان کی ہیں اور مختصر سا رسالہ ازالۃ الخفاء میں شامل ہے جس میں حضرت عمر کی فقہی آراء کو جمع کیا ہے۔

فقہ اور قرآن

شاہ ولی اللہ نے علوم قرآن کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں جن میں ایک علم الاحکام ہے یعنی واجب، مستحب، حلال وحرام اور مباح کا بیان (الفوز الکبیر) گو شاہ صاحب کے نزدیک فقہ ان پانچ اہم علوم میں شامل ہے جو قرآنی مباحث کا غالب حصہ ہیں، اس لیے شاہ صاحب فقہ کی بنیاد قرآن کریم پر رکھتے ہیں ان کے نزدیک

Marfat.com

فقہ کا بنیادی ماخذ صرف قرآن مجید ہے اور حدیث قرآن مجید کی شرح ہونے کے سبب دوسرا ضمنی ماخذ ہے ۵ے۔

اس لیے فقہی مسائل میں شاہ صاحب کی توجہ اس پر ہوتی ہے کہ اصل دلیل کی بنیاد قرآن سے استنباط کی جائے گی۔ اسی طرح ایک اور مقام پر لکھا ہے:

واضم الی ذلک من القرآن العظیم مالا بد للفقیه من حفظه وتفسیره ۶ے۔

(اور اس میں قرآن عظیم سے وہ چیز بھی شامل کردوں گا جس کا حفظ کرنا اور تفسیر کرنا فقیہ کے لیے لازمی ہے۔)

اسی طرح ازالۃ الخفاء میں فاروق اعظم کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شرعی ادلہ چار ہیں ان میں سے سب سے پہلا قرآن ہے ۷ے۔ قرآن کریم کے معنی کی تفہیم کے لیے ان کے نزدیک سب سے زیادہ قابل اعتماد ذریعہ اہل لغت کا فہم ہے خاص طور پر قرآن کے اولین مخاطب کسی آیت کا جو مفہوم لیتے تھے یا کسی آیت سے کوئی حکم مستنبط کرتے تھے وہ قابل ترجیح رہے گا۔ الفوز الکبیر میں لکھا ہے:

واما لغت قرآن را از استعمالات عرب اول اخذ باید کرد و اعتماد کلی بر آثار و تابعین باید نمود ۸ے۔

(قرآن کی لغت و زبان کو اولین عرب کے استعمالات سے اخذ کرنا چاہیے اور آثار صحابہ و تابعین پر پورا اعتماد کرنا چاہیے۔)

مثلاً قرآن کریم میں ہے یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ یہاں نماز کے لیے کھڑے ہونے کا مطلب نماز کا ارادہ کرنا ہے اور اسی طرح مسح رأس کی آیت میں الفاظ یہ ہیں وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ اس آیت میں رأس کی تحدید نہیں ہے کہ پورا سر مراد ہے یا سر کا کچھ حصہ مراد ہے اس لیے صحابہ کرام نے دونوں معنی مراد لیے ہیں صحابہ کرام نے پورا سر اور بعض سر دونوں معنی مراد لیے ہیں شاہ صاحب نے آخر میں صرف اتنا تبصرہ کیا ہے وذهب الی کل وجه قوم ۹ے۔

Marfat.com

ایک مسئلہ نیت کا ہے کہ نیت عمل کی صحت کے لیے ضروری ہے یا نہیں اس میں نص قرآنی موجود نہیں ہے حدیث قابل تاویل ہے شاہ صاحب نیت کے ضروری ہونے کے قائل ہیں اور وہ اپنے استدلال کی بنیاد اس آیت پر رکھتے ہیں:

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (البینۃ/۵)

قرآن کریم کی بعض آیات اپنے مدلول کے اعتبار سے محکم اور واضح الدلالۃ ہوتی ہیں ان میں کوی اشتباہ نہیں ہوتا اور بعض آیات ایسی ہوتی ہیں جن میں ایک سے زیادہ معنی کا احتمال ہو شاہ صاحب اس دوسری قسم کو متشابہ قرار دیتے ہیں، لکھتے ہیں:

الظاهر ان المحكم مالم يحتمل الا وجها واحدا والمتشابه ما احتمل وجوها، انماالمراد بعضها۔

(یہ ظاہر بات ہے کہ محکم صرف ایک وجہ معنی کا احتمال رکھتا ہے اور متشابہ میں کئی وجوہ معانی کا احتمال ہوتا ہے اور مراد ان میں صرف ایک ہوتی ہے۔)

محکم آیات سے جو احکام ثابت ہوں گے ان کے بارے میں کسی قسم کا ریب وشک نہیں ہوتا مثلاً حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ الآیہ۔ یہ آیت محرمات کے بیان میں محکم ہے اس میں کوئی دوسرا احتمال نہیں۔

متشابہ آیات کے سلسلہ میں شاہ صاحب کا خیال ہے کہ اسباب تشبہ چار ہیں۔ الفوز الکبیر میں لکھتے ہیں:

متشابہ آنست کہ محتمل مراد متعدد باشد بسبب احتمال رجوع ضمیر بدو مرجع چنانکہ شخصے گفت اما ان الامیر امرنی انی العن فلانا لعنۃ اللہ یا اشتراک کلمۃ در دو معنی مانند لامستم در جماع ولیس یابد واحتمال عطف/قریب وبعید مانند وامسحوا برؤسکم وارجلکم فی قراءۃ الکسر واحتمال العطف واستیناف مانند لا یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم [۱۰]۔

Marfat.com

شاہ صاحب نے احتمال بدو معنی کو یعنی تشابہات میں شمار کیا ہے اگر چہ اس سے حکم قطعی الدلالۃ معلوم ہوسکتا ہے مثلاً لفظ لمس کے سلسلے میں شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ اس کے حد معنی ہیں دست رسانیدن اور جماع، لیکن قرآن کی اس آیت میں قرینہ اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کے معنی جماع کے ہوں اس لیے شاہ صاحب نے اس کو اس معنی میں لیا ہے۔

جہاں ضمیر دو مراجع کا احتمال ہوا ایسے مقامات پر بھی شاہ صاحب نے قرینہ کو اس میں فیصل تسلیم کیا ہے اسی طرح احتمال قریب اور احتمال بعید میں بھی قرائن اور دیگر ذرائع کے ذریعہ معنی کی تعیین کرتے ہیں۔

اسی طرح ایک جیسے دو احکام ہوں اور ایک میں حکم مطلق ہو دوسرے میں مقید تو خاص حکم کی قید کو مطلق حکم پر بھی عائد کردیتے ہیں مثلاً کفارہ ظہار میں غلام آزاد کرنے کا حکم مطلق ہے لیکن کفارہ قتل غلام کے ساتھ مومن کی قید ہے شاہ صاحب کفارہ ظہار کے مطلق کو کفارہ قتل کے مقید کی وجہ سے خاص کرتے ہیں اس لیے ان کے یہاں کفارہ ظہار میں بھی مومن غلام آزاد کرنا ضروری ہے۔

اصول فقہ کا استعمال

قرآن کریم کی آیت کے مدلول کو سمجھنے کے لیے اصولیین نے جن ذرائع کا بیان کیا ہے شاہ ولی اللہ ان کو تسلیم کرتے ہیں مثلاً لفظ کو لغت اور اہل زبان کے استعمال کی بنیاد پر سمجھنا اسی طرح مدلول اور منطوق عبارت سے احکام کا استنباط کرنا، لفظ کی تاویل کرکے معنی کو سمجھنا، مختلف قیود کا لحاظ کرنا مختلف الفاظ سے مختلف درجات کا استنباط کرنا جیسے حلال وحرام یا مباح ومندوب کے الفاظ۔ حجۃ اللہ البالغہ میں انھوں نے ایک مستقل باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے باب کیفیة فهم المعاني الشرعية من الكتاب والسنة اس میں لکھتے ہیں: وہ الفاظ جو خوشنودی اور ناراضگی پر دلالت کرنے والے ہیں وہ حب وبغض رحمت ولعنت اور قرب وبعد

Marfat.com

ہیں اور فعل کی نسبت کرنا پسندیدہ لوگوں کی طرف یا ناپسندیدہ لوگوں کی طرف جیسے مومنین ومنافقین ملائکہ وشیاطین، اہل جنت اوراہل نار اور امر ونہی اور اس جزاء کو بیان کرنا جو اس عمل پر مرتب ہونے والی ہے اور عرف میں محمود یا مذموم کے ساتھ تشبیہ دینا یا نبی کریم ﷺ کا اس کو کرنے کا اہتمام کرنا یا اس سے بچنے کا اہتمام کرنا۔

خوشی و ناخوشی کے درجات کے درمیان تمیز کرنا یعنی وجوب و ندب اور حرمت و کراہت کی وضاحت کے لیے صریح ترین تمیز وہ ہے جس میں جانب مخالف کا بیان ہوئے حدیث میں ہے من یؤد زکاۃ مالہ مثل لہ

اس کے بعد دوسرے الفاظ جیسے یجب اور یحل استعمال کرنا یا کسی چیز کو کرنا یا اسلام کا معیار قرار دینا یا سخت وعید ہونا۔

اس کے بعد صحابہ کرام کی تفہیم کا درجہ ہے[11]۔

اس طرح کا ایک لفظ لمس ہے اس کو بھی شاہ صاحب نے متشابہات میں شمار کیا ہے چونکہ لمس کے لغوی معنی چھونے کے ہیں فارسی میں اس کا ترجمہ دست رسانید ہوگا لیکن قرآن پاک میں او لا مستم النساء جس سیاق میں آیا ہے وہاں اس کے لغوی معنی کا احتمال کم ہے اور اس کے مجازی معنی یعنی جماع کا قرینہ زیادہ ہے اس لیے کہ شاہ صاحب نے اس کو جماع کے معنی میں لیا ہے۔

اسی طرح بعض مقامات پر شاہ صاحب نے قرآن کے ایک جیسے احکامات میں ایک کے مطلق حکم کو دوسرے کے مقید حکم سے مقید کر دیا ہے مثلاً فقہی اصولوں میں شاہ صاحب نے بالعموم شافعی فقہ کی اتباع کی ہے خاص طور پر جن اصولوں میں احناف وشوافع کا اختلاف ہے اور اس میں شاہ ولی اللہ نے واضح طور پر شافعی اصول کو ترجیح دی ہے مثلاً حنفیہ کے یہاں مفہوم مخالف معتبر نہیں اس کے برخلاف شوافع اس کا اعتبار کرتے ہیں شاہ صاحب نے بھی اس کا اعتبار کیا ہے اور اس کو دلالت کی تیسری قسم قرار دیا ہے اس طرح حنفیہ کے یہاں لفظ کے ظہور معنی کے اعتبار سے چار قسمیں ہیں اور خفاء کے معنی کے اعتبار سے بھی

Marfat.com

چار قسمیں یعنی ظاہر، نص، مفرد، محکم اور خفی، مشکل، مجمل اور متشابہ۔ شوافع کے یہاں ظاہر کی دو قسمیں ہیں اور خفی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ شاہ ولی اللہ بھی اس کے قائل ہیں ان کے نزدیک ظاہر نص، اور محکم و متشابہ چار قسمیں ہیں باقی چار قسمیں اسی میں شامل ہیں حجۃ اللہ البالغہ میں ان چار قسموں کو اجمالاً بیان کرتے ہیں۔ لکھا ہے:

ترجمہ: ''متکلم کا اپنی بات کو ظاہر کرنا اور سامع کا اس کا سمجھنا ظہور اور خفا کے اعتبار سے چند اور ترتیب مراتب پر مرتب ہوتا ہے ان میں سب سے اعلیٰ مرتبہ اس کلام کا ہے جس میں متعین موضوع لہ کے لیے حکم کے ثبوت کی صراحت کی گئی ہو اور کلام میں کسی اور معنی کا احتمال نہ ہو۔

دوسرا درجہ اس کلام کا ہے جس میں قیودات ثلاثہ میں سے کوئی ایک قید مفقود ہو یعنی یا تو متکلم نے کسی عام الفاظ سے حکم دیا ہو جیسے الناس یا المسلمون یا ایہا القوم، الرجال، اسماء اشارہ وغیرہ۔

دوسری بات یہ ہے منطوق کلام کو وہ نہ ہو لیکن اس سے افادہ حاصل ہو رہا ہو جیسے جاء زید الفاظ..... میں دوسرے معنی کا بھی احتمال ہو جیسے مشترک۔ تیسری بات یہ ہے کہ لفظ یا وہ کلام جس کے حقیقی معنی بھی مستعمل ہوں اور مجازی بھی یا وہ چیزیں جو مثال اور تقسیم کے ذریعہ جانی جاتی ہوں جیسے سفر ۱۲۔

فقہی اختلافات زیادہ تر اس تیسری قید کی وجہ سے رونما ہوتے ہیں مثلاً لفظ قروء مشترک ہے اس کے معنی طہر اور حیض دونوں کے آتے ہیں ایک گروہ نے طہر لیا اور دوسرے نے حیض لیا متکلم کی مراد سمجھنے کے لیے اس کے بعد تین مزید ذرائع ہیں یعنی دلالتہ النص، اقتضاء النص اور مفہوم مخالف ۱۳۔

لیکن شاہ صاحب نے اس کی وضاحت کی ہے کہ یہ دلالت مطلق نہیں ہے بلکہ قرینے کے مطابق ان کا اعتبار کیا جائے گا اور ان قرائن میں سب سے اہم اہل لغت کی تفہیم ہے۔ ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے: تحقیق کے نزدیک فقیر در ایماءات و

Marfat.com

محاوی وغیرہ وآں ہمیں است کہ دلالت لفظ نسبت بلکہ لفظ مع القرائن وآں قرائن گاہے خفیہ باشند وگاہے جلیہ میزان در استنباط معانی از مثل این دلائل فہم اہل لسان است ۱۴۔

شاہ صاحب نے کلام کی تفہیم اور اس سے استدلال کے بعض اور طریقے بیان کیے ہیں جن کے ذریعہ فقہا نے مسائل کا استنباط کیا ہے:

تفسیری علوم میں شاہ صاحب نے شان نزول اور ناسخ ومنسوخ کو بھی فقہی احکام کی وضاحت کے لیے استعمال کیا ہے۔ نسخ کے بارے میں شاہ صاحب کا خیال ہے کہ نسخ کسی حکم کی مدت کے ختم ہونے کا بیان ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں: والنسخ یبدو انہا تغیر حکم بغیرہ وفی الحقیقۃ انتہاء الحکم ۱۵۔

شاہ صاحب نسخ کو انتہاء حکم کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اگرچہ وہ قرآن پاک میں چند جگہ ہی نسخ کے قائل ہیں اس لیے کہ الفوز الکبیر میں صرف پانچ آیتوں کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں جب کہ تفسیر میں ایک مزید آیت کو منسوخ آیت میں شمار کیا ہے شاہ صاحب قرآن کو قرآن کے ذریعہ منسوخ کر دینے کے قائل ہیں اس کی چند مثالیں انھوں نے دی ہیں مثلاً آیت وصیت اور آیت میراث ہے۔

شاہ صاحب کے نزدیک قرآن کو صرف قرآن ہی سے منسوخ کیا جاسکتا ہے حدیث کے ذریعہ قرآن کو منسوخ نہیں کیا جاسکتا ہے البتہ حدیث قرآن کے کسی حکم کی مبین ہوسکتی ہے جیسے آیت وصیت آیت میراث سے منسوخ ہے اور حدیث لاوصیۃ لوارث اس حکم کی وضاحت کرتی ہے۔

شاہ صاحب کا خیال ہے کہ صحابہ کرام مسائل کے استنباط میں نسخ کا اعتبار کرتے تھے ہم ان کے نزدیک نسخ کا مطلب کسی حکم کا دوسرے حکم سے بدلنے کا اعلان ہوتا تھا، چنانچہ الفوز الکبیر میں ہے:

Marfat.com

آنچہ از استقراء کلام صحابہ و تابعین معلوم می شود آنست کہ ایشاں نسخ را استعمال کردند بازائے معنی لغوی کہ ازالہ چیز است بچیزے ۱۶۔

شان نزول

شاہ صاحب نے آیت کی تفہیم میں شان نزول کا بھی اعتبار رکھا ہے اور جہاں شان نزول کا قرینہ موجود ہو وہاں لفظ کو مجازی معنی میں مراد لیا ہے مثلاً آیت کریمہ: **وما کان اللہ لیضیع ایمانکم** میں ایمان سے مراد نماز ہے چونکہ اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ تحویل قبلہ کے بعد بعض مسلمانوں کو خیال گزرا کہ ہماری سابق نماز رائیگاں نہ گئی ہوں اس پر یہ آیت نازل ہوئی چونکہ شان نزول سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کو نمازوں کے ضیاع کا خوف تھا اس لیے آیت میں لفظ ایمان سے نماز ہی مراد لی جائے گی اس طرح لفظ قرآن '**لامستم**' ہے کہ اس لفظ کے معنی محض چھونے کے ہیں لیکن قرینہ موجود ہے اس لیے اس کے مجازی معنی جماع مراد لیے جائیں گے۔

گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ شاہ صاحب فقہ کی بنیاد قرآن کو مانتے ہیں باقی مصادر جن میں سنت، اجماع، قیاس وغیرہ ہیں سب کتاب اللہ کے تابع ہیں۔ شاہ صاحب قرآنی نصوص کے فہم کے لیے بالعموم ان اصولوں پر انحصار کرتے ہیں جن پر شوافع کا عمل رہا ہے چنانچہ وہ مفہوم مخالف کو بھی ایک ذریعہ مانتے ہیں جس کے ذریعہ احکام مستنبط کیے جاتے ہیں۔

لغوی اعتبار سے شاہ صاحب کا اصرار ہے کہ اہل لغت کا فہم نہ صرف الفاظ کے معنی کی تعیین میں معتبر ہے بلکہ قرآنی معنی کی تعیین میں بھی وہی معتبر ہے شاہ صاحب ناسخ و منسوخ، شان نزول حقیقت و مجازی، وغیرہ تمام ذرائع سے قرآنی نصوص کے فہم میں استفادہ کرتے ہیں اور اگر کوئی قرینہ ہو تو الفاظ کے مجازی معنی کو قبول کرتے ہیں اسی طرح کوئی حکم اگر ان کے نزدیک منسوخ ہو تو اس

Marfat.com

کو تسلیم کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں بعض جگہ الفاظ مطلق استعمال ہوتے ہیں اور بعض جگہ کوئی قید ہوتی ہے شاہ صاحب فقہی امور میں اس مقید لفظ کو مطلق تک ممتد کرتے ہیں ان کا اصول ہے العام یلحقه التخصیص کثیرا[۱]۔ اس لیے وہ ایک جگہ کے مقید حکم کی قید کو اس سے ملتے جلتے مطلق حکم پر نافذ العمل تسلیم کرتے ہیں البتہ اگر کوئی قرینہ ہو تو اس کو بھی ترک کر دیتے ہیں مثلاً آیت قصاص میں ایک جگہ الحر بالحر والعبد بالعبد اس سے شوافع یہ استنباط کرتے ہیں کہ غلام کے بدلے میں آزاد قتل نہیں کیا جائے گا شاہ صاحب اس کے قائل ہیں۔ احناف کہتے ہیں کہ قرآن کی ایک دوسری آیت ولقد کتبنا علیهم فیها ان النفس بالنفس اس لیے آیت کی روشنی میں نفس کے بدلے نفس کو قصاص میں قتل کیا جائے گا شاہ صاحب کہتے ہیں کہ یہ آیت دراصل بیان واقعہ ہے کہ یہودیوں میں ایسا تھا اور پہلا حکم ہے اس لیے بیان واقعہ سے حکم کی تخصیص نہیں کی جائے گی۔

حواشی ومراجع

۱۔ التفہیمات الالٰہیہ، ۲/۲۱۴

۲۔ مسوی، ۱/۳-۱۲

۳۔ عقد الجید، ۹۳

۴۔ التفہیمات الالٰہیہ، ۲/۲۵۰

۵۔ محمد یٰسین مظہر صدیقی، شاہ ولی اللہ دہلوی-شخصیت وحکمت کا ایک تعارف، ادارہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۲۰۰۱ء، ص ۳۰

۶۔ مسوی، ۱/۱۲

۷۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، ۲/۴۲

۸۔ الفوز الکبیر، ص ۳۹

Marfat.com

۹ مسویٰ، ۱/۲۳

۱۰ الفوز الکبیر، ص ۲۷

۱۱ حجۃ اللہ البالغہ، ۲/۵۳۱

۱۲ حجۃ اللہ البالغہ، ۲/۵۱۸

۱۳ حجۃ اللہ البالغہ، ۲/۵۲۰

۱۴ ازالۃ الخفا، ۱/۱۲۵

۱۵ حجۃ اللہ البالغہ، ۱/۱۳۹

۱۶ الفوز الکبیر، ص ۱۵

۱۷ حجۃ اللہ البالغہ، ۱/۱۳۵

Marfat.com

فقہ حنفی سے متعلق چند قرآنی اصطلاحات اور حضرت شاہ ولی اللہ

مولانا محمد شفیق صدیقی ☆

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ہندوستان کی سرکاری زبان فارسی تھی اور عربی زبان کو سمجھنے والے بہت کم تھے۔ حضرت شاہ دہلویؒ نے عوام و خواص کی بروقت ضرورت کے پیش نظر کلام اللہ کو عام فہم بنانے کی خاطر عربی زبان میں ترجمہ کرنا ضروری سمجھا چنانچہ آپ نے فارسی زبان میں ترجمہ اور اپنے مخصوص انداز تفہیم سے عام کو جوڑا اور اس طرح سے تعلیمات قرآنی کے عام کرنے کے اسباب فراہم کیے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود شاہ صاحب کے دو صاحبزادوں نے اس کا اردو زبان میں ترجمہ کیا اور پھر تفسیر کا سلسلہ شروع ہوا جس سے ہر خاص و عام مستفید ہوتا ہے۔

امام دہلویؒ نے عوام و خواص کی اصلاح کی خاطر افراط و تفریط پر تنقید کی اور امت کے سامنے راہ اعتدال کو واضح کر کے پیش کر دیا۔

کہیں تو امام صاحب نے درس و تدریس کے ذریعہ اصلاح کی اور اپنے مسلک و مذہب کی وضاحت کی اور کہیں تقلید جامد پر زبردست نقد کیا اور کسی موقع پر علماء کی تقلید و اجتہاد کی تاریخ کا ذکر فرمایا اور دین کے اصل سرچشموں سے جوڑنے کی فکر کی اور ساتھ ہی ساتھ دیگر علماء اصولیین کی طرح اپنی آراء کا بھی اظہار فرمایا۔

☆ استاذ جمعیت شاہ ولی اللہ، پھلت، مظفرنگر

Marfat.com

حضرت شاہ صاحب کی اسی طرح کی بعض آراء جو آپ نے بحیثیت اصولیین قرآن پاک کی تفسیر میں ذکر کی ہیں ان کو یکجا کرنے کی ایک چھوٹی سی کوشش ہے جس سے شاہ صاحب کے نظریہ کی وضاحت ہوگی۔

سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ کتاب اللہ (قرآن مجید) کے مصداق و مفہوم میں تمام علماء امت کا اتفاق ہے لیکن تعریفات کی طرف نظر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر عالم نے اپنے علم و بصیرت کی رو سے اس کی تعریف کی ہے جس کی وجہ سے بعض قیود کی تقدیم و تاریخ، حسنِ تعبیر اور الفاظ کا فرق (اختلاف) سامنے آتا ہے مثلاً صاحب کتاب ''احکام الاحکام'' علامہ آمدیؒ نے یہ تعریف کی ہے: هو ما نقل الينا بين دفتي المصحف بالاحرف السبعة المشهورة نقلاً متواترا اور امام بزدویؒ نے حسب ذیل تعریف کی ہے:

أما الكتاب : فالقرآن المنزل على رسول الله المكتوب في المصاحف المنقول عن النبي ﷺ نقلاً متواتر بلا شبهة[1]۔

کتاب اللہ کی تعریف حضرت شاہ صاحب نے یکجا طور پر کہیں نہیں فرمائی ہے، البتہ بعض مقامات پر اس قسم کے اشارے ملتے ہیں کہ شاہ صاحب بھی انہی شرائط و قیود کے قائل ہیں جن کو امام بزدویؒ نے ذکر فرمایا ہے۔

پہلی شرط امام بزدویؒ نے ''المنزل على رسول الله'' ذکر ہے، دوسری ''المكتوب في المصاحف'' اور تیسری ''المنقول عن النبي ﷺ نقلاً متواترا بلا شبهة'' جن کو شاہ صاحبؒ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

پس قرآن قدیم است باصل خود محدث است باعتبار نزول و عربی است وکلام حضرت حق است ومنزل بواسطۂ ملک کریم ومتلو بر السنۂ عباد و مکتوب در مصاحف وحمیم الشان در ملاء فرشتگان[2]۔

لہٰذا قرآن اپنی اصل کی بنا پر قدیم ہے اور نزول کے اعتبار سے جدید (محدث) ہے اور عربی زبان میں ہے اور حضرت حق کا کلام ہے جو ایک بزرگ

Marfat.com

فرشتہ کے واسطہ سے منزل ہے اور اور بندوں کی زبانوں پر اس کی تلاوت کی جاتی ہے اور مصاحف میں اس کو لکھا جاتا ہے اور فرشتوں کی جماعت میں اس کی بڑی عظمت ہے۔ دو قیود شاہ صاحب کی اس عبارت سے واضح ہوجاتی ہے اور ایک تیسری قید جو بہت اہم بھی ہے اس کا تذکرہ شاہ صاحب نے اپنی کتاب ''ازالۃ الخفاء'' میں کیا ہے:

''قرأت متواتر وہی ہے جس میں دو باتیں موجود ہوں ایک یہ کہ اس کی روایت کا سلسلہ بواسطہ ثقہ راویوں کے صحابۂ کرام تک پہونچ جائے نہ کہ صرف رسم الخط بھی اس کا متحمل ہو دوسرے یہ کہ مصاحف عثمانیہ کا رسم خط بھی اس کا متحمل ہو کیونکہ جب (معلوم ہوگیا کہ) قرآن کی حفاظت کی صورت اس کا جمع ہونا دو دفتیوں کے درمیان میں اور تمام امت کا اس پر متفق ہونا مقرر ہو چکا ہے تو (معلوم ہوگیا کہ) جو کچھ اس کے علاوہ ہے اس کی حفاظت نہیں کی گئی اور جس کی حفاظت نہیں کی گئی وہ قرآن نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وانا له لحافظون اور فرمایا ہے ان علینا جمعه وقرآنه[۳]۔

قرأت متواترہ وشاذہ

قراءت کے سلسلہ میں امت کا اتفاق ہے کہ صرف قراءت متواترہ ''قرآن ہیں'' اور جو بطریق شاذ یا آحاد منقول ہیں وہ قرآن نہیں ہیں[۴]۔

حضرت شاہ صاحب بھی قرآن کے لیے تواتر کی شرط ضروری قرار دیتے ہیں اور جو متواتر نہ ہو اس کو قرآن نہیں مانتے اور نہ ہی نماز میں اس کی تلاوت کو جائز قرار دیتے ہیں[۵]۔

علوم قرآن میں شاہ صاحب کی تنقیح

حضرت شاہ صاحبؒ نے مکمل قرآن مجید کو صرف پانچ علوم میں تقسیم کیا

Marfat.com

ہے اور اس سلسلہ میں مکمل بحث کی ہے جن پانچ علوم کا شاہ صاحبؒ نے ذکر کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) علم احکام (۲) المخاصمہ (۳) علم التذکیر بأیام اللہ (۴) علم التذکیر بآلاء اللہ (۵) علم التذکیر بعد الموت۔ جس طرح سے حضرت شاہ صاحب نے علوم قرآن کی تقسیم کی ہے اس طرح کی تقسیم اب سے پہلے بھی بہت سے محقق علماء کے یہاں مل جاتی ہے مثلاً ابن العربیؒ نے تین تقسیم کی ہیں جن کا ذکر علامہ سیوطیؒ نے کیا ہے[۶]۔

اور یہ بات کہ تقسیم پہلے بھی علماء کر چکے ہیں کی وضاحت خود حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت سے بھی ہو جاتی ہے کیونکہ خود انھوں نے تنقیح کا دعویٰ فرمایا ہے۔

محکم اور متشابہ:

قرآن کریم میں دو قسم کی آیات ہیں جن کا ذکر خود قرآن مجید نے کیا ہے:

مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ (آل عمران:۳)

علماء کرام کے مابین محکمات و متشابہات کی تعریف و تعیین میں اختلاف پایا جاتا ہے، اصولیین نے بہت سی تعریفات کی ہیں جن میں سے چند حسب ذیل تحریر کی جاتی ہیں اور پھر حضرت شاہ صاحبؒ کی بیان کردہ تعریف کا جائزہ لیا جائے گا کہ کس تعریف سے اقرب ہے اور رجحان کس جانب ہے۔

(۱) محکم وہ ہے جس کی دلالت اس طرح واضح ہو کہ اس میں نسخ کا احتمال نہ ہو اور متشابہ وہ ہے جو اس طرح مخفی ہو کہ اس کے معنی نہ عقلاً معلوم ہو سکیں نہ نقلاً بلکہ اس کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مخصوص کر رکھا ہے[۷]۔

(۲) محکم وہ ہے جس کی تاویل میں ایک کے سوا مزید احتمال کی گنجائش نہ ہو اور متشابہ وہ ہے جس میں متعدد وجوہ کا احتمال ہو[۸]۔

Marfat.com

(۳) ناسخ محکم ہے اور منسوخ متشابہ ۹۔

(۴) محکم وہ ہے جس کے علم کی تحصیل کسی جلی یا خفی دلیل سے ممکن ہو اور متشابہ وہ ہے جس کی معرفت کی کوئی سبیل نہ ہو ۱۰۔

حضرت شاہ صاحب کی محکم اور متشابہ کی تعریف مذکورہ بالا تعریفات سے ملتی جلتی ہے لیکن اقرب ترین وہ ہے جو ہم نے نمبر ۲ پر بیان کی ہے۔ شاہ صاحب رقم طراز ہیں:

اقوال الظاهر ان المحكم مالم يحتمل إلا وجها واحداً ..... والمتشابه ما احتمل وجوها انما المراد بعضها ۱۱۔

صاحب تفسیر المنار راقم ہیں کہ امام شافعیؒ نے بھی یہی تعریف محکم و متشابہات کی کی ہے۔

وعن الشافعيؒ قال المحكم مالا يحتمل من التأويل الا وجها واحداً والمتشابه ما احتمل من التأويل وجوهاً ۱۲۔

شاہ صاحب اور تعیین متشابہات:

علامہ سیوطیؒ نے متشابہات کی تعیین کی سلسلہ میں علماء کے تین اقوال نقل کیے ہیں:

(۱) پورا قرآن محکم ہے اس لیے کہ خود اللہ کا فرمان ہے:
"كتاب احكمت آياته" (ہود:۱)

(۲) پورا قرآن متشابہ ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: كتابا متشابها مثانی (زمر:۳۹)

(۳) بعض آیات محکم ہیں بعض متشابہ اس لیے کہ اللہ نے فرمایا:
مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ (آل عمران:۳)

Marfat.com

بہر حال متشابہات کی تعیین کرنا ایک بہت اہم مسئلہ ہے اور تمام کی تعیین کوئی نہیں کرسکتا ہے البتہ بعض علماء نے اپنے علم و تفقہ کی بنیاد پر بعض چیزیں شمار کرائیں ہیں جیسے علامہ سیوطیؒ نے ذکر کیا ہے:

آیات صفات، استواء، نفس، وجہ، عین، ید، ساق، صفتِ قرب، صفت فوقیت، صفت محی، صفت حب، صفت غضب، صفت رضاء، صفت عجب، صفت رحمت، لفظ عند وہو محکم، صفت معیت، ھو اللہ فی السمٰوٰت وفی الارض، سنفرغ لکم ایھا الثقلان (صفت فراغت) اور حروف مقطعات ۱۴۔

حضرت شاہ صاحب نے بھی متشابہات کے سلسلہ میں تقریباً وہی چیزیں گنائی ہیں جو علامہ سیوطیؒ نے ذکر کی ہیں اور بعض چیزوں میں کمی کے ساتھ ساتھ اضافہ بھی کیا ہے جیسے:

ید، رجل، ضحک، علو، عظمت، رحمت، غضب، ذات، سمع، بصر، کلام، قدرت، وزن، اعمال، مرور علی الصراط، قبر میں میت کا بیٹھنا، قبر میں سوال، قبر کا وسیع یا تنگ ہونا، میت کا چیخنا، محشر اور بعث کے بارے میں متضاد روایات، تشبیہات وصفات اور معادیات ۱۵۔

رسوخ کے ساتھ متشابہات کی تعیین اور اس کی مراد کو صحیح طور پر سمجھنا ایک اہم امر ہے اس لیے شاہ صاحبؒ کا مسلک تو یہ ہے کہ ان کی تاویل تو کی جاسکتی ہے لیکن یہ تاویل علی سبیل الاحتمال ہوتی ہے نہ کہ علی سبیل التعیین۔ پس حقیقی مراد کو اللہ ہی کے سپرد کرتے ہیں۔ حجۃ اللہ البالغہ، حسن العقید وغیرہ کی تصریحات سے یہی بات سامنے آتی ہے اس لیے کہ اشاعرہ کا عقیدہ اسی طرح کا ہے ۱۶۔ اور شاہ صاحبؒ اپنے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ عقیدتاً اشعری ہیں۔ (مسلسلات ۶)

ناسخ، منسوخ

ناسخ ومنسوخ کا مسئلہ بہت پیچیدہ ہے اور اس پیچیدگی کا سبب یہ ہے کہ

Marfat.com

اس اصطلاح میں سلف اور خلف کا اختلاف ہے ۱۷۔

امام شاہ ولی اللہ کا رجحان اور ناسخ و منسوخ کے ابواب میں ان کا نظریہ معلوم کرنے سے قبل یہ دیکھنا ہے کہ آیا شاہ صاحبؒ علماء اصولیین کے طرز پر نسخ کی تعریف کرتے ہیں یا کسی صورت میں ان سے اختلاف بھی رکھتے ہیں۔

لغوی معنی

نسخ کے اصحاب لغت نے دو معنی لکھے ہیں، ۱- ازالہ، ۲- نقل، تحویل۔
اکثر علماء کی رائے ہے کہ نسخ کا لفظ ازالہ کے معنی میں حقیقت ہے نقل کے معنی میں مجاز ۱۸۔

اصطلاحی معنی

نسخ کی اصطلاحی تعریف میں بھی علماء کے اقوال مختلف ہیں، چنانچہ ایک تعریف یہ ہے:

هو بيان لمدة الحكم: بیان ہے انتہاء مدت حکم کا ۱۹۔

دوسری تعریف ہے: هو رفع الحكم الشرعي بدليل متأخر ۲۰۔

ان کے علاوہ بھی دیگر تعریفات کی گئی ہیں جن سے یہی بات سامنے آتی ہے، اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ نسخ "رفع حکم" ہے یا انتہائے مدت حکم کا بیان کرنے کے لیے۔

تعریفات نسخ اور شاہ صاحبؒ

لغوی تعریف شاہ صاحبؒ نے اس طرح کی ہے:

آنچہ از استقراء کلام صحابہ و تابعین معلوم می شود آنست کی ایشاں نسخ استعمال می کردند بازائے معنی لغوی کہ ازالہ چیزے است بچیزے ۲۱۔

Marfat.com

دوسری جگہ رقم طراز ہیں:

''صحابہ و تابعین نسخ را استعمال کردند بر غیر معنی مصطلح اصولیان، و آن قریب است بمعنیٰ لغوی کہ ازالہ است'' ۲۲۔

شاہ صاحب کی عبارت سے دو باتیں سامنے آتی ہیں ایک یہ کہ شاہ صاحب نسخ کو اس کے مذکورہ بالا دونوں معنی میں مشترک نہیں مانتے ورنہ جس طرح شاہ صاحب نے قرء اور لامستم کے معنی بیان کیے ہیں اس طرح اس کے دونوں معنی بھی تحریر فرمادیتے۔ دوسرے یہ کہ شاید ان کے نزدیک لغت میں نسخ کے حقیقی معنی ازالہ ہی کے ہوں اس لیے انھوں نے صرف اسی معنی کے ذکر پر اکتفا کیا ۲۳۔

جہاں تک اصطلاحی تعریف کا تعلق ہے تو شاہ صاحب رقم طراز ہیں:

والنسخ فیما یبدونها تغیر حکم بغیرہ، وفی الحقیقة انتهاء الحکم ۲۴۔

شاہ صاحب کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بیان انتہاء مدت حکم کو نسخ قرار دیتے ہیں اور رفع حکم کے قائل نہیں ہیں۔ ڈاکٹر محمد مظہر بقاء اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

شاہ صاحب کی عبارت میں اگرچہ انتہاء الحکم کے الفاظ ہیں لیکن ان سے مراد بیان انتہائے مدت الحکم ہی ہے اور اس کی دلیل میں الخیر الکثیر کی عبارت پیش کرتے ہیں:

وایضا مما یجب التنبیه علیه ان النسخ کان فی اصطلاح الصدر الاول بازاء معنی الازالة فقط، اعم من ان یکون زوالا لزوال العلماء کنسخ النجوم والخط او دفعاً لقیاس باطل کنسخ البحائر والسوائب اوبیاناً لانتها مدة الحکم وقد ذکرنا السرفیه اوبیاناً لان المفهوم الموافق اوالمخالف غیر مراد وغیر ذلک ۲۵۔

شاہ صاحب کا مفہوم واضح ہے کہ متقدمین نسخ مطلقاً ازالہ کے لیے

Marfat.com

استعمال کرتے تھے خواہ یہ ازالہ بیان انتہاء مدت حکم کے طور پر ہو یا اس کے سوا کسی اور طریقہ پر۲۶۔

منسوخ آیات اور شاہ صاحب کی تعیین

ناسخ ومنسوخ آیات کے بارے میں مفسرین کے درمیان بڑا اختلاف ملتا ہے اور متعدد مفسرین نے ان کی تعداد بھی متعین کی ہے جیسا کہ علامہ سیوطیؒ نے الاِ تقان میں منسوخ آیات کی تعداد اکیس بتائی ہے یہی بات جس کو امام سیوطیؒ نے اپنایا ہے ابن عربی نے بھی اختیار کی ہے کہ متاخرین کے نزدیک ایسی آیات کی تعداد اکیس ہے لیکن علامہ سیوطیؒ نے دو آیتوں کے بارے میں کہا ہے کہ درست یہی ہے کہ آیت استیذ ان اور آیت قسمت منسوخ نہیں ہیں، دو آیات نکلنے کے بعد صرف انیس تعداد رہ جاتی ہے ان آیات میں علامہ سیوطیؒ نے فأینما تولو فثم وجه الله کا اضافہ کیا ہے اس طرح یہ بیس آیات ہیں۔

علامہ سیوطیؒ کی اس تقسیم سے شاہ صاحبؒ نے اتفاق نہیں فرمایا ہے بلکہ ان کا حوالہ دیتے ہوئے اپنی کتاب میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ جن آیات کا ذکر امام سیوطیؒ نے کیا ہے وہ میرے نزدیک محل نظر ہیں اور پھر شاہ نے ان آیات کا تفصیلی جائزہ لیا اور صرف پانچ آیات کے سوا دیگر آیات کو منسوخ نہیں تسلیم کیا اور ان کی ایسی توجیہات کی ہیں کہ وہ منسوخ باقی نہیں رہتی ہیں۔

قرآن کا قرآن سے نسخ

جو حضرات علماء لرام نسخ کے قائل ہیں ان سبھی کا اتفاق ہے کہ کتاب اللہ کا کتاب اللہ سے نسخ جائز ہے۲۷۔

امام شاہ ولی اللہ بھی عام قائلین نسخ کی طرح کتاب اللہ کا کتاب اللہ سے منسوخ ہونے کے سلسلہ میں اتفاق رکھتے ہیں جیسا کہ الفوز الکبیر میں مطالعہ کیا

Marfat.com

جاسکتا ہے کہ شاہ صاحبؒ نے جن آیات کو منسوخ تسلیم کیا ہے وہ ان کا ناسخ کتاب اللہ کی آیات ہی کو مانتے ہیں جیسے "إن یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مآتین" کا "الآن خفف الله عنکم الخ" سے نسخ۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے اس عمل سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ شاہ صاحب ان حضرات کے موافق نہیں ہیں جو نسخ کا انکار کرتے ہیں۔

حواشی ومراجع

۱۔ اصول البزدوی، آرام باغ، کراچی، ۱/۲۱-۲۲

۲۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، کلمات طیبات، مطبع مجتبائی، ۱۸۹۱ء، ص ۱۶۶-۱۶۷

۳۔ ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۲/۹۷-۹۸

۴۔ جلال الدین السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، مطبوعہ مصر، ۱/۷۷

۵۔ الاتقان، ۱/۹۷-۹۸

۶۔ الاتقان، ۱/۲۸، زرکشی، البرھان فی علوم القرآن، مصر، ۱۳۷۶ھ، ۱/۱۷-۱۸

۷۔ زرقانی، مناہل العرفان، ۱۳۷۳ھ، ۱/۱۶۸

۸۔ اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، بحوالہ جصاص، اصول فقہ، ص ۲۶؛ الاتقان، ۲/۲

۹۔ الاتقان، ۲/۳۲

۱۰۔ تفسیر کبیر، ۲/۵۹۸

۱۱۔ حجۃ اللہ البالغہ، ۱/۱۴۲

۱۲۔ تفسیر المنار، ۳/۱۹۰

۱۳۔ الاتقان، ۲/۲

۱۴۔ الاتقان، ۲/۶-۸

۱۵۔ حجۃ اللہ البالغہ، ۱/۹، ۱۰-۱۴

۱۶۔ مناہل العرفان، ۲/۱۸۵

Marfat.com

۱۷ شاہ صاحب کی تعلیم، ص ۳۳

۱۸ شوکانی، ارشاد الفحول، مصطفیٰ بابی الحلبی، مصر، ۱۳۵۶ھ، ص ۱۸۳

۱۹ تفسیر المنار، ۲/۷۹

۲۰ مختصر لابن حاجب، ۲/۱۸۵، مختصر منتہیٰ الاصول، بولاق، مصر، ۱۳۱۶ھ

۲۱ الفوز الکبیر مع فتح الخبیر، لاہور، ص ۱۵

۲۲ حوالہ مذکور، ص ۳۷

۲۳ مظہر بقا، اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، ص ۱۷۵

۲۴ حجۃ اللہ البالغہ، ۱/۱۲۹

۲۵ الخیر الکثیر، ص ۱۸۴-۱۸۵

۲۶ اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، ص ۱۷۷

۲۷ ملاحظہ فرمائیں: اصول البزدوی مع کشف، ۳/۹۶، آمدی ۲/۱۸۱

Marfat.com

قرآن مجید اور ولی اللّٰہی تصوف

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی ☆

اسلام سے تصوف کا رشتہ جوڑنے والا کوئی صوفی قرآن مجید سے استناد کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسلامی تصوف کے قائل علماء وصوفیہ اور دوسرے اہلِ قلم کتاب اللہ سے اپنا رشتہ برابر استوار رکھتے ہیں: وہ اسی سرچشمۂ الٰہی سے شریعت کی مانند طریقت کی فیض یابی کا دعویٰ کرتے ہیں، اپنے افکار، اعمال اور اطوار کو اسی سے ماخوذ ومستفاد مانتے ہیں اور ہر نکتۂ احسان کے لیے اسی سے سند لاتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نرے صوفی نہ تھے، وہ قرآن مجید کے عظیم ترین عالم، حدیث نبوی کے جلیل ترین ماہر، فقہِ اسلامی کے ممتاز ترین پارکھ، سیرت وتاریخ کے فہیم ترین تجزیہ نگار، علمِ کلام کے فطین ترین شارح، غرضیکہ علومِ اسلامی پر کامل دسترس رکھنے والے تھے۔ دنیاوی علوم میں سماجیات اور سیاسیات اور اقتصادیات وغیرہ سے بھی ان کو حصۂ وافر نصیب ہوا تھا۔ اس کے علاوہ وہ ایک دراک ذہن، تیز فہم، عالی دماغ اور قلب سلیم کے بھی مالک تھے۔ مجموعۂ صفاتِ خوبی اور پیکرِ خصائص علمی ہونے کے سبب وہ قرآنِ کریم اور تصوف کے باہمی رشتے سے بخوبی واقف تھے۔

اپنی ان ہی علمی اور فنی خصوصیات کی بنا پر شاہِ موصوفؒ نے قرآنِ مجید کو اپنی کتابوں میں پہلا مقام دیا ہے، خواہ ان کتابوں کا تعلق کسی بھی فن اور کسی بھی علم

☆ سابق صدر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

Marfat.com

سے ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی مانند تصوف بھی ان کے جسم و روح کے رگ و پے میں پیوستہ اور کارفرما تھا۔ اس لیے صوفی افکار و نظریات کا پرتو ان کی ہر تحریر پر نظر آتا ہے، کہیں زیادہ کہیں کم، اس سے محروم یا خالی شاید ہی کوئی کتاب و رسالہ ہو۔

بطور صوفی اور بطور صاحبِ طریقت مؤلف شاہ ولی اللہؒ نے قرآن مجید کو مختلف جہات و اطراف سے پیش نظر رکھا ہے۔ وہ صوفی اور عام سالک دونوں کے لیے قرآن مجید کی روزانہ تلاوت لازمی قرار دیتے ہیں، مختلف اوقات میں مخصوص آیات اور سورتوں کی تلاوت کی تجویز رکھتے ہیں، صوفیہ کے طریق کے مطابق مختلف نمازوں میں خاص سورتوں کی قراءت کو روحانی ارتقاء اور تزکیۂ قلب کے لیے نسخۂ کیمیا بتاتے ہیں۔ آیات اور سورتوں کے روحانی فوائد، اسرار اور اثرات کو بیان کرتے ہیں اور ان کے حصول کے لیے مخصوص آیات اور سورتوں کی تلاوت، ورد، حفظ کا نصاب مقرر کرتے ہیں۔ وہ محض تلاوت و قراءت کو کافی نہیں سمجھتے، بلکہ قرآنِ کریم کے معانی و مفاہیم کے ادراک کے لیے ترجمہ پڑھنے پر زور دیتے ہیں۔ جو خود نہ پڑھ سکیں ان کے لیے ترجمہ قرآن پاک کی سماعت مفید و لازمی بتاتے ہیں اور محض چند آیات اور سورتوں پر اکتفا کو کافی نہیں سمجھتے بلکہ پورے قرآنِ کریم کے ترجمہ کو صوفی اور عام سالک کے لیے بھی ناگزیر قرار دیتے ہیں۔ صوفی افکار و نظریات، خیالات و اعمال اور احوال و مقامات اور دوسرے تمام جہاتِ تصوف کے لیے قرآن مجید سے برابر استشہاد، استدلال اور استناد کرتے ہیں۔

شاہ صاحب مختلف سلاسلِ تصوف اور متعدد قدیم و معاصر صوفیہ سے وابستہ تھے اور ان کی تاریخ و افکار سے پوری واقفیت رکھتے تھے لہٰذا وہ مختلف سلسلوں میں قرآن مجید کے مقام و مرتبہ کے بارے میں بھی معلومات عطا کرتے ہیں۔ اہم مفکرین صوفیہ اور محققینِ اہل طریقہ کے تفسیروں سے بھی تعرض کرتے ہیں، ان کے افکار و اعمال یا اطوار میں قرآنی فکر سے انحراف یا تفسیری اختلاف پاتے ہیں تو اس پر

Marfat.com

نقد بھی کرتے ہیں۔ ان کی قرآنی فکر اور صوفیانہ مزاج میں ان کے والدِ ماجد شیخ عبدالرحیم (۱۶۴۴-۱۷۱۹ء) بن شیخ وجیہ الدین فاروقی کی تعلیم و تربیت کا سب سے بڑا ہاتھ تھا، لیکن دوسرے پیش رو یا معاصر صوفیہ کے اثرات سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

اس مختصر مقالے میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے تصوف میں قرآن مجید کے مقام و مرتبہ اور کارگذاری و کارفرمائی سے مختلف عناوین و موضوعات کے تحت بحث پیش کی جارہی ہے تاکہ قرآن و تصوف کا تعلق واضح ہو اور ولی اللّٰہی تصوف کے خاص قرآنی رنگ و آہنگ کا ایک علمی معروضی تجزیہ پیش کیا جاسکے۔

تلاوتِ قرآنِ مجید اور تصوف

قرآن مجید کی عمومی تلاوت کا طریقہ یہ ہے کہ روزانہ تلاوت کی جائے، صبح یا شام یا دونوں وقت۔ عام سنت یہ ہے کہ روزانہ کم از کم ایک پارہ ضرور تلاوت کیا جائے کیوں کہ اسی غرض سے قرآن مجید کی تیس پاروں میں تقسیم کی گئی ہے۔ عزیمت والوں کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ ہر ہفتہ میں پورے قرآنِ پاک کی تلاوت مکمل کرلیا کریں اور اس مقصد سے کلام پاک کو سات منزلوں میں بانٹا گیا ہے تاکہ روزانہ تلاوت کی مقدار متعین اور تقریباً برابر برابر رہے۔ صحیح احادیث سے ان دونوں حدوں کا علم ہوتا ہے[۱]۔ قرآن مجید کی آیاتِ کریمہ، روایاتِ حدیث اور صحابہ کرام و علماء کے آثار و اقوال سے سہولت کے مطابق کم یا زیادہ حصۂ قرآن پڑھنے کی اجازت بھی ملتی ہے اور حافظ ابن کثیر نے ان روایات کو بیان بھی کیا ہے۔

صوفیائے کرام نے انھیں روایات و آثار سے روشنی لے کر سالکانِ طریقت کے لیے تلاوتِ قرآنِ مجید کا نصاب مقرر کیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ قرآن مجید کو بہترین ذکر قرار دیتے ہیں اور عام سالک اور صوفی کے لیے اس کی تلاوت ضروری بتاتے ہیں: ''اگر سالک قرآن کا حافظ ہے تو ہفتے میں ایک بار اسے

Marfat.com

قرآن ختم کرنا چاہیے، لیکن اگر اسے اوراد و وظائف اور دوسرے باطنی اشغال زیادہ کرنے پڑتے ہوں تو وہ دن میں زیادہ سے زیادہ جتنا بھی قرآن پڑھ سکے پڑھے۔ اور جو سالک حافظِ قرآن نہ ہو اسے چاہیے کہ ہر روز سو آیتیں، جو پاؤ پارے یا نصف پارے کے برابر ہوتی ہیں، تلاوت کرے"۲۔

ولی اللّٰہی تصوف میں تمام سلاسل وطرق کا امتزاجِ جمیل پایا جاتا ہے، خاص کر چار اہم ترین سلسلوں۔ نقشبندی، قادری، چشتی، سہروردی۔ سے ان کو ربطِ خاص تھا۔ شطاری اور شاذلی وغیرہ دوسرے صوفی سلسلوں اور ان کے شیوخ واکابر کے معمولات، اوراد اور وظائف کا بھی وہ اہتمام کرتے تھے۔ ان کے والد ماجد شیخ عبدالرحیم دہلوی نے ان کو شریعت وطریقت میں تطبیق وموافقت کا ذوق ہی نہیں بخشا تھا بلکہ تصوف کے تمام صحیح سلسلوں اور سرچشموں سے فیض یابی کی سرشت بھی ان میں ودیعت کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تمام منابعِ طریقت کا ذکر پوری عقیدت سے کرتے ہیں۔

کلامِ پاک کی عمومی تلاوت کا ذکر اور رواج تمام صوفی سلسلوں میں ہر زمانے میں قائم و دائم رہا ہے۔ اس کے علاوہ مخصوص اوقات میں خاص آیات، سورتوں اور حصوں کی تلاوت وقراءت کا نصاب پایا جاتا ہے، جیسا مختلف احادیث و آثارِ صحابہ سے منقول ہونے کا ذکر تمام ائمۂ حدیث اور مفسرین کرام بشمول حافظ ابن کثیر نے کیا ہے۔ اس کے پیچھے دو باطنی راز ہیں: اول یہ کہ مختلف آیتوں، سورتوں اور حصوں کے اپنے فوائد، اثرات اور کارگذاریاں ہیں، دوم یہ کہ ان سورتوں اور آیتوں وغیرہ کا ان خاص اوقات سے خاص تعلق وربط ہوتا ہے اور انسانی جسم وروح پر ان کے مخصوص اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر رسولِ اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام شب و روز کے مختلف اوقات میں مختلف / خاص آیتوں اور سورتوں کے پڑھنے کا اہتمام خود بھی کرتے تھے اور عام وخاص لوگوں کو ان کی ہدایت بھی فرماتے تھے۔

Marfat.com

نقشبندی اکابر کا معمول تھا کہ وہ رات میں تلاوتِ قرآن کا جو وظیفہ ادا کرتے تھے اس میں سورۂ فاتحہ، سورہ کافرون، سورہ اخلاص، معوذتین (سورہ فلق اور سورہ ناس) اور سورہ حشر اور سورہ بقرہ دونوں کے خاتمہ یعنی آخری رکوع شامل تھے۔ اور دن میں تلاوتِ قرآن کا حصہ سورہ یٰس پر مشتمل تھا۔ سوتے وقت بستر میں سورہ کافرون، سورہ اخلاص، معوذتین اور سورہ حشر و بقرہ کے آخری رکوعوں کی تلاوت ضروری سمجھی جاتی تھی[۳]۔

نمازوں میں بھی بالخصوص نوافل میں مخصوص سورتیں پڑھنے کا رواج و طریقہ دوسرے صوفی سلسلوں کی مانند نقشبندی سلسلہ میں بھی موجود رہا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اکابر نقشبندیہ کے نزدیک سالک کو بارہ رکعات تہجد پڑھنی چاہئیں اور ممکن ہو تو ہر رکعت میں سورہ یٰس پڑھے اور اگر ایسا نہ کر سکے تو آٹھ رکعتوں میں اس ترتیب سے قراءت کرے: پہلی رکعت میں شروع سے... واجر کریم یعنی اول رکوع تک، دوسری رکعت میں... وھم مھتدون تک، تیسری رکعت میں جمیع لدینا محضرون تک، چوتھی رکعت میں فلک یسبحون تک، پانچویں رکعت میں ولا الیٰ اھلھم یرجعون تک، چھٹی رکعت میں ھذا صراط مستقیم تک، ساتویں رکعت میں فھم لھا مالکون تک اور آٹھویں رکعت میں سورت کے آخر تک پڑھے اور باقی (چار رکعتوں) میں سے ہر ایک رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص تین تین بار قراءت کرے[۴]۔

قادری طریقہ میں فرض نمازوں کے بعد قرآنِ کریم کی بعض مخصوص سورتوں کی تلاوت کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سالک وصوفی کے لیے لازم ہے کہ وہ ہر فرض نماز کے بعد دس دفعہ سورۂ اخلاص پڑھا کرے اور چاشت کی دو رکعتوں میں سورہ والشمس اور سورہ والضحیٰ پڑھے۔ شام کو مغرب کے بعد سورہ الم السجدہ پڑھا کرے اور رات میں سورہ یٰس۔ لیکن اگر وقت میں تنگی ہو تو سورہ الم السجدہ اور سورہ ملک (تبارک) پر بھی اکتفا کر سکتا ہے[۵]۔ اس کے بعد سورہ فاتحہ اور

Marfat.com

الٰھکم الہ واحد لاالہ الا ھو الرحمن الرحیم کے بعد آیت الکرسی اور آمن الرسول سے آخر سورہ بقرہ تک پڑھے۔ عام روزہ نماز اور تلاوت ۶ کے علاوہ سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ ذوالحجہ کے اولین دس ایام میں شب بیداری کرے اور تلاوتِ قرآنِ کریم کے ذریعہ ان کو منور و آراستہ کرے۔ ہر رات پابندی سے دس پارے پڑھے اور ہر تین راتوں میں پورا قرآن ختم کرے جب کہ عید کی رات میں پورے قرآن کی تلاوت مکمل کرے۔ اسی کے ساتھ ساتھ سالک کو چاہیے کہ وہ ایک ہزار بار سورہ اخلاص کی تلاوت کیا کرے۔

چشتی طریق میں چلہ کھینچنے والے طالب کے لیے ضروری ہے کہ جب چلہ کے حجرے میں پاؤں رکھے تو دایاں رکھے اور اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے اور تین بار سورہ والناس کی تلاوت کرے... اس کے بعد طالب مصلے پر کھڑا ہو اور آیت: انی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین پڑھے۔ پھر دو رکعت نماز ادا کرے، پہلی رکعت میں آیت الکرسی اور دوسری میں آمن الرسول سے آخر رکوع تک تلاوت کرے۔... جب طالب کسی مقبرے میں داخل ہو تو دو رکعت نماز پڑھے اور ان رکعتوں میں سورہ انا فتحنا ختم کرے... پھر وہ اس طرح بیٹھے کہ قبر اس کے سامنے ہو اور کعبہ اس کی پشت پر اور سورۃ الملک تلاوت کرے... پھر گیارہ مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھے...۸۔

شاہ صاحب نے چشتی طریق میں ایک خاص نماز کن فیکون کا ذکر کیا ہے۔ اس کی رکعتوں میں قراءتِ قرآن کا نصاب یہ ہے کہ پہلی رکعت میں ایک بار سورہ فاتحہ پڑھے اور دو سو مرتبہ سورہ اخلاص، دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ تو سو بار پڑھے اور سورہ اخلاص صرف ایک بار تلاوت کرے...۹۔

صوفی سلسلوں میں مرید سے بیعت لیتے وقت شیخ کے تلاوتِ قرآن کا معمول کم و بیش ہمیشہ رہا ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے عام مریدوں سے بیعت لیتے

Marfat.com

وقت سورۂ فاتحہ اور چند آیاتِ قرآنی کی تلاوت کرنے اور مرید سے ان کے دہرانے کا ذکر کرکے اس کا استناد سورہ فتح کی آیت کریمہ: ید اللہ فوق ایدیھم (دستِ خداست بالائے دست ایشاں) سے کیا ہے۔ یہ عمومی بیعت کا ذکر ہے۔ ممکن ہے کہ شیخ اپنے اکابر کے معمول کے مطابق دوسری آیات کی تلاوت بھی کرے اور اس کے لیے ہر شیخ و مرشد کا طریقہ کار اور نصاب تلاوت مختلف ہوسکتا ہے[۱۰]۔ چنانچہ دوسری جگہ بیعت کی حقیقت بیان کرنے کے ضمن میں سورہ فتح کی مذکورہ بالا آیت کریمہ پوری نقل کی کی ہے[۱۱]۔ اسی میں یہ بھی اضافہ ہے کہ بیعت لینے کے بعد مرشد یہ دو آیتیں بھی تلاوت کرے:

(۱) يَـأَيُّهَـا الَّذِيْنَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّهَ وَابْتَـغُـواْ إِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُواْ فِـيْ سَبِيْـلِـهِ لَعَـلَّـكُـمْ تُفْلِحُونَ (المائدہ/۳۵)

اے مسلمانان! بترسید از خدا، و بہ طلبید قرب بسوی او، وجہاد کنید در راہِ او، تا رستگار شوید۔

(۲) إِنَّ الَّـذِيْنَ يُبَايِعُونَکَ إِنَّمَا يُبَـايِـعُـونَ اللّـهَ يَدُ اللّـهِ فَوْقَ أَيْـدِيْهِـمْ فَـمَـن نَّـكَـثَ فَـإِنَّـمَـا يَـنـكُـثُ عَلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَى بِـمَـا عَـاهَدَ عَلَيْهُ اللّهَ فَسَيُؤْتِيْهِ أَجْراً عَظِيْماً (سورۃ الفتح/۱۰)

ہر آئینہ آنانکہ بیعت میکنند باتو جزایں نیست کہ بیعت می کنند باخدا، دست خدا ست بالائے دست ایشاں پس ہرکہ بشکند عہد پس جزاین نیست کہ می شکند بضرر نفس خود و ہرکہ کہ تمام کند انچہ بران باخدا عہد کردہ است پس خواہد داد اورا مزد بزرگ[۱۲]۔

صوفیہ کے تمام طریقوں میں خاص مقاصد کے حصول کے لیے مختلف آیاتِ کریمہ اور سورتوں کی تلاوت بھی تجویز کی گئی ہے۔ تمام صوفی اکابر نے بالعموم اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے بالخصوص مخصوص اغراض و مقاصد کے لیے جو

Marfat.com

آیات یا سورتیں خاص کی ہیں ان کی سند تو وہ رسولِ اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے علاوہ اپنے شیوخ واکابر سے لاتے ہیں مگر ان کا مقرر کرنا خاص ان کے ''تجربات'' پر مبنی ہے جو خالص روحانی اور باطنی ہوتے ہیں اور مخصوص دواؤں کے اثرات و نتائج کی مانند اپنے عامل وذاکر اور قاری پر تصرفات کرتے ہیں۔ تجربات روحانی کا ایک خاص ربط آیتوں اور سورتوں کے فوائد و اثرات سے ہوتا ہے جس کا ثبوت رسولِ اکرم ﷺ کی صحیح احادیثِ کریمہ اور صحابہ عظام کے آثار عظیمہ سے ملتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنے والد ماجد شیخ عبدالرحیم سے جو اعمالِ مجربہ اور اشغالِ سلسلہ وراثت میں پائے تھے وہ اصلاً نقشبندی سلسلے ہی کے ہیں مگر ان میں کچھ خاص سید والد کے تھے۔ شاہ صاحب اور ان کے عظیم المرتبت پدر کے علمی اور صوفیانہ نصاب میں قرآن مجید کو سب سے اہم مقام حاصل تھا۔ کہا جا سکتا ہے کہ اوراد و وظائف میں ان دونوں کے ہاں آیات اور سورت ہائے قرآن کی تلاوت بہت اہم-شاید اہم ترین- تھی۔ القول الجمیل کی آٹھویں فصل خاندانی اشغال و اعمال کے لیے مخصوص ہے۔ اس میں قرآن مجید کی سورتوں اور مخصوص آیتوں کی روزانہ تلاوت اور اس کی مواظبت و مداومت کی تصریح ملتی ہے۔

دوسرے اوراد و وظائف کے علاوہ والدِ مرشد نے فرزندِ راشد کو وصیت کی تھی کہ روزانہ سورۂ مزمل چالیس بار پڑھا کریں اور اگر نہ ہو سکے تو گیارہ بار تو ضرور ہی تلاوت کریں۔ دوسرے مشائخ کا معمول بھی نقل کیا ہے کہ ان کے ہاں اکتالیس بار سورہ مزمل کی تلاوت کا معمول رہا ہے اور بعض اکابر نماز میں عشاء کے بعد دو رکعتوں میں اس طرح سورہ مقدسہ کی قراءت کرتے تھے کہ پہلی رکعت میں اکیس بار اور دوسری میں بیس بار۔ شیخ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے بعض مریدوں کا معمول نقل کیا ہے کہ فجر کی سنتوں کے بعد ایک بار تلاوت کرتے اور نماز پنجگانہ کے فرضوں کے بعد دو دو بار پڑھا کرتے تاکہ شب و روز میں گیارہ بار ہو جائے۔ حضرت شاہ صاحب اس پر اضافہ فرماتے ہیں کہ ''فقیر کو ان سب طرق کی اجازت

Marfat.com

ہے اور جو چاہے پڑھے اس کو بھی میری طرف سے اجازت ہے۱۴ یہ ظاہری اور باطنی کشائش کے حصول کے وظیفہ کا ایک حصہ ہے۔

بعض دوسرے مقاصد کے حصول کی خاطر بھی اوراد و وظائف اور اعمال کا سلسلہ ہر سلسلہ کی مانند شاہ صاحب کے متفقہ طریقے میں بھی رہا ہے۔ ان میں سے کوئی ہی شاید قرآن مجید کی کسی سورت یا حصہ سے خالی رہا ہو۔ دردِ سر اور دردِ دندان وغیرہ کے لیے جو وظیفہ معمول رہا ہے اس میں سورہ فاتحہ ہی جزو اصلی ہے اور بار بار اس کے پڑھنے کی تاکید و ہدایت ملتی ہے۔ اسی طرح دفعِ حاجت و شفائے مریض کے لیے والد ماجد کی ہدایت اور فرزندِ گرامی کا معمول تھا کہ فجر کی سنت اور فرض کے درمیانی عرصے میں اکتالیس بار سورۂ فاتحہ کی تلاوت کی جائے۔ حضرت جعفر صادق سے سورہ فاتحہ کو چالیس بار پڑھنے کا وظیفہ بھی نقل کیا ہے جو بخار و تپ کے مریض کو شفا دینے میں کارگر ہے۔ بعض دوسرے امراض کے دفعیہ کے لیے بھی سورہ فاتحہ کے پڑھنے کا معمول نقل کیا ہے۱۵۔

سورہ طارق کی آخری تین آیات کریمہ: إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْداً. وَأَكِيدُ كَيْداً. فَمَهِّلِ الْكَافِرِينَ أَمْهِلْهُمْ رُوَيْداً کو سگ گزیدہ کی شفایابی کے لیے مجرب نسخہ بتایا ہے۔ یہ بعض دوسرے بزرگوں سے بھی نقل کیا گیا ہے۱۶۔

فاقہ کی مصیبت سے محفوظ رہنے کے لیے شیخ عبدالرحیم نے شاہ صاحب کو جو عمل سکھایا تھا وہ ہر شب میں سورۃ الواقعہ کی تلاوت ہی ہے۔ شاہ صاحب نے حزب البحر کی شرح میں "لاحول ولاقوۃ الا باللہ العظیم" کے سو بار پڑھنے کو بھی بطور اثر اس مقصد کے لیے مفید بتایا ہے۱۷۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک اثر پایا جاتا ہے کہ وہ اس مقصد کے لیے سورہ بقرہ کی تعلیم و تلاوت کو مفید سمجھا کرتے تھے۔

رات میں سونے کے وقت مختلف آیتوں اور سورتوں کو پڑھنے کا معمول سنتِ نبوی رہا ہے اور اس کے مختلف مقاصد و اہداف رہے ہیں جیسے حفاظتِ الٰہی کا

Marfat.com

حصول، شیاطین کے اثرات سے محافظت، صحت و عافیت کی طلب وغیرہ۔ شب بیداری یا کسی خاص وقت جاگنے کے لیے سورہ کہف کی آخری چار آیات کریمہ: إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلاً. ..... وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَداً (الکہف/۱۱۰-۱۰۷) پڑھنے کی وصیت والد ماجد نے کی تھی اور شاہ صاحب کا یہ روزانہ کا وظیفہ تھا۔ مسند دارمی میں اس کو سنت مطہرہ کہا گیا ہے جیسا کہ حاشیہ عزیزیہ میں منقول ہے[۱۸]۔

حفاظت کے حصول کے لیے متعدد وظائف نقل کیے گئے ہیں جن میں قرآن مجید کی آیات کریمہ کے فقرے موجود ہیں۔ یہ دونوں بزرگوں کے معمولاتِ روزانہ میں شامل تھے۔ سلطان وقت کے گزند سے بچنے کے لیے جو وظیفہ مقرر تھا اس میں قرآن مجید کی سورتوں کے بعض حروف مقطعات بھی موجود ہیں جیسے كٓهٰيٰعٓصٓ، حٰمٓ عٓسٓقٓ[۱۹]۔

شیخ عبدالرحیم نے حضرت شاہ کو بتایا تھا کہ چھ آیاتِ قرآنی آیات الشفاء کہلاتی ہیں اور مریض کو پانی پر دم کر کے پلانے سے افاقہ ہوتا ہے۔ یہ آیات کریمہ ہیں: (۱) وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ (توبہ/۱۴) (۲) شِفَاء لِّمَا فِي الصُّدُورِ (یونس/۵۷) (۳) يَخْرُجُ مِن بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيْهِ شِفَاء لِلنَّاسِ (نحل/۶۹) (۴) وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاء وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ اسراء/۸۲) (۵) وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ (شعراء/۸۰) (۶) قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاء (سورہ فصلت/۴۴)[۲۰]۔ یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ان تمام آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے لفظ شفا ہی استعمال نہیں فرمایا بلکہ شفاء کا اثر بھی رکھا ہے۔

اسی طرح جادو کے اثر، چوروں اور درندوں کی گزند سے محافظت کرنے کے لیے قرآن مجید کی ۳۳ آیات کریمہ کا نسخہ مجرب شیخ عبدالرحیم اوران کے والا مرتبت فرزند کا معمول تھا۔ یہ آیات کریمہ ہیں: (۱) سورہ بقرہ کی اولین چار آیات

Marfat.com

(۲) آیت الکرسی اوراس کے بعد کی دو آیات کریمہ (۳) سورہ بقرہ کی آخری آیات اور (۴) تین آیات سورہ اعراف کی ان ربکم اللہ سے محسنین تک اور (۵) سورہ بنی اسرائیل کی آخری آیت کریمہ (۶) سورہ صٰفٰت کی اولین دس آیات (۷) سورہ رحمٰن کی دو آیتیں یا معشر الجن سے تنتصران تک اور (۸) سورہ حشر کی آخری آیات لوانزلنا ھذا القرآن سے آخر تک (۹) سورۂ جن کی دو آیتیں: وانہ تعٰلی جد ربنا سے شططاتک۔ یہ آیات کریمہ تینتیس آیہ کہلاتی ہیں۔ والد مرشد ان پر سورہ فاتحہ اور چاروں قل کا بھی اضافہ فرمایا کرتے تھے اور سورہ جن کو شروع سے شططاتک پڑھا کرتے تھے۲۱۔

چیچک کی بیماری سے حفاظت کے لیے جو عمل مقرر ہے اس میں سورہ رحمٰن کی تلاوت ہی تجویز کی گئی ہے (۱۴۰)۔ صلوٰۃ الحاجۃ کی اجازت حدیث شریف میں بھی وارد ہے۔ اس میں مخصوص آیات کی تلاوت بتائی گئی ہے۔ پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد حضرت یونس کی دعائے قرآنی سوبار، دوسری میں حضرت ایوب کی التجا سوبار، تیسری میں حضرت کی عرض سوبار اور چوتھی میں دعائے صالحین سوبار پڑھ کر سلام پھیرے اور آیت کریمہ: رب انی مغلوب فانتصر سوبار پڑھنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ اِن کے علاوہ بعض دوسری آیات کریمہ کی تلاوت وقراءت کا معمول نقل کیا گیا ہے۲۲۔ اوراد وظائف میں آیات قرآنی کی تلاوت کا باب بہت وسیع ہے اس کے لیے القول الجمیل اور بعض دوسری کتب شاہ صاحب کا مطالعہ مفید ہے۔

ترجمہ و تفہیم قرآن مجید

تمام صوفیہ میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ قرآن مجید کی تلاوتِ روزانہ، اوراد و وظائف میں آیاتِ الٰہی کی آمیزشِ صالحانہ اور تعویذ وغیرہ میں کلامِ الٰہی کے استعمالِ صادقانہ کے علاوہ قرآن مجید کے متن کی تفہیم کو بھی مرشد اور مرید، صوفی اور سالک اور شیخ و مسترشد دونوں کے لیے ضروری سمجھتے ہیں اور اس

Marfat.com

کو لازمی نصاب تصوف قرار دیتے ہیں۔ مرشد و شیخ کے لیے وہ براہ راست قرآن مجید کی تفہیم کے لیے عربی زبان و علوم قرآنی کی ضرورت بھر تحصیل کو ضروری شرط قرار دیتے ہیں اور عام مرید و سالک کے لیے ترجمہ قرآن کے ذریعہ کلامِ الٰہی کو سمجھنے کی ہدایت فرماتے ہیں۔

''... مرشد کے لیے ایک شرط تو یہ ہے کہ وہ قرآن و سنت کا علم رکھتا ہو۔ قرآن اور سنت کے علم سے میری مراد یہ نہیں کہ وہ اس میں درجہ کمال پر فائز ہو۔ مرشد کے لیے قرآن کا علم بس اتنا کافی ہے کہ اس نے تفسیر مدّارک یا تفسیر جلالین یا ان جیسی کوئی تفسیر پڑھی ہو، کسی عالم سے قرآن کی تحقیق کی ہو اور اس کے معانی حل کیے ہوں، مشکل الفاظ کو سمجھا ہو، اسباب نزول کا احاطہ کیا ہو اور اعراب، قصص اور اس سے متعلق جو مسائل ہیں ان کا عالم ہو ... مرشد کے لیے ضروری نہیں کہ وہ قرآن کا حافظ ہی ہو ... البتہ واعظ کے لیے قرآن و حدیث کا مطالعہ کافی اور بساط بھر لازمی ہے اور اس پر مشائخ کا اجماع نقل کیا ہے[۲۳]۔ سالک کے لیے جو نصاب فہم قرآن کا شاہ صاحب نے مقرر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ ہر روز قرآن کے دو رکوعوں کا ترجمہ سنے، اگر پڑھ سکے تو پڑھے[۲۴]۔

فتح الرحمٰن کے مقدمہ میں حضرت شاہ صاحب نے عام مسلمانوں کے لیے اپنے فارسی ترجمہ کو مفید اور ضروری بتایا ہے وہیں صوفی حلقوں سے وابستہ ''یارانِ سعادت مند'' سے بڑی منطقی اور جذباتی گذارش کی ہے کہ وہ مثنوی مولانا جلال الدین رومی، گلستان شیخ سعدی و منطق الطیر شیخ فرید الدین عطار، قصصِ فارابی، نفحات مولانا عبدالرحمٰن جامی اور اس جیسی دوسری کتابوں کی قراءت و سماعت کے لیے حلقے بناتے ہیں۔ اگر وہ اس ترجمہ کو اسی اسلوب سے اپنے درمیان پڑھا کریں اور اپنے شغلِ خاطر کا ایک حصہ بنالیں تو مفید ہوگا۔ اگر وہ کلام اولیاء اللہ کا شغل ہے تو یہ کلام اللہ کا شغل ہے، اگر وہ حکیمان کے مواعظ ہیں تو یہ احکم الحاکمین کے مواعظ ہیں، اگر وہ عزیزوں کے مکتوبات ہیں تو یہ رب العزت کے

Marfat.com

مکتوبات ہیں۔ اور دونوں کے مقام و مرتبہ میں کیسا عظیم فرق ہے! انصاف کی بات یہ ہے کہ نزول قرآن کا اصلی فائدہ موعظت و نصیحت حاصل کرنا ہے اور اسی کے مواعظ سے ہدایت نصیب ہوتی ہے، اگرچہ تلاوت (تلفظ) بھی غنیمت ہے لیکن ''مسلمانی'' کیسے ہاتھ آسکتی ہے اگر وہ قرآن کے معانی نہ سمجھے۔ اس کو تلاوت کی حلاوت بھی نہیں مل سکتی جو شخص کلام اللہ کے معانی (مدلول) کو نہ سمجھتا ہو۔ جو لوگ عربی زبان پر کامل دسترس رکھتے ہیں اور اساتذہ سے تفاسیر پڑھ چکے ہیں ان کو اس ترجمہ کی اتنی ضرورت نہیں ہے لیکن حضرت باری کے فضل سے یہ امید ہے کہ اگر یہ جماعت بھی اس کتاب میں غور کرے گی تو الفاظ قرآن کے معانی اور ان کے پیچھے پوشیدہ اسرار بھی ان پر روشن تر ہو جائیں گے ... اور زیادہ فائدہ اٹھائیں گے (مقدمہ ج)۔

مختلف نسبتوں کا حصول صوفیہ کرام کا ایک اہم مقصد رہا ہے۔ شاہ صاحب نے ہیئات نفسانیہ کو دوسرے صوفیہ کی مانند نسبت کا نام دیا ہے کیونکہ وہ دراصل اللہ عزوجل کے ساتھ انتساب و ارتباط کا معاملہ ہے جو سکینت و نور کے ذریعہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس کے حصول کے مشائخ و صوفیہ کے ہاں مختلف طریقے ہیں: (مرجع الطوق کلها الیٰ تحصیل هیئة نفسانیة تسمّٰی عندهم بالنسبة لانها انتساب وارتباط بالله عز وجل بالسکینة وبالنور)۔ پھر اس کی حقیقت یہ بیان کی ہے کہ وہ ایسی کیفیت ہے جو نفس ناطقہ میں حلول کر جاتی ہے اور فرشتوں سے مشابہت پیدا کرتی ہے اور عالمِ جبروت کی جانب جھانکنے کا دریچہ کھولتی ہے: وحقیقتها کیفیة حالة فی النفس الناطقة من باب التشبیه بالملٰئکة او التطلع الی الجبروت۔ شاہ صاحب نے اس صفت و حالت کی مزید وضاحت کی ہے۔ یہ تمہیدی گفتگو اس لیے ضروری ہوگئی کہ شاہ صاحب اس نسبت کے حصول کے مختلف طریقوں کا ذکر کرتے ہیں۔ ان میں سے اشغالِ صوفیہ کے علاوہ بعض دوسرے طریقوں کا ذکر بھی ہے جن کا تصوف سے کچھ تعلق نہیں۔ فرماتے ہیں کہ

Marfat.com

''میرے نزدیک ظن غالب یہ ہے کہ حضرات صحابہ اور تابعین سکینہ یعنی نسبت کو اور ہی طریقوں سے حاصل کرتے تھے...''۔ ان کے مختلف طریقوں کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''صحابہ کرام قرآن مجید کی تلاوت اور اس کے معانی پر غور کر کے اور اس پر مواظبت کر کے بھی اسے حاصل کرتے تھے...''۔ مشائخ میں یہ سلسلہ بھی جاری ہوا ۲۵۔

مختلف صوفی سلسلوں میں قرآن مجید کے معانی و مطالب پر غور و فکر کرنے اور ان سے حاصل شدہ تفہیم سے روحانی فیض اور باطنی ترقی حاصل کرنے کا دستور رہا ہے اور اسی بنا پر صوفیہ نے قرآن مجید کی تفاسیر بھی لکھی ہیں۔ حضرت ولی اللہ دہلوی نے بعض سلاسل میں قرآنی متن کے معانی و مدلولات پر غور و فکر کرنے اور متعدد اشغال و اعمال میں ان سے استفادہ کرنے کا ذکر کیا ہے۔

مراقبہ تو غور و فکر کرنے کا ایک صوفی طریقہ ہے۔ قادری سلسلہ میں مراقبہ کی بابت حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ صوفی یا سالک اپنی زبان سے کہے کہ اللہ میرا ناظر و حاضر ہے اور وہ میرے ساتھ ہے۔ وہ اس خیال کو بغیر الفاظ کے بھی دل میں جاگزیں کر سکتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی حضوری اور ناظری اور اس کی معیت کو خوب مضبوط و مستحکم کرے اور ساتھ ہی یہ تنزیہہ بھی ملحوظ رکھے کہ ذاتِ حق سمت و مقام سے ماورا ہے اور اس تصور میں غرق ہو جائے۔ مراقبہ حضور حق کی اصل شاہِ والا صفات نے رسولِ اکرم ﷺ کی اس حدیث میں تلاش کی ہے جو احسان سے متعلق ہے (والاصل فیھا قولہ ﷺ: الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک ۔ دوسرے طریقے بیان کرنے کے علاوہ شاہ صاحب نے متعدد آیاتِ کریمہ کے الفاظ و معانی پر غور و فکر کرنے کے ذریعہ اس مراقبہ کو بیان کیا ہے۔ یہ آیات کریمہ ہیں:

أَيْنَمَا تُوَلُّواْ فَثَمَّ وَجْهُ اللّهِ (بقرہ/۱۱۵)

ہر سو کہ رو آرید ہما نجاست روئے خدا

Marfat.com

الم یعلم بان اللہ یری (علق/۱۴)
آیا ندانست ایں روگرداننده که خدا می بیند
نحن اقرب الیه من حبل الورید (ق/۱۶)
ومانزدیک تریم باوَے از رگِ جان
واللہ بکل شی محیط و کان اللہ بکل شئ محیطا (النساء/۱۲۶)، انه بکل شئ محیط (فصلت/۵۴)

(شفاء العلیل میں اول الذکر عبارت ہے جو آیت نہیں ہے ۲۶۔ اگر شے کے ساتھ آیت نقل کی گئی ہے تو سورہ نساء کی ہے یا وہ سورہ فصلت کی ہے: ان کا بالترتیب ترجمہ شاہ ہے: ''وہست خدا بہمہ چیز در گیرندہ''، ''برآئینہ خدا بہر چیز در گیرندہ است''۔

ان معی رب سیهدین (شعراء/۶۲)
ہرآئینہ بامن پروردگارِ من ست راہ خواہ نمود مرا
هوالاول والأخر والظاهر والباطن (حدید/۳) نخستین ہمہ واوست، آخرین ہمہ واوست، آشکار واوست پنہان واو

شاہ ولی اللہ دہلوی نے اسی سلسلۂ عظیم کے ایک اور مراقبہ فنا اور تقطع علائق دنیا جس کو تجرد تام یا سکر وصحو کا مراقبہ بھی کہا جا سکتا ہے بعض دوسری آیات کریمہ کے معانی ومفاہیم کا استحضار اور ان پر تذکر وتدبر کرنے کا ذکر کیا ہے۔ وہ آیات کریمہ حسب ذیل ہیں:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ. وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (الرحمٰن/۲۷-۲۶)

(ہرکہ ہست برزمین فانی شود وباقی ماند روئے پروردگارِ تو خداوندِ بزرگی و انعام...

إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ. أَيْنَمَا تَكُونُوا

Marfat.com

يُدْرِكْكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ (النساء/۷۸) ہر جا کہ باشید دریابد شمارا مرگ، واگر چہ باشید در محل ہائے محکم ۲۷۔

قادری سلسلے میں ایک ''مراقبہ برائے کشف وقائع آئندہ'' کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اس میں اگرچہ معانی پر غور وفکر کا ذکر نہیں ہے تاہم قرآن مجید کے چار مصاحف کا استعمال بتایا گیا ہے کہ ایک ایک مصحف آگے پیچھے اور دائیں بائیں رکھے جائیں اور بار بار ہر ایک مصحف پر ضرب لگائے۔ شاہ صاحب نے اس طریقہ سے اپنے اختلاف اور اپنے تکدر خاطر کا بھی حوالہ دیا ہے کہ قرآن مجید کو اس طرح پشت پر رکھنے میں ان کے نزدیک مصحف کے ساتھ بے ادبی بھی معلوم ہوتی ہے ۲۸۔ اسی ضمن میں شاہ صاحب نے اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کے ساتھ مراقبہ کرنے کا ذکر کیا ہے جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اور انھیں اپنے والد ماجد کا منتخب و پسندیدہ مراقبہ کہا ہے۔ ان میں علیم، مبین، خبیر، سبوح، قدوس، رب الملئکة، حی، وھاب اور کلمہ لاالہ الا ھو کی ضربیں لگانے کا طریقہ شامل ہے۔ یہ مراقبہ شفائے مریض، حصول امور مشکلہ، کشف ارواح کے لیے بھی تجویز کیا گیا ہے ۲۹۔ چشتی طریقے میں بھی کلمہ لاالــه الا اللــه کے ضربوں کے ساتھ یہ مراقبہ کا نسخہ بتایا گیا ہے ۳۰۔

تصوف بالخصوص ولی اللّٰہی تصوف میں انسان کے نفسِ ناطقہ کو متاثر کرنے، اسے رنگ الٰہی میں رنگنے اور اس میں ملکیہ کی صفات پیدا کرنے پر بہت زور دیا گیا ہے۔ جسم و بدن، نسمہ و روح ہوائی اور نفس ناطقہ کو مرکزیت حاصل ہے۔ شاہ صاحب نے نفس ناطقہ کی صلاح و فلاح، تہذیب و تادیب اور تربیت و تزکیہ کا ایک پورا فلسفہ ایجاد کیا ہے۔ ان میں سے سب سے اہم اور موثر ترین وہ ہے جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی وعظ سنے، قرآن کی تلاوت کرے اور ساتھ ساتھ اس کے معانی پر غور کرے۔ دوران تلاوت میں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کی بخشش و رحمت کا ذکر آئے وہاں وہ اس سے رحمت چاہے او

Marfat.com

جہاں عذاب کا ذکر ہے وہاں اس کے عذاب سے پناہ مانگے اور جن آیات میں صفاتِ الٰہی کا بیان ہے ان کی تلاوت کرتے وقت خدا تعالیٰ کی تسبیح و تمجید کرے ...۱۳۱۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ اور دوران تلاوت پورے کلامِ پاک کے معانی جانے بغیر سالک یا مرشد اس تعلیم پر عمل نہیں کرسکتا۔ ظاہر بات ہے کہ مرشد کے لیے عالم ہونا ضروری ہے اور سالک ترجمہ سے اس ہدایت پر عملِ کرسکتا ہے۔

صوفی افکار

تصوف اور صوفی سلسلوں میں قرآن مجید سے اپنے افکار و اعمال کی تصدیق، تائید اور استشہاد و استدلال کی روایت بہت قدیم اور مسلسل ہے۔ متعدد صوفی علماء نے قرآن مجید کی پوری تفسیر بھی اپنے فن اور فکری نقطۂ نظر سے لکھی ہے۔ اس کو اشاری تفسیر سمجھا اور قرار دیا جاتا ہے۔ باطنی تفسیر کا جواز حدیث نبوی کے ایک جملہ سے نکالا جاتا ہے کہ قرآن مجید کا ایک ظہر (ظاہر) ہے، ایک باطن اور ایک مطلع۔

اس کی بنا پر جن صوفیاء نے اشاری تفسیر نہیں لکھی انھوں نے مختلف افکار، نظریات اور اعمال کی دلالت وشہادت مختلف قرآنی آیات سے نکالی ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا بطور مفسر و مترجم تمام صوفی مفسرین و شارحین میں ایک انفرادی امتیاز ہے، انھوں نے جو ترجمہ قرآن کیا اور اس کے جو مختصر تفسیری حواشی لکھے ان پر صوفی عقائد ونظریات کا اثر بالکل نہیں ہے، کہیں کہیں ان کا پرتو پڑ گیا ہو تو دوسری بات ہے، کہ کبھی غیر شعوری طور سے دل کی بات نوکِ قلم پر آجاتی ہے البتہ اپنے مخصوص نظریات اور افکارِ تصوف کی بنیاد قرآنی آیاتِ کریمہ میں ضرور تلاش کی ہے۔ عملی تصوف سے زیادہ ایسا قرآنی استشہاد نظری اور فلسفیانہ تصوف کی تعبیرات وتشریحات میں اور بالخصوص ان کی کتبِ تصوف میں ملتا ہے۔ اس میں

Marfat.com

ذرا شک نہیں کہ ولی اللّٰہی استشہاداتِ قرآنی سے آیاتِ زیرِ بحث کی معنوی جہات کا ایک جہانِ نو نگاہِ معرفت اور بینشِ اہلِ عرفان کے سامنے آجاتا ہے۔ خواہ خالص اہلِ علم وتفسیر اس سے اتفاق کریں یا نہ کریں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے مختلف صوفیانہ نظریات کے استناد کے لیے قرآنی آیات کا استعمال کیا ہے۔ ان کا مطالعہ بہتر طریقے سے بعض خاص عناوین کے تحت کیا جاسکتا ہے، یہ عناوین ان کے موضوعات کو متعین کرتے ہیں۔ موضوعات کے تنوع کے علاوہ ان سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ شاہ صاحب کس طرح تصوف کو قرآن مجید سے پیوستہ اور اسی سے زائیدہ سمجھتے ہیں۔ یہ علمی وتفسیری قدر مشترک ہے جو قدر مشترک ہے جو دوسرے صوفیاء کے ہاں بھی ملتا ہے ولی اللّٰہی استشہاداتِ قرآنی کا تقابلی مطالعہ ان کے پیشرو، معاصر یا متاثر صوفیہ کی تشریحات سے کیا جاسکتا ہے اور وہ ایک الگ تحقیقی موضوع/ مقالہ کا متقاضی ہے لیکن ہے کرنے کا کام۔

ذاتِ الٰہی

نظری تصوف میں فلسفیانہ افکار ونظریات کی آمیزش ہی نہیں بلکہ سراسر اسی کا عمل دخل ہے۔ اصطلاحات، نظریات اور تصورات اور لفظیات تک جوں کی توں پائی جاتی ہیں، فکری ومعنوی اشتراک بھی پورا پورا ملتا ہے۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ فلسفہ میں الٰہیات کا باب اہم ترین ہے بلکہ اسی کو محوری ومرکزی قطب کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ بقیہ تصورات وافکار اسی کے گرد گھومتے، اسی کے نور سے اکتساب کرتے ہیں۔ ذاتِ الٰہی کی حقیقت، اس کے اسماء وصفات، اس سے کائنات کا صدور یا تخلیق، مخلوقات کا خالق سے ربط وتعلق، کائنات میں انسان کی حیثیت، مقام ومرتبہ، اس کی تخلیق کا مقصد، دوسری مخلوقات سے تعلق ورشتہ، پھر انسان کی فطرت وشخصیت، صفات وخصائص وغیرہ وہ بنیادی مباحث ہیں جو فلسفہ

Marfat.com

کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ اسلامی فلسفہ کے تحت صوفیہ بھی ان کے نظریات ولفظیات سے پوری طرح متاثر ہوئے کہ ان کی فکری جولان گاہ بھی یکساں ہے۔ اس لیے نظری تصوف میں فلسفیانہ اصطلاحات ونظریات سے مفر نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ فلاسفہ کی مانند صوفیہ بھی ذاتِ واجب یا واجب الوجود اللہ تعالیٰ کو قرار دے کر بحث کرتے ہیں۔ ولی اللّٰہی تصوف میں ذات واجب کی بڑی دقیق، نکتہ سنج اور عمدہ بحثیں ملتی ہیں۔ اور اس سے متعلق قرآنی آیات سے استناد و استشہاد بھی۔ شاہ صاحب ذات واجب الوجود کو وراء الوراء تسلیم کرتے ہیں کہ اس کی معرفت ممکن نہیں سوائے اس کے اسماء وصفات کے ذریعہ۔ ان اسماء و وصفاتِ الٰہی کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ وہ اس کی ذاتِ مطلق اور ذاتِ واجب پر دلالت کرتے ہیں۔ شاہ موصوف نے اسمائے حسنیٰ پر بہت عمدہ بحث کی ہے جو ایک الگ تحقیق کا موضوع ہے۔ قرآنی آیات کے استناد کے حوالے سے شاہ صاحبؒ نے ایک عمدہ مقدمہ لکھا ہے:

''معلوم ہونا چاہیے کہ اسمائے الٰہیہ، خواہ وہ اسمائے بسیط ہوں جیسے کہ اللہ، رحمٰن اور رحیم ہیں، یا وہ اسمائے مرکبہ ہوں جیسے قرآن مجید کی وہ آیتیں اور دعائیں ہیں جو ذات واجب کی صفات پر دلالت کرتی ہیں مثلاً آیت الکرسی، قل ہو اللہ احد، یا سورۂ حشر کی آخری آیتیں (ھو اللہ الذی لااله الا ھو ...الخ) الغرض اللہ تعالیٰ کے یہ بسیط اور مرکب اسماء عالم مثال میں اپنی مستقل صورتوں کے ساتھ موجود اور قائم ہیں چنانچہ میں نے جب ان کی مثالی صورتوں کو بنظر تعمق دیکھا تو مجھ پر یہ حقیقت آشکارا ہوئی کہ اسمائے الٰہیہ کی ان صورتوں کے عناصر بدن تو قوت مثالیہ سے ہیں اور ان کا تخیل ملاء اعلیٰ کی طرف ہے۔ اور ان صورتوں کی روح ان اسماء کی اپنی ذاتی اور اضافی صفات ہیں۔ ذاتی صفات جیسے اللہ، رحمٰن اور رحیم۔ اور اضافی صفات جیسے رزاق وقہار وغیرہ ہیں۔ اسی کے ساتھ میں نے یہ بھی دیکھا کہ عالمِ مثال میں اسماء کی یہ صورتیں اور قالب سرتا نور ہی نور ہیں.....[۳۲]

Marfat.com

شاہ ولی اللہ کے تصوف میں عالمِ مثال کا ایک پورا نظام موجود ہے جس کی بنیاد کشفِ صوفیانہ کے علاوہ کتاب وسنت کی بعض تصریحات پر قائم ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ میں اس پر ایک مختصر سہی پورا باب موجود ہے اور دوسری کتبِ تصوف میں بھی اس کا جستہ جستہ ذکر و بیان ملتا ہے۔

اس کا ماحصل یہ ہے کہ صفات واسمائے الٰہی ہوں یا تمام دوسری مخلوقاتِ ربانی ان کی ایک مثالی صورت اس عالم میں ازل سے موجود ہے یعنی ارادہ الٰہی کے اس لمحہ سے جب اس نے کائنات سے اپنا تعلق ورشتہ استوار کیا اور قیامت تک جن کو تخلیق کرنے کا ارادہ فرمایا۔

اسماء وصفاتِ الٰہی کے باب میں شاہ صاحب نے مزید تصریح فرمائی ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے ''ان اسماءِ الٰہی میں سے بعض کو اسم اعظم قرار دیا ہے اور بعض دعاؤں کی خاص خاص تاثیرات بیان فرمائیں ... یہی سبب ہے جس کی بنا پر انبیاء علیہم السلام ہمیشہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ جو دعائیں ماثور اور مقرر ہیں، دعا کرنے والا ان دعاؤں کے الفاظ اور صیغوں کا پورا پورا لحاظ رکھے...'' ورنہ تاثیر نہیں ہوگی، البتہ ان کے خواص کا جاننا اس کے لیے ضروری نہیں۔ ''...مردِ مومن جب ان اسمائے الٰہیہ کا سچی نیت اور پوری توجہ سے ذکر کرتا ہے اور اس کا دل ان اسماء کو اپنے اندر محفوظ کرنے کی جدو جہد میں کلیۃً مصروف ہوجاتا ہے تو اس شخص کے باطن کی طرف اسمائے الٰہی کی ان مثالی صورتوں میں سے ایک دروازہ کھلتا ہے جس سے اس کے دل پر نور اور ٹھنڈک کا نزول ہوتا ہے''...اس کی تندہی اور ہمت کے حساب سے اس پر انوار کا فیضان بڑھتا جاتا ہے ...اس اسم کا عالم مثال میں جو قالب ہے اس کو تلاوت کرنے والے کا دل اس مثالی قالب کی حقیقت سے متصل ہوجاتا ہے ...اور اس کے آثار عالم انفس و عالم آفاق میں ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ شاہ صاحب نے ''اللہ'' کے اسم کے ذکر پر پھر بحث کی ہے ...اسم اللہ کا ذکر ذات باری کی طرف تین جہت سے پرواز کرتا ہے: ایک ملائکہ کی جہت سے،...دوسرے

Marfat.com

خود اس اسم اور عالم مثال میں جو اس کی شکل ہے، اس جہت سے اور تیسرے نفس ناطقہ کے ذریعہ۔ یعنی نفس ناطقہ میں اس ذکر سے ہمت پیدا ہوتی ہے اور ترقی کر کے حظیرۃ القدس کے مقام تک پہنچ جاتا ہے...''۳۳۔

شاہ صاحب کے اس بیان میں چند فنی اصطلاحات آگئی ہیں۔ ان کی تفہیم کے بغیر تشریح اسماء مشکل ہے۔ انسان کو وہ جسم، نسمہ (روح ہوائی) اور نفس ناطقہ کا مرکب مانتے ہیں۔ جسم و بدن عنصری اور فانی ہے اور موت کے بعد فنا ہو جائے گا کیونکہ نسمہ (روح ہوائی) اس میں سے نکل جاتی ہے جو بدن کا مرکب ہے۔ نسمہ بھی موت کے بعد دھیرے دھیرے کمزور ہو کر منتشر ہو جاتی ہے مگر نفس ناطقہ ہمیشہ قائم و دائم رہتا ہے اور وہی اصل انسان ہے وہ ہمیشہ ملائکہ کی طرف صعود کرنا چاہتا ہے مگر انسان کی صفاتِ بہیمیت اس کو روکتی ہیں اور نیچے گراتی ہیں جب کہ اس کی صفاتِ ملکیت اسے اوپر عالم ملائکہ تک لے جاتی ہیں، منتخب ملائکہ اور عظیم ترین فرشتوں کی جماعت اور ان کی مجلس و مقام ولی اللّٰہی تصوف میں حظیرۃ القدس کہلاتا ہے اور اس سے اتصال انسانی کمال کی معراج ہے۳۴۔

اسم ذات

اللہ کو بالعموم تمام اہلِ تفسیر و علم نے اور صوفیہ کرام نے بھی اسمِ ذات کہا ہے۔ شاہ ولی اللہ بھی اس سے ایک عمومی اتفاق رکھتے ہیں اور مختلف سلاسل کے حوالے سے اسے اسم ذات ہی کہتے ہیں۔ لیکن ان کا ایک خاص نقطۂ نظر بھی ہے جو اس عمومی خیال سے منفرد اور جدا ہے اور وہ اختلاف معنی پر مبنی ہے اور شاید حقیقت بھی وہی ہے۔ پہلے اسم ذات۔ اللہ۔ سے صوفیہ کے یہاں مراقبہ و ذکر کا کچھ بیان۔

اشغال صوفیہ میں طریقہ جیلانیہ/ قادریہ کا سب سے پہلے ذکر فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کے مختلف اذکار میں ''اسم الذات'' کا ذکر جہری ہے اور پھر اس کا طریقہ بتاتے ہیں۔ اللہ کو اس میں اسم ذات بتایا گیا ہے ۳۵۔ اسم الذات

Marfat.com

کے ذکر پر مواظبت کرنا اور ایک رات دن میں چار ہزار مرتبہ شرائط مذکورہ کے ساتھ کرنا ذاکر کو اس کے اثر سے لازمی طور سے بہرہ مند کرتا ہے۳۶ ذکر خفی میں بھی اسی ''اسم الذات'' کے ذکر کا طریقہ بتایا گیا ہے اور اسی کے ساتھ اس میں بعض دوسری صفات الٰہی کو شامل کرنے کا نسخہ بھی تجویز کیا گیا ہے جیسے اللہ بصیر، اللہ علیم، اللہ سمیع، اللہ قدیر اور اس کے اثرات کا بیان آگے کیا گیا ہے۳۷۔ چار مصاحف کو چار سمتوں میں رکھنے کے طریقہ میں بھی اسی اسم ذات کا ذکر تجویز کیا گیا ہے اور اس کا حوالہ اوپر آچکا ہے۔

نقشبندی صوفیہ کے اشغالِ ذکر میں ''اسمِ ذات'' کا حوالہ ملتا ہے، اگرچہ شاہ صاحب کی صراحت کم ملتی ہے۔ ''شاہ ولی اللہ نے چار باب میں فرمایا کہ مبادی سلوک میں اسم ذات ہے، ہر روز بارہ ہزار بار...''۳۸۔ اسم ذات کے ذکر کا طریقہ تقریباً ہر طریق وسلسلہ میں پایا جاتا ہے....

تفہیماتِ الٰہیہ میں شاہ ولی اللہؒ نے اسم ذات کے بارے میں ایک بہت عمدہ نکتہ بیان کیا ہے:

... واسم التجلی الاعظم بهذا الاعتبار بالعبرانية اللاهوت ولاها، وبالعربية الله ولا يغرنک مايؤمی اليه كلام المتاخرين من أن الله اسمه تعالیٰ باعتبار ذاته، فهذا نوع من خلط المراتب بعضها ببعض، ونحن لا نخبرک الا عن وجداننا، لقد طرحنا اقوال القوم جانبا، وهذا الشان هو الذی ظهر به الله تعالیٰ فی زمان سيدنا ابراهيم عليه السلام فحرم النجوم على لسانه، وابطل علم الطلسمات والخرزات وغيرها. وكل ذكل منشعب من هذه البرزة وهذا الشان ...۳۹۔

سالکوں اور مریدوں کی تربیت وتعلیم کے حوالے سے شاہ صاحب نے تصحیح

Marfat.com

عقائد پر بہت زور دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے وجود اور ذاتِ واجب و واحد اور اس کے صفاتِ کمال کا معاملہ آتا ہے۔ شاہ صاحب بہت وضاحت سے کہتے ہیں کہ عقائد کی یہ تصحیح خالص سلف صالح کے طریقہ کے موافق ہونی چاہیے۔ ''ذاتِ واجب واحد'' کے اثبات کے ساتھ ساتھ مریدوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کو حیات، علم، قدرت، ارادہ وغیرہ ان تمام صفاتِ کمال سے متصف مانے جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو موصوف کیا ہے اور جن کا ذکرِ خیر مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات اور صحابہ و تابعین کے آثار میں ملتا ہے۔ اسی کے ساتھ ان کے لیے یہ بھی عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ وہ ''ذات واجب واحد'' تمام صفات نقص و زوال سے پاک اور منزہ ہے یعنی وہ جسمیت، تغیر، عرضیۃ، جہت، الوان و اشکال سے پاک ہے۔

قرآن و احادیث میں اس کے عرش پر استواء کرنے، ہنسنے، دونوں ہاتھوں کے ہونے وغیرہ کی جو آیات و آثار آتے ہیں ان پر مجموعی اور مجمل طور سے ایمان رکھنا بھی ضروری ہے اور ان کی تفسیر و تفصیل کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دے۔ ہم البتہ یہ ضرور جانتے ہیں کہ اس ذات والا صفات کو ہم انسان کی مانند تحیز (مکان) وغیرہ سے متصف نہیں کر سکتے کیوں کہ اس جیسی کوئی شے نہیں اور وہ سمیع و بصیر ہے: لیس کمثله شئ وهو السميع البصير (سورہ شوریٰ/۱۱)۔ ایسی صفات اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں بالکل اسی طرح جس طرح اس نے بذات خود ان کو اپنی کتاب محکم میں ثابت کیا ہے ...''[۴۰]۔ توحید الٰہی کے علاوہ دوسرے عقائد جیسے نبوت، آخرت، جنت و جہنم، حشر و حساب، قیامت و رویت الٰہی، عذاب قبر اور حشر/ معاد جسمانی پر ایمان اور ان کی تصحیح بھی لازمی قرار دی ہے۔ یہ ایمان مفصل کا بیان اور آیات کریمہ کی تشریح ہے[۴۱]۔

شاہ صاحب صفاتِ الٰہی پر ایمان رکھنے کی جو کیفیت بتاتے ہیں وہ خالص شریعت کے مطابق ہے:

Marfat.com

''مرید اللہ کے لیے ان صفاتِ کمال کو اسی طرح مانے جس طرح خود اللہ نے انھیں اپنی کتاب میں ثابت کیا ہے اور جس طرح صحیح احادیث و روایات سے یہ صفات الٰہی رسول اللہ ﷺ سے، جو صحیح خبر دینے والے ہیں، اور آپ کی آل، آپ کے صحابہ اور آپ کے تابعین سے ثابت ہیں ...'' ۴۲۔ قرآن مجید میں صفات واجب الوجود کے بیان کا حوالے دے کر آخر میں آیت کریمہ: لیس کمثلہ شئ وھو السمیع البصیر کا دیتے ہیں پھر سورہ فاتحہ میں مذکور آیت کریمہ: ایاک نعبد وایاک نستعین کے باب میں فرماتے ہیں کہ اس میں ''اسی شرک فی العبادۃ اور شرک فی الاستعانۃ سے براءت کا اظہار کیا گیا ہے ...'' ۴۳۔

نور الٰہی

سورہ نور کی آیت کریمہ: اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ الخ۔ تمام صوفیہ کرام کی مانند شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکر و فلسفہ کا موضوع رہی ہے اور اس پر متعدد جگہ انھوں نے کلام کیا ہے۔ ہمعات کی مذکورہ بالا بحث اسماء الٰہیہ کے باب میں اس آیت کریمہ سے بھی متعلق ہے۔ ''... حق سبحانہ کا یہ نور اس شخص کی روح کے لیے قیوم بن جاتا ہے اور یہی نور سبب بنتا ہے اس شخص کی دعاؤں کے قبول ہونے کا، اور ذریعہ ہوتا ہے مکروہات اور بری چیزوں سے اس کے بچنے کا، اور یہ امر بارہا مشاہدہ میں آچکا ہے ... نور الٰہی کی قیومت کی اس حقیقت کو سب سے بہتر تو خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ سورہ نور میں ارشاد فرمایا... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو یوں پڑھا ہے: مثل نورہ فی قلب المومن کمشکوۃ فیھا مصباح، یعنی اللہ کا نور جب مومن کے قلب میں جاگزیں ہو جاتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک

Marfat.com

طاق ہو اور اس میں چراغ رکھا ہوا ہو ...'' یہاں یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے آیت کریمہ کے الفاظ میں نعوذ باللہ تحریف کی تھی بلکہ اس کی تفسیر وتشریح مراد ہے جس کو بعض اوقات مفسرین وعلماء ''قراءت'' سے بھی تعبیر کردیتے ہیں جب کہ خالصتاً وہ تفسیر قرآنی ہوتی ہے۔ صحابہ کرام سے ایسی مختصر و برمحل تفسیرات کا ایک عظیم ذخیرہ ''قراءات'' کے نام سے ہی ملتا ہے۔ شاہ صاحب نے آیت نور کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول اور ہمعات کی مانند مختصر تشریح تفہیمات میں بھی کی ہے۴۴۔

نورِ الٰہی سے متعلق آیت کریمہ کی صوفی تفسیر وتشریح کا ایک عمدہ نمونہ سطعہ نمبر ۴۶ میں ملتا ہے جو ان کی کتاب سطعات کا آخری سطعہ بھی ہے اور پورا پورا اسی کی تشریح وتعبیر کے لیے وقف ہے۔ ''اگر غور وفکر کرنے والوں کی کج فہمی مانع نہ ہو تو یہ آیت طلسمِ الٰہی کو بیان کرنے میں واضح ہے۔ وہی ذات مجردہ ومقدسہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، لیکن طلسمِ الٰہی کے واسطے سے اور اس قرینے سے جو مثل مذکور میں بیان ہوا۔ جس طرح ہمارا نفس ناطقہ اس قوت کے واسطے سے دیکھتا ہے جو آنکھ کے پردہ جلیدیہ اور مجمع النور میں مضمر ہے، اور اس قوت کے واسطے سے سنتا ہے جو کان کے سوراخ کے ایک پٹھے میں پھیلی ہوئی ہے ...آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ کے نور کی کیفیت کا بیان طاق مذکور الخ کے بیان کی مانند ہے۔ اس آیت میں تقدیم وتاخیر کا عمل ہوا ہے اور وہ فصحائے عرب کے طرز گفتگو کے مقتضیات کے مطابق ہے جیسے کہ آیت :ان تضل احداھما فتذکر احداھما الاخری (بقرہ ۲۸۲، تا اگر فراموش کند یک زن یاد دہاند یکے دیگر را) کی تفسیر میں تم نے دیکھا ہوگا۔ اور تقدیم وتاخیر کا سبب یہ ہے کہ کلام کی روانی نورالٰہی کے آسمانوں اور زمین میں پھیلنے کے بیان کے لیے وہ مثل بیان کرتی ہے جو .. (طاق) میں چراغ سے پھیلتا ہے۔ باقی سارا کلام اسی بحث کا اتمام کرتا ہے۔''

آیت کریمہ کے معانی بیان کرنے کے بعد شاہ صاحب نے طلسم الٰہی کو

Marfat.com

کھولا ہے:

"...جس طرح چراغ کی آگ بتی میں تیل کے ذریعہ قائم ہے اور تیل اس (آگ کی) سواری ہے اسی طرح صورت الٰہیہ (تجلی اعظم) ہے جو عالم کے وسطانی جُز کے ساتھ قائم ہے۔ یہ عالم مثال درخت زیتون کے قائم مقام ہے جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی۔ یعنی نہ مجرد ہے کہ مبدا کا فیض اولاً قبول کرے اور نہ جسمانیات سے ہے کہ مبدا کا فیض آخر میں قبول کرے، بلکہ اس کے اور اس کے درمیان وسط ہے، اور یہ جز مجرد محض کے ساتھ پوری مناسبت رکھتا ہے اور اس مناسبت کی وجہ سے اس کے مطیہ اور آئینہ کا کام دیتا ہے۔ شخص اکبر کے اجزا میں سے کوئی دوسرا جز سوائے اس جز کے (مجرد محض) کا آئینہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ پس گویا یہ مجرد محض ہے اور نور خالص۔ اور جب تجلی الٰہی اس پر مستولی ہوگئی تو نور علیٰ نور ہوگیا... وہ روشن بتی شیشے کے اندر بے حد درخشاں ہے۔ اسی طرح وہ تجلی الٰہی حظیرۃ القدس میں سے ہے۔ وہ اس تجلی کی ہم رنگ ہے ایک اعتبار سے، وہ اس کا غیر ہے، اور ایک اعتبار سے وہ اس کا عین ہے...اسی طرح حظیرۃ القدس سے کرنیں چلیں اور ملاء اعلیٰ اور ملاء سافل کے تمام ملائکہ کے واسطے سے ساری کائنات میں تدبیر کر کے سب کو اپنے زیر فرمان بنالیا...تمام کی ظلمت کو دور کر کے انھیں خیر حقیقی کے رنگ میں رنگ دیا اور اسی وجہ سے شخص اکبر کو خیر محض کے ساتھ ساتھ مشابہت ہوگئی" ۴۵۔

حضرت شاہ صاحب نے آیت نور کی تفسیر صوفیانہ اپنے دوسرے کارنامے التفہیمات الالٰہیہ کی تفہیم ۶۷، ص ۲۳۴-۲۳۷ میں بھی کی ہے۔ وہ سطعات کی تفسیر کے بعض نکات کے علاوہ نئے نکات بھی رکھتی ہے۔ آیت کریمہ نقل کرنے کے بعد

Marfat.com

لکھتے ہیں کہ ''یہاں ایک علمِ شریف پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ فیضان بکھیرنے والا یہ نور ایک عجیب حقیقت رکھتا ہے۔ وہ اس حقیقت کی جہت سے رنگوں (الوان) کی طرح ہے، اور انوار صور مجردہ اور نفوس نطقیہ سے سنتے ہیں۔ صورتِ جوہری یا حیوانی یا نباتی جب نفس کلیہ میں اپنے کو ڈھال لیتی ہے اور تدبیر الٰہی کے تقاضے کے مطابق جب اس کا ظہور ہوتا ہے تو وہ اجسام کو بہت سی اشکال و الوان اور تخالیط عطا کرتی ہے کیونکہ صورت ہائے مجردہ میں ان تمام امور کی موجودگی مصلحت کلیہ کا تقاضا ہے لہٰذا یہ ظاہری امور ''صور'' (صورتیں) کہے جاتے ہیں۔ لہٰذا کہا جاتا ہے کہ یہ کرم ہے اور یہ کھجور (نخلہ) ہے اور ان کا نام اشکال و اوراق کی بنا پر رکھا جاتا ہے جب کہ حقیقت میں کرم و نخلہ دو مجرد صورتیں ہیں...''۔ شاہ صاحب فلاسفہ کے ''بحث'' اور تجلی اعظم وغیرہ کی بحث کرنے کے بعد یہ فرماتے ہیں کہ تمام رقائق کے داخل میں ایک ایسی رقیقہ ہوتی ہے جو تجلی اعظم کے محاذی ہوتی ہے اور اسی وجہ سے نورِ الٰہی فیضان کرتا ہے اور اور اس نور کا مادہ تجلی اعظم کا شعور (التیقظ بالتجلی الاعظم) ہے اور یہی رقیقہ ''الجر البحت'' ہے اور اور اس طاری ہونے والے نور الٰہی سے صرف مخصوص اور بہت کم بندگانِ الٰہی متصف و پرنور ہوتے ہیں۔'' شاہ صاحب عارفین محققین کی اکثریت کی سیر الی اللہ سے اس فلسفیانہ تشریح کو ماخوذ بتاتے ہیں۔ وہ ان کی جماعتوں کی روحانی ترقی کا گراف بنانے کے بعد فرماتے ہیں کہ ان کے علوم کے تمام اختلاف کے باوجود ان کا کمال دو نقطوں پر سمٹ آتا ہے: کثرت میں وحدت کا ظہور اور باطنِ وجود کے احکام کا ظاہر وجود میں ظہور... فجمیع الاسرار التی ینطق بها الکمل علیٰ اختلاف علومهم ینطق بها هؤلاء فی ضمن نقطتین: ظهور الوحدة فی الکثرة وظهور احکام باطن الوجود فی ظاهر الوجود...'' یہ بہت مفصل اور دقیق بحث ہے[۴۶]

تفہیمات ہی میں اللہ تعالیٰ کی ذات والا صفات پر فلسفیانہ اور صوفیانہ بحث کرتے ہوئے شیخ ابوسعید ابوالخیر اور شیخ اکبر ابن عربی کے تجدید طریقہ اور علوم و

Marfat.com

معارف کی تشکیل کا مختصر حوالہ دیتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں کہ ''نفس میں ایک ترتیب ہے اور اس میں اول تعیین ذات الٰہی کی صورت ہوئی جو تمام مبادی کا مبدا ہے اور یہ وہ صورت ہے وہ سفید و قاہر نور ہے جو اپنے سوا سب پر غالب و حاکم ہے (وتلک الصورة التی هی النور الا سفیدی القاهر علی جمیع من سواه) اور اسی کی طرف رسولِ اکرم ﷺ کی اس حدیث میں اشارہ ہے: ''(تخلیق کائنات سے قبل) وہ (اللہ تعالیٰ) عماء میں تھا جس کے اوپر ہوا تھی اور جس کے نیچے ہوا تھی اور اسی کی طرف اللہ تعالیٰ کے قول: الله نور السمٰوٰت والارض مثل نوره... میں بھی اشارہ ہے۔ شاہ صاحب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قراءت مذکورہ بالا کا پھر حوالہ دیا ہے اور آخر میں فرمایا ہے کہ اس نور سے مراد ''الحجر البحت'' ہے (والمراد بذلک النور الحجر البحت) اور یہ صورت الٰہیہ قدیم دائم غیر حادث ہے وجود اس کا غیر منقطع ہے اور وہ فرد واحد ہے جس پر ایمان واجب ہے[۴۷]۔

نورِ الٰہی یا اللہ کے آسمانوں اور زمین کے نور ہونے کا خیال و نظریہ و عقیدہ شاہ ولی اللہ دہلوی کے صوفی ذوق و ذہن پر اس قدر غالب و مستولی ہے کہ وہ بار بار ان کے مختلف مباحث میں عود کرتا ہے اور نئے نئے نکات سامنے لاتا ہے۔ یہ بھی ایک الگ بحث بلکہ تحقیقی مطالعہ کا موضوع ہے جس سے سرِ دست پورا انصاف نہیں کیا جا سکتا کہ مقام دوسرا ہے۔ البتہ فتح الرحمٰن کے ترجمہ میں اس کا نمونہ و اظہارِ بیان یہاں پیش کرنا مناسب و ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس پر ان کے صوفیانہ مذاق کا گہرا اثر پایا جاتا ہے بلکہ گذشتہ مباحث متصوفانہ کا خلاصہ اور لب لباب ان کے ترجمہ اور حواشی دونوں میں دکھائی دیتا ہے۔ آیت کریمہ اوپر پوری نقل ہو چکی، اب اس کا ترجمہ شاہ پیش ہے:

''خدا نور آسمانہاست و زمین، داستانِ نورِ وے در قلبِ مسلمانان انیست مانند طاقے کہ دراں چراغ است (یعنی فتیلہ روشن

Marfat.com

ست)، آن چراغ در شیشہ است (یعنی در قندیل است) آں شیشہ گویا ستارۂ درخشندہ است، افروختہ می شود او روغنِ درختے بابرکت، کہ عبارت از درخت زیتونی ست بسمتِ شرق روئید نہ بجانبِ مغرب روئید، نزدیک است کہ زیتِ وے روشنی بدہد اگرچہ نرسیدہ باشدش آتشے، روشنی بر روشنی ست، راہ می نماید خدا بہ نورِ خداہر کرا خواہد، وبیان می فرماید خدا داستانہا برائے مردمان وخدا بہر چیز داناست (حاصل این مثل تشبیہ نوری است کہ بسبب مواظبت بر طہارت وعبادت در دلِ مسلمان حاصل می شود بنورِ چراغ کہ در غایتِ درخشندگی باشد وبجہت اشعار بآں مواظبت می فرماید")۔

اس ترجمہ وحاشیہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت وقراءت کا واضح اثر نظر آتا ہے بالخصوص "درقلبِ مسلمانان" کی اضافی تعبیر سے کہ وہ متن قرآن مجید میں موجود نہیں ہے۔ تیسرے حاشیہ میں "دلِ مسلمانان" نے پوری طرح سے اس تفسیر کو محدود ومخصوص کر رکھا ہے۔ اور شاہ صاحب کے فلسفیانہ شعور اور صوفیانہ مذاق کا واضح اثر دیکھا جاسکتا ہے۔

سورہ نور کی آیتِ کریمہ کی تشریح وتفسیر میں قدیم وجدید مفسرین کے ہاں حضرتِ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر کی جھلک دکھائی دیتی ہے، قدماء کے ہاں دوسری "قراءتوں" اور تعبیروں کا بھی عمل دخل ملتا ہے لیکن جدید مفسرین بالخصوص اردو مترجمین شاہ صاحب سے بہت زیادہ متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ ایک مختصر تجزیہ اس جگہ مناسب وضروری معلوم ہوتا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں جو اقوال وآثار نقل کیے ہیں وہ مختصراً یہ ہیں: (۱) آسمانوں اور زمین والوں کا ہادی ہے (ابن عباس رضی اللہ عنہ)، (۲) نجوم اور شمس وقمر میں تدبیر کرنے والا ہے (مجاہد و ابن عباس رضی اللہ عنہ)،

Marfat.com

(۳) اللہ کا نور اس کی ہدایت ہے (انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور اسی کو طبری نے اختیار کیا ہے)، (۴) اس سے مراد مومن ہے اللہ نے اس کے سینے میں ایمان و قرآن کو رکھ کر یہ مثال دی ہے (ابی بن کعب رضی اللہ عنہ)، لہٰذا اس نے اپنے نور سے ذکر شروع کیا اور پھر ایمان والوں کے نور کی مثال دی، لہٰذا حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اس کی قراءت کیا کرتے تھے مثل نور من آمن بہ۔ یہی حضرات سعید بن جبیر و قیس بن سعد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ اس کی قراءت کرتے تھے: "مثل نور من آمن بالله"۔ دوسری قراءات ہیں: اللہ نور السمٰوٰت والارض (بعض صحابہ)، اللہ نوّر السموت والارض (ضحاک)... "مثل نورہ" میں جو ضمیر ہے اس کے مرجع کے بارے میں دو قول ہیں: (۱) وہ اللہ کی طرف لوٹتی ہے یعنی مثل هداه فی قلب المومن (ابن عباسؓ) (۲) دوسرے وہ مومن کی طرف راجع ہوتی ہے جس پر سیاق کلام دلالت کرتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہوگا: مثل نور المومن الذی فی قلبه کمشکوۃ[۴۸]۔

شاہ ولی اللہ کے فرزند مفسر و مترجم شاہ عبدالقادر دہلوی نے تین تعبیرات کی ہیں: (۱) "یعنی اللہ سے رونق اور بستی ہے زمین اور آسمان کی، اس کی مدد نہ ہو تو سب ویران ہو جاویں (۲) اور اللہ کی روشنی کی کہاوت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا یہ مومن کے دل میں روشنی ہے... (۳) یا پیغمبر کو فرمایا کہ دل کا نور ملتا ہے ان سے ... یعنی مومن کے دل میں بے ریاضت ان کی صحبت سے روشنی پیدا ہوتی ہے ..."[۴۹]۔ لیکن اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ متن قرآن کے اردو ترجمہ میں فرزند نے اپنے والد ماجد کے اضافی ترجمہ قلب مومن/مسلمانان کی نہیں قبول کی ہے۔: "اللہ روشنی ہے آسمانوں کی اور زمین کی، کہاوت اس روشنی کی، جیسے ایک طاق، اس میں ایک چراغ، چراغ دھرا ایک شیشہ میں، شیشہ ایک مارا ہے جھمکتا..." الخ۔

مولانا اشرف علی تھانوی عالم دین ہونے کے ساتھ صوفی کامل بھی تھے۔

Marfat.com

وہ دونوں کی تفسیروں کے جامع ہیں۔ پہلی تفسیر ان کی تشریح میں ہے: اللہ تعالیٰ نور (ہدایت) دینے والا ہے آسمانوں (میں رہنے والوں) کا اور اور زمین (میں رہنے والوں) کا ... اور مراد آسمان و زمین سے کل عالم ہے ... پس اسی طرح مومن کے قلب میں اللہ تعالیٰ جب نور ہدایت ڈالتا ہے تو روز بروز اس کا انشراح قبول حق کے لیے بڑھتا چلا جاتا ہے اور ہر وقت احکام پر عمل کرنے کے لیے تیار رہتا ہے ...۵۰۔ عربی حواشی میں تفسیر کبیر، روح المعانی، خازن اور مدارک وغیرہ سے مختلف فوائد نقل کرتے ہیں جب کہ مسائل السلوک کے تحت اللہ نور السمٰوٰت والارض کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "امام غزالی نے نور کی تفسیر "ظاھر بنفسه ومظهر لغيره" کرکے اس کا مصداق وجود کو ٹھہرایا ہے تو نور السمٰوات والارض کے معنی وجود السموات والارض ہوئے اور حاصل مسئلہ وحدۃ الوجود کا یہی ہے۔ قولہ تعالیٰ: مثل نور کمشکوٰۃ الخ مشکوٰۃ اشارہ ہے مومن مخلص کے جوف کی طرف اور زجاجہ قلب کی طرف اور مصباح نور قلب کی طرف اور شجرہ زیتونہ وحی وقرآن کی طرف جس سے قلب منور ہے ...۵۱۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن اور ان کے شارح مولانا شبیر احمد عثمانی حضرت عبدالقادر دہلوی کے واسطہ سے شاہ ولی اللہ کے خوشہ چیں ہیں۔ مفسر و شارح نے اور مترجم موصوف نے شاہ ولی اللہ کی بجائے شاہ عبدالقادر کی پیروی کی ہے۔ ترجمہ کے علاوہ حواشی میں موضح القرآن کا حوالہ ہے کہ "... سب مخلوق کو نور وجود اس سے ملا ہے ... ہدایت و معرفت کا جو چمکارا کسی کو پہنچتا ہے اس بارگاہ رفیع سے پہنچتا ہے، تمام علویات و سفلیات اس کی آیات تکوینیہ و تنزیلیہ سے منور ہیں..." نور الٰہی سے متعلق بعض احادیث سیرۃ ابن اسحاق اور فتح الباری ۵۲ سے نقل کرنے کے بعد واضح کیا ہے کہ اللہ کی صفت نور بھی ہے، ممکنات کے نور پر قیاس نہ کیا جائے۔ تفصیل کے لیے امام غزالی کا رسالہ مشکوٰۃ الانوار دیکھیے ..."۔ یوں تو اللہ تعالیٰ کے نور سے تمام موجودات کی نمود ہے لیکن مومنین مہتدین کو نور الٰہی سے ہدایت و

Marfat.com

عرفان کا جو خصوصی حصہ ملتا ہے اس کی مثال ایسی سمجھو گویا مومن قانت کا جسم ایک طاق کی طرح ہے... خلاصہ یہ ہوا کہ مومن کا شیشۂ دل نہایت صاف ہوتا ہے اور خدا کی توفیق سے اس میں قبول حق کی ایسی زبردست توفیق پائی جاتی ہے کہ بدون دیا سلائی دکھائے ہی جل اٹھنے کو تیار ہوتا ہے...

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں: ''آسمانوں اور زمین کا لفظ قرآن مجید میں بالعموم ''کائنات'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے لہٰذا دوسرے الفاظ میں آیت کا ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ ساری کائنات کا نور ہے...'' اس سے قبل ترجمہ آیت کریمہ میں انھوں نے اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے (کائنات میں) اس کے نور کی مثال ایسی ہے...'' کیا ہے۔ پھر نور سے مراد بتاتے ہیں کہ ''نور سے مراد وہ چیز ہے جس کی بدولت اشیا کا ظہور ہوتا ہے یعنی جو آپ سے آپ ظاہر ہو اور دوسری چیزوں کو ظاہر کرے''۔ اس تشریح پر امام غزالی کا اثر بہت واضح ہے۔ پھر نور ممکنات سے اس کے مختلف ہونے کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ ''اس تمثیل میں چراغ سے اللہ تعالیٰ کی ذات کو اور طاق سے کائنات کو تشبیہ دی گئی ہے اور فانوس سے مراد وہ پردہ ہے جس میں حضرت حق نے اپنے آپ کو نگاہ خلق سے چھپا رکھا ہے۔ گویا یہ پردہ فی الحقیقت خِفا کا نہیں، شدت ظہور کا پردہ ہے[۵۴]۔

مولانا امین احسن اصلاحی کے ترجمہ پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور شاہ ولی اللہ کے ترجمے کا نمایاں اثر ملتا ہے۔ ''اللہ ہی آسمانوں اور زمین کی روشنی ہے۔ دل کے اندر اس کے نور ایمان کی تمثیل یوں ہے کہ ایک طاق ہو جس میں ایک چراغ ہو الخ''۔ ان کی تشریح پر مودودی تعبیرات عالم ظلمات اور اندھیر نگری کا بھی واضح اثر موجود ہے۔ وہ خدا کے منکر کو اندھیروں کا باسی اور خدا کے مومن کو عالم نور کا باشندہ بتاتے ہیں۔ اور نور آسمان و زمین کو ہدایت الٰہی سے تعبیر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ''جس دل کے اندر ایمان کی روشنی داخل ہوتی ہے وہ اس کی فطرت کے نور کے اوپر ایک اور نور کا اضافہ کر دیتی ہے جس سے اس کا باطن مطلع انوار بن

Marfat.com

جاتا ہے۔فرمایا کہ اس نورایمان کی مثال قلب کے اندر یوں ہے کہ ایک طاق ہو... مشکوٰۃ سے مراد انسان کا دل ہے جس کو چراغ رکھنے، طاق یا چراغ جان سے تشبیہ دی گئی ہے۵۵

شاہ ولی اللہؒ کے ترجمہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر و تاویل کا واضح اثر ہے۔ جب کہ ان کے دونوں فرزندانِ گرامی -شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر- کے اردو ترجموں میں اس سے تاثر پذیری نہیں ہے۔شاہ صاحب کے ترجمہ میں اس بنا پر آیت کریمہ کے معنی محدود ہوکر رہ گئے ہیں اور ''مثل نورہ'' میں ''ہ'' کی ضمیر کا مرجع قلبِ مومن کو قرار دینا بھی کلام کے سیاق وسباق سے بہت زیادہ میل نہیں کھاتا۔نورِ الٰہی یقیناً قلبِ مومناں میں موجود ہے اور غالباً ایمان کی صورت میں وہ نورِ الٰہی کا ایک خوبصورت ترین مظہر بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔لیکن اس سے کہیں زیادہ وہ قلبِ صحابہ کرام، قلبِ انبیائے عظام اور سب سے بڑھ کر قلبِ خاتم المرسلین ﷺ میں پنہاں و پیوستہ ایمان کی صورت میں عظیم وجلیل ترین مظہر بن جاتا ہے۔

پھر نورِ الٰہی کو صرف ایک مخلوق کے دل کی پہنائی تک کیوں محدود ومحصور کیا جائے۔اس کا اظہار و اقبال، ہمہ گیری اور ہمہ جہتی تو سارے عالم بلکہ تمام عالمہائے کائنات کو محیط ہے۔اسی سے سب کو وجود بھی ملا ہے، رنگ وصوت بھی اور بوقلمونی ورنگارنگی بھی۔تمام مخلوقات کا وجود، حسن، عمل، مقصد، محور، سمت، مرکز اور منتہا وہی تو ہے۔آیت کریمہ کے اولین الفاظ: اللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ در اصل اسی معنی کی وسعت و ہمہ گیری کا تقاضا کرتے ہیں۔اسی بنا پر جن مفسرین کرام، اور مترجمین عالی مقام نے ان معانی میں آیت کریمہ کی تشریح وتعبیر کی ہے وہ زیادہ صحیح، دل لگتی، موزوں اور جاذب لگتی ہے۔آیت کریمہ کا ایک اگلا فقرہ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ اور اس سے اگلا جملہ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ بھی اس معنی کی تائید کرتے ہیں۔

Marfat.com

حواشی و مراجع

۱۔ ابن کثیر، فضائل القرآن، قاہرہ، ۱۹۵۲ء، جلد چہارم، تفسیر ص ۵۱-۴۸

۲۔ ہمعات (اردو)، ص ۶۲

۳۔ انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، ص ۴۹-۴۸

۴۔ حوالہ مذکور، ص ۴۹

۵۔ حوالہ مذکور، ص ۲۳-۲۲

۶۔ حوالہ مذکور، ص ۲۲-۲۶

۷۔ حوالہ مذکور، ص ۲۶-۲۷

۸۔ القول الجمیل فی بیان سواء السبیل (اردو)، ص ۷۰-۷۱

۹۔ حوالہ مذکور، ص ۷۲

۱۰۔ انتباہ (اردو)، ص ۵

۱۱۔ القول الجمیل، ص ۴۱

۱۲۔ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن، ص ۱۳۸

۱۳۔ حوالہ مذکور، ص ۶۱۵

۱۴۔ شفاء العلیل (اردو ترجمہ)، ص ۲۷-۱۲۸

۱۵۔ حوالہ مذکور، ص ۱۲۹-۱۳۰

۱۶۔ حوالہ مذکور، ص ۱۳۰

۱۷۔ حوالہ مذکور، ص ۱۳۰

۱۸۔ حوالہ مذکور، ص ۱۳۱

۱۹۔ حوالہ مذکور، ص ۱۳۳-۱۳۴

۲۰۔ حوالہ مذکور، ص ۱۳۴

۲۱۔ حوالہ مذکور، ص ۱۳۵-۱۳۶

Marfat.com

۲۲ حوالہ مذکور، ص ۱۴۱-۱۶۰

۲۳ القول الجمیل، ص ۴۶-۴۷

۲۴ ہمعات، ص ۶۲

۲۵ شفاء العلیل، ص ۱۱۳-۱۱۷

۲۶ حوالہ مذکور، ص ۵۹-۶۰

۲۷ حوالہ مذکور، ص ۶۱-۶۲

۲۸ حوالہ مذکور، ص ۶۳-۶۴

۲۹ حوالہ مذکور، ص ۶۴-۶۵

۳۰ حوالہ مذکور، ص ۶۵-۷۰ ومابعد

۳۱ ہمعات، ص ۱۴۰

۳۲ ہمعات (اردو)، ص ۹۶-۹۷

۳۳ حوالہ مذکور، ص ۹۶-۱۰۰

۳۴ حجۃ اللہ البالغۃ ۱/ ۱۶-۱۷ ومابعد

۳۵ شفاء العلیل، ص ۵۱

۳۶ حوالہ مذکور، ص ۵۵

۳۷ حوالہ مذکور، ص ۵۵-۵۸ ومابعد

۳۸ حوالہ مذکور، ص ۸۱-۸۲

۳۹ التفہیمات الالٰہیہ، ۱/ ۲۵۷

۴۰ شفاء العلیل، ۳۶-۳۸

۴۱ حوالہ مذکور، ص ۳۸-۳۹

۴۲ القول الجمیل، ص ۵۴-۵۵

۴۳ حوالہ مذکور، ص ۵۶

۴۴ ہمعات (اردو)، ص ۹۶؛ تفہیمات الٰہیہ، تفہیم ۶۹، ۱/ ۲۷۴

Marfat.com

۴۵ سطعات، ص۱۸۹-۱۹۱

۴۶ تفہیمات الٰہیہ، ۱/۲۳۴-۲۳۷

۴۷ حوالہ مذکور، ۱/۲۷۴

۴۸ ابن کثیر، تفسیر القرآن، عیسی البابی، مصر، غیر مؤرخہ، ۳/۲۸۹-۲۹۰ ومابعد،

۴۹ شاہ عبدالقادر دہلوی، موضح القرآن، ص۲۱

۵۰ مولانا اشرف علی تھانوی، بیان القرآن، ۲/۲۱-۲۳

۵۱ حوالہ مذکور، ۲/۲۱

۵۲ فتح الباری، ۶/۴۲۰

۵۳ موضح فرقان، دارالتصنیف، کراچی، ص۴۶۰-۴۶۱

۵۴ سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی، ۳/۴۰۵-۴۰۷، حواشی نمبر ۶۰ تا ۶۲

۵۵ مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۸۶ء، ۵/۴۰۶-۴۰۹ ومابعد

Marfat.com

شاہ ولی اللہ کا نظریۂ ارتفاقات
اور
قرآنی منہاجیات

ڈاکٹر عبید اللہ فہد ☆

ارتفاق کے چار مراحل

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۷۰۳-۱۷۶۳ء) نے اپنے عمرانی افکار ونظریات کو نظریہ ارتفاقات میں پوری طرح سمیٹ دیا ہے یہ نظریہ انسانی زندگی اور اس کی سماجی وعمرانی تشکیل کے چار ارتقائی مراحل کی تعبیر وتشریح سے عبارت ہے معاشرہ کی ارتقائی تشکیل پر اس سے پہلے دوسرے حکمائے اسلام بھی گفتگو کر چکے ہیں ابونصر الفارابی، (م۹۵۰ء) جنھیں معلم ثانی کا خطاب ملا، اپنی تصنیف آراء أهل المدينة الفاضلة میں مثالی ریاست اور مثالی معاشرہ کے تدریجی ارتقا پر مفصل بحث کرتے ہیں اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ فطرت انسانی کے تقاضوں کی تکمیل اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ بڑی بڑی انسانی جماعتیں اور گروہ یکجا ہوکر ایک دوسرے سے تعاون نہ کریں اور انسانی ضروریات کی تکمیل میں ایک دوسرے کی مدد نہ کریں۔ وہ انسانی معاشرہ کی دو بڑی قسمیں قرار دیتے ہیں: کامل اور غیر کامل، غیر کامل سے مراد وہ معاشرہ ہے جو کسی خاندان، محلّہ،

☆ ایسوشی ایٹ پروفیسر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

Marfat.com

گاؤں کے افراد پر مشتمل ہوتا ہے جب کہ کامل معاشرہ کی مزید تین قسمیں ہیں عظیم متوسط اور محدود، ایک سے زیادہ اقوام پر مشتمل عظیم معاشرہ کہلاتا ہے جب کہ ایک قوم پر مبنی معاشرہ کو متوسط معاشرہ کہا جاتا ہے، محدود یا صغریٰ معاشرہ ایک شہر کے باسیوں پر مشتمل ہوتا ہے[۱]۔

ارتفاق، کا مادہ رفق ہے جس کے معنی نرمی اور کسی چیز سے مدد لینے کے ہیں، اس سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مراد وہ نفع بخش تدابیر ہیں جو انسانی زندگی کے لوازمات میں سے ہیں[۲] مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (م ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۹ء) کے بقول ارتفاق سے شاہ صاحب کی مراد افراد کا ایک دوسرے سے جائز انتفاع و تعاون، اشتراک عمل اور معتدل و متوازن زندگی کے قیام کے لیے تدبیرات نافعہ ہیں[۳] چنانچہ خود شاہ صاحب فرماتے ہیں:

من عناية الله سبحانه بالانسان ان خلق الانسان مدني الطبع لايتم ارتفاقه الا بصحبة بني نوعه واجتماعهم وتعاونهم[۴]

(یہ اللہ کی خصوصی عنایت ہے کہ اس نے انسان کو طبعاً مدنیت پسند پیدا کیا جس کا تعامل اور انتفاع اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ وہ بنی نوع کی رفاقت اختیار کرے اور ان کے ساتھ گھل مل کر رہے اور ان سے تعاون کرے)

شاہ صاحب نے انسانی معاشرہ کے اس تدریجی ارتقا کو چار مرحلوں میں تقسیم کیا ہے ارتفاق اول سے ان کی مراد معاشرہ کی تشکیل کا پہلا درجہ ہے جس میں انسان نے زبان تخلیق کی، زراعت و فلاحت کو ذریعہ معاش بنایا، رہائش کے لیے مکان اور ستر پوشی کے لیے لباس ایجاد کیے، خوراک، مکان، لباس، برتنوں کا استعمال اور بقائے نسل کا اہتمام بنیادی انسانی ضروریات میں شامل ہیں[۵]، اس مرحلہ میں انتہائی سادہ اور بدوی تہذیب کارفرما ہوتی ہے اور اس میں مختلف مقامات

Marfat.com

اور معاشروں میں نسبتہ زیادہ یکسانیت پائی جاتی ہے کیونکہ یہ ارتفاق اقوام و قبائل کے لیے زیادہ قابل قبول ہوتا ہے۶۔

ارتفاق دوم میں معاشرہ کے تجربات، اخلاق فاضلہ، حسن معاشرت اور رفاہ عامہ کے اصولوں کو پیش نظر رکھ کر ارتفاق اول کو ترقی دی جاتی ہے تدبیر منزل اور مختلف پیشوں کا قیام عمل میں آتا ہے، اس مرحلہ میں ان آداب اور قواعد وضوابط سے سابقہ پڑتا ہے جو اکل وشرب، نشست و برخاست، سفر وحضر، خلوت وجلوت، لباس و رہائش، صفائی و آرائش، تکلم و مباحثہ، دواؤں کے استعمال، منتر اور جھاڑ پھونک، پیش گوئی کی کامیاب یا ناکام کوشش، خوشی وغمی کی تقریبات اور مواقع وغیرہ سے متعلق ہیں ۷۔ یہ دوسرا مرحلہ ہر شعبۂ زندگی کے صحت مند تجربات اور ترقی یافتہ انتفاع واشتراک پر منحصر ہوتا ہے جس میں ضرر سے دور اور نفع سے قریب کیفیات و حالات کا انتخاب کیا جاتا ہے نفع ونقصان کا یہ فیصلہ فرد کے نہیں بلکہ اجتماعیت کے پیش نظر کیا جاتا ہے۔ اگر کسی اقدام وعمل میں فرد کا مفاد کارفرما ہو مگر معاشرہ کو اس سے ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس کا ترک کرنا لازم ہوگا، اس ارتفاق میں معاشرہ کے رہنما افراد اور کلی و اجتماعی رائے اور لطیف مذاق کے حامل افراد کی رہنمائی اہم ہوجاتی ہے اور ان افراد کا اجتماع عام طور پر قصبات اور شہروں میں ہوتا ہے جہاں نت نئی تدابیر اور طریقے وجود میں آتے ہیں اور ارتفاق و انتفاع کی اعلیٰ و احسن شکلیں دیکھنے کو ملتی ہیں ۸۔ شاہ صاحب کے نزدیک اس دوسرے مرحلہ میں پانچ حکمتیں بڑی اہم ہیں: معاشی حکمت، اکتسابی حکمت، حکمت منزلیہ، حکمت معاملات اور حکمت تعاون باہمی۔ معاشی حکمت میں آداب اکل وشرب، رہائش و آرائش، جنسی تلذذ اور آفات وامراض وغیرہ شامل ہیں ۹۔ اکتسابی حکمت میں صنعت وحرفت کی مختلف اقسام داخل ہیں، منزلی حکمت میں حقوق الزوجین تعلیم وتربیت اولاد اور غلاموں کے مسائل اور صحبت ورفاقت کے اصول شامل ہیں معاملات کی حکمت، لین دین کے قواعد، خرید وفروخت، ہبہ واجارہ، قرض ورہن کے ضوابط سے بحث

Marfat.com

کرتی ہے جب کہ چوتھی حکمت میں کفالت و مضاربت، شرکت، وکالت اور اجارہ طلبی کے معاملات موضوع بحث بنتے ہیں ۱۰۔

ارتفاق سوم انسانی معاشرہ کی ترقی پذیر وہ شکل ہے جس میں ایک ریاست قائم ہوجاتی ہے۔ صنعت وحرفت کے ادارے منظم و مستحکم ہوجاتے ہیں، امداد باہمی اور تعاون عروج پر ہوتا ہے، کسب معاش کے طریقوں کی بہترین تنظیم ہوتی ہے اور تعاون و تکامل کی کارفرمائی کی بنا پر پورا معاشرہ گویا عضو واحد بن جاتا ہے، اسی طرح کے معاشرہ کو ہم ریاست کہتے ہیں، ریاست دراصل شہر، فصیل اور قلعہ کا نام نہیں ہے بلکہ یہ تو باہمی رابطہ اور اشتراک عمل کی وجہ سے وجود میں آتی ہے حتی کہ اگر چھوٹی چھوٹی بستیاں ہوں مگر ان میں قربت و یگانگت اور تعاون و تکامل کی روح کارفرما ہو تو ہم اسے بھی ریاست کہیں گے، اسی ربط باہم کی وجہ سے ریاست شی واحد میں بدل جاتی ہے اور اس بستی کا ہر گھرانہ اور ہر گروہ ایک جسم کے عضو کی مانند ہوجاتا ہے ۱۱۔

اس مرحلہ میں ارتفاق و انتفاع بہتر انداز میں اور مطلوب شکل میں اسی وقت ممکن ہوگا جب کہ سارے افراد ایک عادلانہ قانون کے پابند ہوں اور اس کی خلاف ورزی کی تاب نہ رکھتے ہوں، پابندی قانون اور اطاعت امر کے لیے ناگزیر ہوگا کہ ایک فرد ایسا ہو جس کی فرماں برداری پر جمہور ارباب حل وعقد آمادہ ہوں اور جس کے پاس اتنی قوت وشوکت اور اعوان و انصار کی تعداد فراہم ہو کہ وہ افراد ریاست سے قانون کی پیروی کرا سکے، باغیوں اور مجرموں کی سرکوبی کر سکے، اور بزور امن و قانون کو نافذ کر سکے ۱۲ شاہ صاحب اس امر کی صراحت بھی کرتے ہیں کہ اس ارتفاق سوم کا اصل مقصد ریاست کی صحت مند وحدت کی حفاظت اور اس کے منافع کی بدرجہ احسن تکمیل ہے جو امام کے بغیر درحقیقت ممکن نہیں۔ اور امام سے مراد ان کے نزدیک کوئی انفرادی انسان نہیں بلکہ وہ نظام ہے جو اس طرح کی ریاست میں بتدریج ابھر کر سامنے آتا ہے ۱۳۔ فاضل مصنف نے ان مقاصد کے

Marfat.com

حصول کے لیے ریاست میں پانچ صیغوں کی تنظیم ناگزیر قرار دی ہے:

۱- صیغۂ عدلیہ جو ریاست میں پیدا ہونے والے تنازعات واختلافات کو قانون کی روشنی میں طے کرے۔

۲- صیغۂ شہر یاریت جو مدنیت و ریاست کو ضرر پہنچانے والے عناصر کا احتساب کرے اور امن وقانون کو ہمیشہ برقرار رکھے۔

۳- صیغہ جہاد جو باغی اور مفسد قوتوں کا خاتمہ کرے۔

۴- صیغۂ تولیت جس کے ذمہ تجارتی منڈیوں اور بازاروں کا قیام، قلعوں اور سرحدی چوکیوں کی تعمیر، زراعت و فلاحت کا اہتمام اور مظلوم و کمزور طبقات کا تحفظ ہوگا۔

۵- صیغۂ وعظ وارشاد جو ترغیب وترہیب کے ذریعہ تبلیغ دین کا فریضہ انجام دے گا ۱۴۔

ارتفاق چہارم انسانی معاشرہ کے ارتقا کا وہ نقطہ کمال ہے جہاں ارتفاق سوم کے مرحلہ میں قائم ہونے والی مختلف وحدتوں اور سیاسی وعمرانی اکائیوں کے مابین اتحاد قائم کرنے کے لیے حاکم اعلیٰ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، جب مختلف ریاستیں ارتفاق وانتفاع کے لیے مصروف کار ہوں گی تو ان کے درمیان مفادات کا تناؤ اور فکر وعمل کی کشاکش ہوگی جو باہم جدال وقتال تک بھی پہونچ سکتی ہے اس صورت میں انھیں وحدت وسلیت کی لڑی میں پروئے رکھنے کے لیے اور تمدنی وعمرانی لوازم کی تکمیل کے تحفظ کے لیے ایک مقتدر اعلیٰ کا وجود ناگزیر ہوگا جو خلافت عظمیٰ کو اس کے تمام تقاضوں سمیت قائم کر سکے، اسی ادارہ کو ہم مذہب کی اصطلاح میں خلیفہ کہتے ہیں ۱۵۔ بلکہ ایک دوسرے مقام پر شاہ صاحب اسے خلیفۃ الخلفاء کا نام دیتے ہیں جو اتنا صاحب سطوت، باجبروت، پرشکوہ اور صاحب اقتدار ہو کہ بزور شمشیر اسے اقتدار سے محروم کرنا کسی دوسرے فرد بشر یا گروہ کے لیے ناممکن ہو ۱۶۔

Marfat.com

ارتفاق کے بنیادی اصول

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نظریہ ارتفاقات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے خمیر میں دو بنیادی اصول کارفرما ہیں: ایک اصول ہے فطرت انسانی سے اس کی ہم آہنگی، اور دوسرا اصول ہے اس کا الہامی ہونا۔ وہ صراحت کرتے ہیں کہ انسانی معاشرہ کے مرحلہ وار ارتقا کا یہ عمل فطری ہے یعنی تمام اقوام و قبائل اور مذاہب و ادیان کے حاملین میں یہی فطری ارتقا رونما ہوگا، ترقی کی رفتار میں کمی بیشی ہوسکتی ہے مگر ترتیب یہی ہوگی کیونکہ اس کے علاوہ کوئی اور ترتیب ممکن ہی نہیں ہے ہاں اس کا امکان ہے کہ اصولی باتوں میں اتفاق ہونے کے بعد تفصیلات میں اختلاف ہو، جزوی اور ثانوی مسائل میں ایک دوسرے سے فرق ہو، مثال کے طور پر ارتفاق اول کے مرحلہ میں مبادی و کلیات پر اتفاق عام ہونے کے باوجود یہ عین ممکن ہے کہ علوم طبیعیہ سے لگاؤ رکھنے والا طب کے محاسن پر توجہ دے، نجومی ستاروں کے خواص پر گیان دھیان کرے اور روحانیت کی طرف مائل فرد احسان کے مقامات پر مرتکز ہوجائے کیونکہ ہر قوم کے اپنے کچھ آداب و رسوم اور روایات ہوتی ہیں جو ان کی شناخت بن جاتی ہیں اور اس سے مزاجوں میں کچھ تنوع پیدا ہوجاتا ہے مگر اصولی اور بنیادی باتوں میں وہ سب یکساں طور پر متفق ہوتی ہیں ۱۷۔

ارتفاق کے اس ارتقائی عمل کو شاہ صاحب الہامی قرار دیتے ہیں یعنی ان تمام مراحل میں انتفاع کا یہ جذبہ اور خواہش جبلی و فطری اور خدا کی ودیعت کردہ ہے اسی لیے وہ کہتے ہیں کہ کسی دور دراز صحرا یا جنگل میں اگر کوئی آدمی پیدا ہو اور وہاں اس نے دوسرے انسانوں کو ساتھ زندگی بسر کرتے ہوئے نہیں دیکھا تب بھی وہ انہی اصول و مراحل ارتفاقات کے تحت زندگی گزارنے کا خواہش مند ہوگا اور تمدن زندگی کے جملہ لوازم رفتہ رفتہ اس کی راہ متعین کرتے چلے جائیں گے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ارتفاق کا یہ عمل موروثی نہیں بلکہ الہامی ہے ۱۸۔ یہی وہ نظریہ تھا

Marfat.com

جس کی فلسفیانہ ترجمانی مشہور فلسفی ابن طفیل نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ''حیّ بن یقظان'' میں کی تھی اور جس نے عالمی ادبیات میں اعتبار اور مقبولیت حاصل کی۔

ارتفاق کی فطری وانسانی ترجمانی

شاہ صاحب کا یہ نظریہ ارتفاقات مذہب اور وحی الٰہی کے کسی حوالہ کے بغیر تشکیل پاتا اور ارتقا کے تمام مراحل طے کرتا ہے، اس کی تعبیر وتشریح میں فاضل مصنف قرآن کا حوالہ دیتے ہیں نہ احادیث نبویہ کا۔ اس نظریہ کی بنیاد وہ مذہب پر رکھتے ہی نہیں بلکہ فطرت اور انسانیت کو اصل عامل اور محرک مان کر اس کی ایسی ترجمانی کرتے ہیں جو تمام مذاہب کے علم برداروں کے لیے قابل قبول ہو، البتہ اس ترجمانی وتشریح میں خدائی کارفرما قوت کو محرک اولین قرار دے کر لامذہبیت اور خدا بیزاری سے بھرپور اجتناب کرتے ہیں مثال کے طور پر تاویل الاحادیث میں ایک مقام پر کہتے ہیں:

ومن ها ان رزقه الله فطنة يعرف بها الارتفاقات من آداب المعيشة وتدبير المنزل والمعاملات وسياسة المدينة وسياسة الامة فعرف المصالح التي يجرى القوم فيها[۱۹]۔

(اللہ نے ہر انسان کو ذہانت سے نوازا ہے جس سے وہ ان تمام ارتفاقات سے واقف ہوجاتا ہے جن کا تعلق آداب معیشت، تدبیر منزل، تنظیم معاملات، ریاست کے سیاسی مسائل اور امت کی سیاسی پالیسیوں سے ہے، چنانچہ وہ ان مصالح و مفادات سے آشنا ہوجاتا ہے جن کا رشتہ قوم سے ہوتا ہے۔)

یہ شاہ صاحب کا بہت بڑا کارنامہ ہے کہ وہ مذہب ہی میں نہیں پورے نظام انسانی میں الہام کی کارفرمائی کی ترجمانی کرتے ہیں مگر اس کی ایسی دل نشین

Marfat.com

عقلی تشریح کرتے ہیں کہ عمرانیات کا مابعد الطبیعیات سے تعلق قائم رکھتے ہوئے اور انسان اور خالق کے درمیان دائمی رشتہ برقرار رکھتے ہوئے اس پر مذہب کی بجائے فطرت و جبلت کی گہری چھاپ ڈالنے میں پوری طرح کامیاب ہیں۔

اس گفتگو سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہوگا کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا یہ نظریہ ارتفاقات قرآن کریم کی تعلیمات سے میل نہیں کھاتا یا انھوں نے اسلام سے ہٹ کر دوسرے افکار و تصورات کی ترجمانی کی ہے، ان کی دوسری تحریریں اس حقیقت کا برملا اعلان و اعتراف کرتی ہیں کہ دین اسلام انسانی فطرت کے عین مطابق ہے اور وہ تمام عقلی تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ وہ اس نظریہ کے ذریعہ غیر محسوس طریقے سے یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ دین اسلام ہی عمرانی تقاضوں کے مطابق ہے ان کے دور میں ہر چیز کو عقل کی میزان میں پرکھنے کا جو خطرناک فتنہ پنپ رہا تھا اس پر تنقید کرتے ہوئے خود کہتے ہیں:

ان المبتدعین شککوا فی کثیر من المسائل الاسلامیة بانها مخالفة للعقل و کل ماهو مخالف له یجب رده او تاویله [۲۰]۔

(اہل بدعت نے بہت سے اسلامی مسائل میں تشکیک پیدا کردی ہے کہ وہ عقل کے خلاف ہیں اور ہر خلاف عقل بات کی تردید یا اس کی تاویل ضروری ہے)

شاہ صاحب اس تشکیک اور فتنہ پروری کے استیصال کے لیے ضروری سمجھتے ہیں کہ احکام شریعت کے مصالح کو کھول کھول کر بیان کیا جائے اور اس کے اصول و قواعد اسی طرح وضع کیے جائیں جس طرح حکمائے اسلام نے یہود و نصاریٰ اور دہریوں وغیرہ کے مناظروں اور مذہبی جھگڑوں کو نمٹانے کے لیے کیا تھا [۲۱]

Marfat.com

معجزات نبوی سے استدلال

وہ دین اسلام کو فطرت کی عین پکار اور انسان کی عمرانی ضروریات اور سماجی وتہذیبی تقاضوں کی تکمیل کا واحد ذریعہ ثابت کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ کے دو بڑے معجزات پر تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں، یہ دونوں معجزے عقلی ہیں اور قیامت تک باقی رہیں گے، ایک قرآن کریم اور دوسرا شریعت مطہرہ۔ وہ قرآن کریم کے اس معجزانہ پہلو پر زور دیتے ہیں کہ اس کی تعلیمات حیرت انگیز اور تاقیامت بدلتے ہوئے حالات میں مینارہ نور ہیں:

وازاں جملہ وجہے ست کہ جز متدبرین در اسرار شرائع را فہم آں میسر نیست وآں آنست کہ ایں علوم خمسہ نفس اینہا دلیل بودن قرآن نازل من اللہ بجہت ہدایت بنی آدم است ۲۲۔

(معجزہ کا ایک پہلو اور ہے اور اسے اسرار شریعت پر غور وفکر کرنے والوں کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا کہ قرآن کریم کے علوم پنج گانہ خود اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ کتاب منزل من اللہ ہے اور بنی آدم کی ہدایت کے لیے وحی ہوئی ہے)

آگے فرماتے ہیں:

ہم چنیں چوں عالم اسرار شرائع می داند کہ در تہذیب نفوس کدام چیز با فراد انسان مے تواں القا نمود، بعد ازاں در فنون خمسہ تامل می کند بے شک درمی یابد کہ ایں فنون در معانی خود بوجہے واقع اند کہ ازاں بہتر صورت نہ بندد ۲۳۔

(اسی طرح اسرار شریعت کا ماہر چونکہ اچھی طرح سمجھتا ہے کہ تہذیب نفس اور اصلاح کے لیے تعلیم وتفہیم ضروری ہے اس لیے جب وہ قرآن کے فنون خمسہ پر تدبر کرتا ہے تو اسے اس حقیقت کو ماننے میں کوئی تامل باقی نہیں رہتا کہ یہ علوم و فنون خمسہ جس انداز میں پیش کیے گئے ہیں اس سے بہتر صورت ممکن نہ تھی)

اسی لیے علامہ شبلی نعمانی (م ۱۸ر نومبر ۱۹۱۴ء) اس قرآنی خدمت کو خراج

Marfat.com

پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''قرآن مجید کے متعلق سب سے بڑا نکتہ جو تمام قدماء سے رہ گیا تھا اور جس کو شاہ صاحب نے ظاہر کیا وہ یہ تھا کہ تمام لوگ قرآن مجید کو صرف فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے معجزہ سمجھتے آئے تھے، یہ کسی کو خیال نہ آیا کہ قرآن مجید کا سب سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ اخلاق، تزکیہ نفس، توحید، رسالت اور معاد کے جو حقائق قرآن میں مذکورہ ہیں طاقت بشری کی دسترس سے باہر ہیں۔'' ۲۴۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا بڑا معجزہ شریعت مطہرہ ہے جس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ فطری تقاضوں کی بدرجہ اتم تکمیل کرتی اور انسانوں کے تمام طبقوں کے مفادات کی رعایت وحفاظت کرتی ہے، اس حقیقت کا اثبات شاہ صاحب نے عقلی انداز میں کیا ہے اور یہی ان کا نمایاں کمال ہے، وہ محسوس کرتے ہیں کہ امت کے ارباب علم وتفقہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ شریعت کا اعجاز واضح کریں، اس کی حکمتوں اور مصالح کی تشریح کریں اور یہ بتائیں کہ اقوام عالم کی فلاح وسعادت اور ان کے مفادات ومصالح اسی شریعت کی مخلصانہ پیروی میں مضمر ہیں۔

فلما انقضیٰ عصرهم وجب أن يكون في الامة من يوضح وجوه هذا النوع من الاعجاز والاثار الدالة على ان شريعته صلی اللہ علیہ وسلم اكمل الشرائع وان اتيان مثله بمثلها معجزة عظيمة كثيرة مشهورة الحاجة الىٰ ذكرها ۲۵۔

(جب اسلام کا دور گزر گیا تو امت میں اب ایسے افراد ضرور اٹھیں جو معجزہ کی اس نوعیت کے پہلوؤں کو واضح کریں اور ان آثار کو مبرہن کریں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سب سے مکمل شریعت ہے اور اس شریعت کا نزول بہت بڑا اور بہت مشہور معجزہ ہے۔)

فاضل مصنف یہ ثابت کرتے ہیں کہ انبیائے کرام کی آمد کا ایک مقصد

Marfat.com

ارتفاقات کی اصلاح وتہذیب ہے اور اس طرح بعثت انبیاء اور عمرانی ارتقا میں ایک مضبوط تعلق اور گہرا نظم پیدا ہو جاتا ہے:

وان مراد الانبیاء علیهم السلام اصلاح ما عندهم من الارتفاقات فلا یعدل عنها الی ما یباین المالوف الا ماشاء الله وان مظان المصالح تختلف باختلاف الاعصار والعادات ولذالک صحّ وقوع النسخ ۲۶۔

(انبیاء کرام کی بعثت کا ایک مقصد اپنی قوم میں رائج ارتفاقات کی صورتوں کی اصلاح کرنا ہے وہ عام طور پر معروف و مانوس سے متصادم طریقے اختیار نہیں کرتے الا یہ کہ ناگزیر ہو، اور یہ کہ مصالح و مفادات کی سوچ میں زمانہ اور عادات و رسوم کے بدلنے سے فرق ہو جاتا ہے اسی لیے نسخ احکام کا فلسفہ درست معلوم ہوتا ہے۔)

شریعت محمدی کے مقاصد

اپنی تصنیف البدور البازغۃ میں شاہ صاحب نے شریعت محمدی کے جو چار مقاصد بیان کیے ہیں ان سے بھی بعثت نبوی اور نظام ارتفاقات میں گہری ہم رشتگی ظاہر ہوتی ہے وہ کہتے ہیں کہ بنی نوع انسان میں رائج نظام ارتفاقات سے سب سے زیادہ مطابقت اور ہم آہنگی شریعت محمدی رکھتی ہے کیونکہ اس شریعت کا مقصد اول ارتفاق ثانی کی اصلاح کرنا ہے کیونکہ اقوام عالم میں اور خاص طور سے اقوام عرب میں یہی ارتفاق رائج تھا اور اس میں بہت سی خرابیاں داخل ہوگئی تھیں جن کی درستگی آپ کے پیش نظر تھی، اللہ کے رسول نے اس ارتفاق کو درست کیا اور اس کی کجی دور کی، اس عمل میں آپ نے انسانی خصوصیات اور تجربی علوم کو بنیاد بنایا اور خدا کی تعظیم کا رنگ اس پر غالب رکھا۔

Marfat.com

شریعت محمدی کا مقصد دوم معاشرتی رسوم کی اصلاح ہے تا کہ توجہ وانابت الٰہی سے انھیں ہم آہنگ بنادیا جائے اور ربانی طریقہ سے کوئی تصادم نہ رہے عوام کے لیے وہ نفع آور ہوں اوران میں وسعت اور کشادگی ہو، لوگ ان سے تنگی اور ضرر محسوس نہ کریں۔

مقصد ثالث ارتفاق سوم کا قیام واستحکام ہے تا کہ ہر مظلوم کی اشک شوئی ہو، فتنہ وفساد سے بندگان خدا کو محفوظ رکھا جائے، لوگوں کے تنازعات عدل کے ساتھ حل ہوں اور ظالموں اور مفسدوں کی سرکوبی ہوجائے ۲۷۔

شریعت محمدی کا چوتھا مقصد ارتفاق رابع کے تحت دین اسلام کا غلبہ اور دوسرے ادیان و مذاہب پر اس کا استیلاء ہے یہ غلبہ اس حد تک مکمل ہو کہ روئے زمین پر کوئی اس کی مزاحمت کرنے والا موجود نہ رہے ۲۸۔

دین اسلام کے غلبہ کا ایک راستہ شاہ صاحب کے نزدیک جہاد وقتال ہے وہ لکھتے ہیں:

وآں وضع ظہور دین ایشاں است بر ادیان ہمہ آں در ضمن کبت حامیان ادیان و داعیان آنہا بقتل وسب ونہب واخذ خراج و جزیہ وازالہ دولت وشوکت ایشان و پایمال و بے مقدار ساخت ایشاں وایں وضع خاص در اصل بعثت آنحضرت ﷺ ملفوف شد ۲۹۔

(اس دین کو غالب کرنے کی صورت یہ تھی کہ دوسرے مذاہب کے حامیوں اور مبلغوں کو قتل وخون، قید و بند، تاخت وتاراج، وصولی جزیہ وخراج کے ذریعہ سرنگوں کر دیا جائے۔ ان کی شان وشوکت مٹادی جائے اور ان کا اقتدار پامال اور بے نشان کر دیا جائے، رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے ساتھ یہ خاص شکل ہم رشتہ تھی)

غلبہ دین کا دوسرا راستہ دلیل و برہان کا ہے تا کہ عقل و دماغ کو مطمئن کیا جائے اور لوگوں کو اسلام کی صداقت وحقانیت پر شرح صدر ہوسکے، شاہ صاحب

Marfat.com

اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

وجب ان یثبت بامور برهانية او خطابية نافعة فی اذهان الجمهور أن تلک الادیان لاینبغی ان تتبع لانها غیر ماثورة عن المعصوم او انها غیر منطبقة علی قوانین الملة او ان فیها تحریفا ووضعا للشئ فی غیر موضعه ویصحح ذالک علی روس الاشهاد ویبین مرجحات الدین القویم من انه سهل سمح وان حدوده واضحة یعرف العقل حسنها وان لیلها نهارها وان سننها انفع للجمهور ۳۰۔

(واجب ہے کہ صحیح عقائد کو دلیل و برہان کے ذریعہ یا نفع بخش خطابی اسلوب میں ثابت کیا جائے۔ عوام کے ذہنوں میں یہ حقیقت راسخ کی جائے کہ دوسرے مذاہب قابل اتباع نہیں ہیں کیونکہ وہ کسی معصوم شخصیت سے منقول نہیں ہیں یا قوانین ملت پر ان کا انطباق نہیں ہوتا اور یہ کہ ان میں تحریف ہوگئی ہے اور شی کو نامناسب محل میں رکھ دیا گیا ہے۔ ان تمام باتوں کی تصحیح علانیہ ہو اور دین کی ترجیحات واضح کی جائیں کہ یہ آسان ہے اس میں بڑی وسعت ہے، اس کی حدود واضح ہیں جن کے حسن کو عقل دن کی روشنی میں دیکھ اور پرکھ سکتی ہے اور اس کے قوانین عوام کے لیے بڑے مفید ہیں۔)

ارتفاق اور تقرب الٰہی

شاہ ولی اللہ دہلوی نظام ارتفاقات کی طرح تقرب الٰہی کے جذبہ کو بھی فطری اور الہامی مانتے ہیں چنانچہ البدور البازغہ میں فرماتے ہیں کہ ''ارتفاقات کا

Marfat.com

نظام اور بطور خاص ارتفاقات دوم وسوم پر نظام انسانی کی بنیاد استوار ہے اور یہ محض عنایت خداوندی کے طفیل میں نوع انسانی کو عطا ہوا ہے اسی طرح تقرب الٰہی کے جذبات بھی انسانی طبیعتوں میں ودیعت کردہ ہیں خاص طور سے عبادت گزاری، احسان اور برائیوں سے بچنے کا داعیہ ہر فرد بشر میں فطری طور سے موجود ہے''۳۱۔

ارتفاق اور تقرب کے حسین امتزاج سے صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے شاہ صاحب تقرب سے بے نیاز ہوکر ارتفاق کے پرورش پانے والے عمل کو حیوانیت قرار دیتے ہیں اور ارتفاق سے کٹ کر تقرب کی زندگی بسر کرنے کو رہبانیت سے موسوم کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ پوری انسانیت ارتفاق وتقرب کے اصولی مسائل میں متفق ہے اگر اختلاف ہے تو ان کے حصول کے طریقوں میں ہے اسی سے وہ نظام تشکیل پاتا ہے جسے فاضل مصنف ''ملت'' کا نام دیتے ہیں جب معاشرہ کسی ملت میں ڈھل جاتا ہے تو ارتفاق وتقرب کا بیک وقت حصول آسان ہوجاتا ہے۔ تشکیل امت کا یہ جذبہ بھی انسانوں کے اندر ودیعت کردہ ہے:

والداعية المودعة في اصل طبائعهم فهي انقيادهم لاصول الارتفاقات والاقترابات من قبل فطرتهم ۳۲۔

(ان کی طبیعتوں اور مزاجوں میں پوری طرح یہ بات راسخ کردی گئی ہے کہ وہ اپنی فطرت کے دباؤ میں ارتفاق اور تقرب کے بنیادی اصولوں کی پیروی کریں۔)

ارتفاق اور تقرب کے بہترین تعامل کے لیے ضروری ہے کہ افراد کی کردار سازی ہو، ان کی اصلاح اور تزکیہ ہو اور معاشرہ کے ہر فرد کی اخلاقی نشو ونما ہو تاکہ ایک صالح عمران وجود میں آئے کردار سازی کے عمل میں شاہ صاحب چار بنیادی اخلاقی صفات کو اساس مانتے ہیں، طہارت، اخبات، سماحت اور عدالت۔ ان صفات اربعہ کو تہذیب نفس اور اصلاح کے عمل میں کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ تمام انبیاء انہی کی تعلیم وتربیت کے لیے بھیجے گئے اور تمام شریعتوں میں ان ہی پر

Marfat.com

زور رہا ۳۳۔

طہارت سے بدن کی صفائی کے ساتھ فکر کی طہارت بھی مراد ہے شاہ صاحب اسے غسل و وضو کے اندر محصور نہیں مانتے بلکہ ان کی روح اور ان کے نور پر بھی زور دیتے ہیں اور اس سے مراد وہ سرور و انبساط اور فرحت و بشاشت ہے جو وضو و غسل کے بعد پیدا ہوتی ہے ۳۴۔

اخبات سے مراد عاجزی و فروتنی، خشوع و خضوع، انکسار و افتادگی کی وہ کیفیت ہے جو خدا کی بارگاہ میں سر تسلیم خم کرنے سے پیدا ہوتی ہے، انسان جب خدا کے جمال و جلال کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس پر حیرت و دہشت طاری ہوتی ہے اور پھر تذلل اور نیاز مندی کی کیفیت اسے گھیر لیتی ہے ۳۵۔

سماحت سے مراد ضبط نفس کا وہ مرحلہ ہے جس میں انسان قوت بہیمیہ کے جذبات و محرکات کے سامنے سپر اندازی سے بچ رہتا ہے اور اس کے نقصانات اور فتنوں سے محفوظ رہتا ہے ۳۶۔ سماحت کے لغوی معنی کشادہ دلی اور فیاضی و دریا دلی کے ہیں اور یہ صفت اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب کہ نفس کے حیوانی تقاضوں پر آدمی کو قابو حاصل ہو اور وہ ملکوتی صفات کی طرف پیش قدمی کرتا رہے۔

عدالت سے مراد وہ نفسی قوت اور ملکہ ہے جس سے ایسی سرگرمیاں اور اقدامات جنم لیتے ہیں جن سے نظام تمدن کو استحکام نصیب ہوتا ہے ۳۷۔

ان صفات اربعہ کے اثرات انفرادی بھی ہیں اور اجتماعی بھی، طہارت کے نتیجے میں فکری تطہیر ہوتی ہے اور اس سے ملنے والی فرحت و لذت، سرور انبساط سے معاشرہ بھی مستفید ہوتا ہے، اخبات سے جو انفرادی عاجزی و فروتنی نمودار ہوتی ہے اس کے بطن سے معاشرہ میں اخوت و مساوات اور احترام انسانیت کو فروغ ملتا ہے۔ سماحت کے نتیجے میں معاشرہ خود غرضی و انا پرستی، حرص و بخل، انتقام و کینہ پروری سے محفوظ رہتا ہے اور صبر و تحمل، عفو و کشادہ دلی، رواداری و تکریم انسانیت، ایثار و قناعت کے اوصاف کا معاشرہ میں چلن ہوتا ہے اور صفت عدالت کا مظاہرہ تو

Marfat.com

معاشرہ ہی میں ہوتا ہے۔

شاہ صاحب افراد کو ان اخلاق عالیہ سے سرفراز کرتے ہیں جن سے صالح عمران اور نفع آور تمدن وجود میں آئے، تو دوسری طرف وہ ایسی اجتماعی معاشیات کو فروغ دیتے ہیں جس سے انفرادی سیرت سازی کو تقویت ملے، اگر معاشرہ اجتماعی اخلاقیات کو تشکیل نہیں دیتا تو انفرادی اخلاق کو بھی فروغ حاصل نہیں ہوسکتا، اگر نظام ارتفاقات کی تشکیل اس انداز میں ہو کہ عوام الناس کو ہر وقت فکر معاش دامن گیر ہو اور دن رات کے چوبیس گھنٹے نان شبینہ کے حصول میں ہی صرف ہو جائیں، انھیں اولاد کی تعلیم و تربیت کے وسائل میسر نہ ہوں، رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کے لیے ان کا ذہن سوچ نہ سکے اور احباب و رفقاء کی دل داری کے لیے انھیں موقع ملے تو عبادت اور تزکیۂ نفس کے لیے انہیں یکسوئی کیسے مل سکتی ہے؟

شاہ ولی اللہ دہلوی نے اسی لیے زندگی گزارنے کے تین طریقے بیان کیے ہیں اور اس طریقہ زندگی کو مطلوب قرار دیا ہے جو پیش نظر مقصود کے حصول میں ممد و معاون ہو:

۱- رفاہیت بالغہ، یعنی بے انتہا آسائش اور ہر قسم کے عیش و طرب سے مالا مال زندگی۔

۲- رفاہیت متوسطہ یعنی معتدل طرز زندگی، جس میں امیر اور غریب کے درمیان زیادہ خلیج نہ ہو۔

۳- رفاہیت ناقصہ، گھٹیا طرز زندگی۔

فاضل مصنف نے پہلی اور تیسری قسم کو نامطلوب قرار دیا ہے، پہلا طرز حیات مسرفانہ اور عیاشی کو دعوت دینے والا ہے جب کہ تیسرا طرز زندگی انتہائی ناقص، گھٹیا اور چوپایوں کی زندگی کی مانند ہے، اس میں انسان اتنا درماندہ اور مفلوک الحال ہو جاتا ہے کہ جانوروں سے قریب ہو جاتا ہے[۳۸]۔ قرآن ان دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال کی راہ اختیار کرنے پر زور دیتا ہے اور انبیائے کرام

Marfat.com

معتدل طرز حیات ہی کو پسند کرتے ہیں:

''انبیائے کرام نے معتدل ارتفاق ہی کو اختیار کرنے کا حکم دیا کہ عجمی بادشاہوں کی طرح انسان عیش کوشی ہی میں نہ ڈوبا رہے اور نہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے والے قبائل کی وحشیانہ زندگی گزارنے کی سطح پر اتر آئے''۳۹۔

منہاجیات قرآن کا انطباق

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے نظریہ ارتفاقات کی عمارت جن بنیادوں پر استوار کی ہے وہ قرآن ہی سے ماخوذ و مستنبط ہیں، درمیان بحث قرآن کریم کے حوالے نہیں ہیں کیونکہ وہ اسے عالمی اور انسانی نظریہ بنا کر اقوام عالم کے لیے قابل قبول بنانا چاہتے ہیں مگر قدم قدم پر قرآن کریم کی روح بولتی محسوس ہوتی ہے ہر فکر، اصول، طریقہ اور منہاجیات میں قرآنیات کی جلوہ گری نظر آتی ہے۔

بین المذاہب مکالمہ کے لیے مشترک امور و مسائل سے آغاز کرنا قرآن کریم ہی کی تعلیم ہے، اہل کتاب کے تعلق سے ہمیں یہی حکم دیا گیا ہے:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئاً (آل عمران:۶۴)	کہہ دو اے اہل کتاب اس چیز کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں۔

دعوت دین کا یہ حکیمانہ طریقہ قرآن کا عطا کردہ ہے کہ اگر مخاطب سے گفتگو کے لیے کوئی مشترک بنیاد مل سکتی ہو تو اسی پر بحث اور مکالمہ کو آگے بڑھایا جائے اور خواہ مخواہ اپنی انفرادیت پر اصرار نہ کیا جائے، اہل کتاب آسمانی کتابوں کے حامل ہونے کی وجہ سے توحید کی تعلیم سے اچھی طرح واقف تھے اور اس کی علم برداری کا دعویٰ بھی کرتے تھے انھوں نے شرک کی راہ اپنے نبیوں اور صحیفوں کی

Marfat.com

تعلیمات میں تحریف کرکے اختیار کی تھی اسی لیے قرآن نے اسی نقطہ سے گفتگو شروع کی اور پھر دھیرے دھیرے اس کے تقاضے اور لوازم واضح کیے۔

اس دعوتی منہاج کا استعمال شاہ صاحب کے نظریہ ارتفاقات میں پوری طرح نمایاں ہے۔

فاضل مصنف کا یہ استدلال کہ ارتفاق کا نظام فطری اور جبلی ہے، قرآن کریم سے ماخوذ ہے۔ عمرانی وتہذیبی ارتقا کو فطرت کی پکار سے تعبیر کرنا قرآن کی درج ذیل آیت کی عملی تفسیر ہے:

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفاً فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَاتَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَايَعْلَمُوْنَ (روم:۳۰)

پس تم اپنا رخ یکسو ہوکر دین حنیفی کی طرف کرو، اس دین فطرت کی پیروی کرو جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا۔ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت کو تبدیل کرنا جائز نہیں ہے یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

یہاں قرآن نے دین اسلام کو دین فطرت کے طور پر پیش کیا ہے اور اس کی صراحت کی ہے کہ یہ دین کوئی خارج سے تھوپی ہوئی چیز نہیں ہے بلکہ یہ عین تمہاری فطرت کا ظہور اور تمہارے اپنے باطن کی دولت ہے جو تمہارے دامن میں ڈال دی گئی ہے اس قرآنی بیان سے یہ حقیقت الم نشرح ہوتی ہے کہ یہ نظریہ محض ذہن وفکر کا مغالطہ ہے کہ انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے ایک کورا کاغذ ہے اور وہ خالصۃً اپنے ماحول کی پیداوار ہے۔ انسان کو اللہ نے بہترین ساخت اور بہترین فطرت پر پیدا کیا ہے اس کے اندر خیر وشر اور نفع وضرر کے درمیان تمیز کی صلاحیت ودیعت کی ہے انبیائے کرام اس لیے تشریف لائے کہ سلیم الطبع لوگوں کو ہدایت کی راہ دکھائیں اور مبادی فطرت کے تمام لوازم اور اس کے سارے تقاضوں کی تفہیم کریں پھر قرآن نے دین اسلام کو ایک سیدھے دین کے طور پر پیش کیا جس کو

Marfat.com

انسان کی عقل اور اس کی فطرت کے ساتھ براہ راست تعلق ہے تقرب الٰہی کے حصول کا یہ سیدھا اور سادہ راستہ ہے اس میں کہیں کوئی ٹیڑھ اور کجی نہیں ہے ۴۰۔

فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا (آل عمران: ۹۵)

ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو جو حنیف تھا۔

وہ رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث بھی پیش کرتے ہیں:

بعثت بالملة السمحة الحنيفية البيضاء ۴۱۔

(مجھے ایک ایسی ملت کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے جو کشادہ ظرف ہے یکسو ہے اور روشن ہے)

اس حدیث کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ السمحۃ سے مراد یہ ہے کہ اس مذہب میں مشقت انگیز عبادت و اطاعت نہیں ہے جیسا کہ راہبوں نے ایجاد کرلیا تھا بلکہ اس دین میں ہر عذر کے لیے رخصت موجود ہے یہ دین طاقت ور اور کمزور، مصروف اور فارغ ہر ایک کے مناسب حال ہے الحنیفیۃ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت مراد ہے البیضاء کا مطلب ہے کہ اس کے احکام، علتیں اور مقاصد سب واضح ہیں غور و فکر کرنے والا ان کا ادراک کرسکتا ہے بشرطیکہ وہ عقل سلیم کا مالک ہو اور ہٹ دھرم نہ ہو ۴۲۔

شاہ صاحب نے نظام ارتفاق کو فطرت کے مطابق ثابت کرکے تمام اقوام و قبائل اور ادیان و مذاہب کے علمبرداروں کو دعوت فکر و عمل دی اور برصغیر کے مسلمانوں کے لیے اس قرآنی منہاجیات کو نافذ کرنے کا راستہ بھی دکھادیا۔

آج جب کہ عالمی سطح پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت و تشدد اور الزام تراشی کا ماحول ہے، اغیار کی ریشہ دوانیاں اور اپنوں کی جفا کیشیاں عروج پر ہیں اور بعض اسلام پسند افراد اور طبقات کی سادگی، سادہ لوحی اور بے بصیرتی رہزنوں اور ظالموں کے لیے وجہ جواز بھی فراہم کررہی ہے تو کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم ذرا ٹھہر کر اپنی دعوتی جدوجہد کا بے لاگ محاسبہ کریں اور قرآنی منہاجیات کی

Marfat.com

روشنی میں اجتہاد سے کام لے کرنئی راہیں نکالیں خاص طور سے ہندوستان جیسے ملک میں جہاں چندفرقہ پرست عناصر اور ادارے اپنے سیاسی مفاد کے حصول کے لیے ہندوؤں کی بھاری اکثریت کو جو امن پسند اور روادار رہی ہے، مشتعل کر کے مذہب کے گورکھ دھندوں میں پھنسا کر اقلیت کے مقابلہ میں کھڑا کر دیتے ہیں اور نفرت و تصادم کے زہریلے بیج بوکر اپنے مفادات کی کاشت کرتے ہیں، کیا حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا نظریہ ارتفاقات نئے رنگ و روپ میں اور مناسب حال اصطلاحات اور اسلوب میں از سر نو نافذ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام اور ہندومت کی مشترک تعلیمات کو بنیاد بنا کر دو تہذیبوں کے درمیان ایک تاریخی مکالمہ کا آغاز کیا جائے اور اسلام کے بنیادی عقائد پر ثابت قدم رہ کر مشترک اقدار و روایات کے جلو میں ملک کی تعمیر و ترقی کی منصوبہ بندی کی جائے؟ کیا ہمارے علماء اور دانش ور ماضی قریب کی نفسیات سے تعامل کر کے مکالمہ بین المذاہب کی نئی روایت ڈالنا پسند کریں گے؟

اس دعوتی سفر میں قرآن کریم اور سنت رسول کو رہنما بنانا ہوگا، دین فطرت کو عام فہم انداز میں ہندوستانی مزاج ونفسیات کو سامنے رکھ کر پیش کرنا ہوگا۔ کشادہ ظرفی، رواداری اور تحمل کو قومی کردار بنانا ہوگا اور بحیثیت مجموعی حدیث نبوی کے الفاظ میں "الملة السمحة الحنيفية البيضاء" میں اپنے آپ کو ڈھالنا ہوگا، اکیسویں صدی کسی اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے انتظار میں ہے اور ہندوستان کی مٹی ہمیشہ بڑی زرخیز اور مردم خیز رہی ہے اس لیے اس کشت ویراں سے ناامیدی کا کوئی سوال ہی نہیں اٹھتا۔ فہل من مجیب؟

حواشی ومراجع

۱۔ انسان کی اجتماعیت پسندی و مدنیت پر فارابی بہت واضح انداز میں کہتے ہیں: وکل واحد من الانسان مفطور على انه محتاج فی قوامه وفی أن يبلغ

Marfat.com

افضل كمالاته الى اشياء كثيرة لا يمكنه ان يقوم بها كلها هو وحده بل يحتاج الى قوم يقوم له كل واحد منهم بشئ مما يحتاج اليه فلذالک لايمكن ان يكون الانسان ينال الكمال الذى لأجله جعلت له الفطرة الطبيعية الا باجتماعات.

ابونصر محمد بن الفارابی، آراء اهل المدينة الفاضلة، ای جے برل، لائیڈن، ۱۸۹۵ء، ص ۵۳

۲ لسان العرب، مادہ رف ق، جلد ۱۰، ص ۱۱۸

۳ ندوی، سید ابوالحسن علی، تاریخ دعوت وعزیمت، جلد ۵، ص ۲۲۵

۴ دہلوی، شاہ ولی اللہ، البدور البازغہ، تحقیق: صغیر حسن المعصومی، حیدرآباد، اکادیمیۃ الشاہ ولی اللہ الدہلوی، ۱۹۷۰ء، ص ۸۴

۵ نفس مصدر، ص ۶۲

۶ دہلوی، شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، مصر، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، ج ۱، ص ۴۰

۷ نفس مصدر، ۱/۴۰

۸ سندھی، عبیداللہ (مولانا) محمودیہ، لاہور، مکی دارالکتب، ۱۹۹۷ء، ص ۱۱۶

۹ البدور البازغہ، حوالہ بالا، ص ۶۹-۷۰

۱۰ حجۃ اللہ البالغہ، حوالہ بالا، ج ۱، ص ۱۴، ۶۳

۱۱ شاہ صاحب کے الفاظ ہیں: وهذه الجماعات بذالک الربط هی المدينة فی الحقيقة وليست المدينة فی الحقيقة اسماء للسور و السوق والحصن، حتى لو كان قرى متقاربة فيها جماعات يعامل بعضها بعضا سمّيناها مدينة ايضا و المدينة صارت بذالک الربط شيئا واحدا كل جماعة وبيت منه يضاهی عضواً من أعضاء الواحد، البدور البازغة، حوالہ بالا، ص ۹۱

۱۲ حجۃ اللہ البالغہ، حوالہ بالا، ۱/۴۴

Marfat.com

۱۳؎ نفس مصدر، ص۹۱، شاہ صاحب کے الفاظ ہیں: ولها وحدة البتة فلا بد من حفظ هذه الوحدة على صحتها ثم تكميل منافعها، التدبير الذى به توجد الصحة وتكمل هو الامام فى الحقيقة ، وليس الامام عندنا هو الشخص الواحد الانسانى.

۱۴؎ نفس مصدر، ص۹۳

۱۵؎ نفس مصدر، ص۹۳

۱۶؎ البدور البازغه، حوالہ بالا، ص۱۱۳-۱۱۴

۱۷؎ حجة الله البالغه، حوالہ بالا، ۱/۴۱

۱۸؎ البدور البازغه، حوالہ بالا، ص۱۲۵

۱۹؎ دہلوی، شاہ ولی اللہ، تاویل الاحادیث، تحقیق غلام مصطفیٰ القاسمی، حیدرآباد، اکادیمیۃ الشاہ ولی اللہ الدہلوی، ۱۹۶۶ء، ص۷۹

۲۰؎ حجة الله البالغه، ۱/۸

۲۱؎ نفس مصدر، ۱/۹

۲۲؎ دہلوی، شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، المکتبۃ السلفیہ، ۱۹۵۱ء، ص۱

۲۳؎ نفس مصدر

۲۴؎ نعمانی، شبلی، علم الکلام، کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۷۹ء، ص۹۲

۲۵؎ حجة الله البالغه، ۱/۸۰

۲۶؎ نفس مصدر، ۱/۸۹

۲۷؎ البدور البازغه، حوالہ بالا، ص۲۶۵، ۲۶۶

۲۸؎ نفس مصدر

۲۹؎ دہلوی، شاہ ولی اللہ، ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء، لاہور، سہیل اکیڈمی، ۱۹۷۶ء، ۱/۱۷۲

۳۰؎ حجة الله البالغه، ۱/۱۲۳

Marfat.com

۳۱ البدور البازغه، ص۲۴۰

۳۲ نفس مصدر، ص۲۴۴

۳۳ دہلوی، شاہ ولی اللہ، ھمعات، تصحیح، نورالحق علوی، حیدرآباد، شاہ ولی اللہ اکیڈمی، ۱۹۶۴ء، ص۸۹

۳۴ نفس مصدر، ص۹۰

۳۵ نفس مصدر، ص۹۲

۳۶ حجة الله البالغه، ۱/۵۴

۳۷ نفس مصدر

۳۸ البدور البازغه، ص۷۰

۳۹ حجة الله البالغه، ۱/۱۰۴ مصنف کے الفاظ ہیں: الأنبياء عليهم السلام امروا بتعديل الارتفاقات وان لايبلغ بها حال المتعمقين فى الرفاهية كملوك العجم وان لاينزل بها الى حال سكّان شواهق الجبال اللّاحقين بالوحش.

۴۰ تفصیل کے لیے دیکھیے، اصلاحی، امین اُحسن، تدبر قرآن، جلد پنجم، ص۹۱-۹۳

۴۱ حجة الله البالغه، ۱/۱۲۷

۴۲ نفس مصدر، ۱/۱۲۸۔ امام بخاری نے اسی مفہوم کی ایک حدیث بیان کی ہے کہ احب الدين الى الله الحنيفية السمحة صحیح بخاری، کتاب الإیمان، ۱/۲۳۔ ابن حجر عسقلانی اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ دین کی تمام خصلتیں پسندیدہ ہیں لیکن اس کی جو باتیں آسان ہیں وہ اللہ کو زیادہ محبوب ہیں۔ یہاں دین کا لفظ بطور جنس کے استعمال ہوا ہے یعنی تمام ادیان میں سب سے زیادہ پسندیدہ دین۔ ادیان سے مطلب تحریف و نسخ سے پہلے کی ماضی کی شریعتیں ہیں اور حنیفیت سے مراد ملت ابراہیمی ہے، علی متقی برہان پوری۔ کنز العمال، ۱/۱۷۸

Marfat.com

ازالۃ الخفاء کے قرآنی مباحث

مولانا عبید اقبال عاصم ☆

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمہ ہندوستان کے ان متدین علماء میں سے ہیں جنھوں نے ملت اسلامیہ ہند کی زندگی کے ہر مسئلہ میں خلوص وللّٰہیت کے ساتھ عقلی ونقلی دلائل کی روشنی میں فکری راہ نمائی کی ہے یہی وجہ ہے کہ ملت کے تمام طبقے باہم ایک دوسرے کی فکر سے اختلاف رکھنے کے باوجود شاہ ولی اللہ دہلوی کی راہ نمائی پر اعتماد رکھتے ہیں اور انہیں اپنا مقتدا و پیشوا سمجھتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اپنی باقیات میں جو تحریری ذخیرہ چھوڑا ان میں ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" کو اہم مقام حاصل ہے، یہ کتاب فارسی زبان میں خلفاء ثلاثہ (حضرت ابوبکر، عمر فاروق وعثمان غنی رضی اللہ عنہم اجمعین) کے مخالفین کی یاوہ گوئیوں کے جواب میں ان کی خلافت کو حق ثابت کرنے کی غرض سے تحریر کی گئی ہے اس کتاب میں شاہ صاحبؒ نے خلفائے اربعہ کے حالات و خصوصیات کا احاطہ کرتے ہوئے استحقاق خلافت، شرائط خلافت اور قرآن وحدیث سے خلافت اور خلفاء کے ثبوت اور طریقۂ خلافت پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے۔

کتاب کے پہلے حصہ میں آٹھ فصلیں بیان کی گئی ہیں جن میں پہلی فصل خلافت عامہ کے متعلق، دوسری فصل میں خلافت خاصہ کے لوازم اور اوصاف تیسری فصل تفسیر آیات خلافت کے متعلق، چوتھی فصل احادیث اور خلافت، پانچویں فصل فتنوں کے بیان پر مشتمل ہے، چھٹی فصل ان آیات قرآنی کے بیان میں ہے جن

☆ شعبہ نظامت سنی دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

Marfat.com

میں عموم ہے اور جن میں ایسی تعریضات ہیں جو خلافت خاصہ کی صفات اور خلفاء کی خلافت اور ان کے فضائل اور حسنات سابقہ پر دلالت کرتی ہیں اور وہ آیات بھی ہیں جو خلفاء کی (قبل نزول) رائے کے موافق ہوئیں اور وہ آیات بھی ہیں جن کے نزول کا سبب خلفاء ہوئے، ساتویں فصل میں خلفاء کی خلافت پر عقلی دلائل بیان کیے گئے ہیں اور آٹھویں فصل شیخین کی فضیلت کے ساتھ مخصوص ہے۔

اگرچہ ہمارا موضوع اس کتاب کی تیسری اور چھٹی فصل ہے جن میں حضرت محدث دہلویؒ نے قرآن آیات سے خلفاء کی خلافت کو ثابت کر کے اہم ترین کارنامہ انجام دیا ہے تاہم ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایک سرسری نظر اس کی سبب تالیف پر بھی ڈال لی جائے چنانچہ اس ضمن میں شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

''می گوید فقیر حقیر ولی اللہ عفی عنہ کہ دریں زمانہ بدعت تشیع آشکار شد و نفوس عوام بشبہات ایشاں متشرب گشت واکثر اہل این اقلیم در اثبات خلافت خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شکوک بہم رسانیدند لاجرم نور توفیق الٰہی دردل این بندۂ ضعیف علمی را مشروح ومبسوط دایند تا آنکہ بعلم الیقین دانستہ شد کہ اثبات خلافت ایں بزرگواران اصلی ست از اصول دیں تا وقتے کہ ایں اصل را محکم نہ گیرند ہیچ مسئلہ از مسائل شریعت محکم نشود زیرا کہ اکثر احکامے کہ در قرآن عظیم مذکور شدہ مجمل ست بدون تفسیر سلف صالح بحل آں نتواں رسید''

ترجمہ: فقیر حقیر ولی اللہ عفی عنہ کہتا ہے کہ اس زمانہ میں بدعت تشیع آشکار ہوگئی ہے اور عام لوگوں کے دل ان شبہات سے متاثر ہوگئے ہیں اور اس ملک کے اکثر لوگ خلفائے راشدین کی خلافت کے ثبوت میں شک کرنے لگے ہیں لہٰذا توفیق الٰہی کی روشنی میں اس بندہ ضعیف کے دل میں ایک علم پیدا کیا جس سے یقین کے ساتھ معلوم ہوا کہ ان بزرگوں کی خلافت ایک اصل ہے اصول دین سے۔ جب تک لوگ اس اصل کو مضبوط نہ پکڑیں گے، مسائل شریعت سے کوئی مسئلہ مضبوط نہ ہوگا کیونکہ اکثر احکام جو قرآن عظیم میں مذکور ہیں مجمل ہیں بغیر تفسیر سلف

Marfat.com

صالح کے ان احکام کا حل نہیں ہوسکتا''۔[۱]

اس کے بعد احادیث کے تعلق سے تفصیلی گفتگو کی گئی ہے، آخیر دیباچہ میں فرماتے ہیں کہ ''بناء علی ذالک ورقے چند دریں مسئلہ نوشتہ شد و بہ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء مسمیٰ گشت و دو مقصد منقسم کردہ آمد مقصد اول در بیان معنی خلافت عامہ و خاصہ و شرط آں و آنچہ متعلق بآن است و شرط ادلہ برخلافت ایشاں و حل اختلاف اہل درمیان خویش کہ خلافت بنص بود یا باجتہاد مقصد ثانی در مآثر خلفائے اربعہ۔

ترجمہ: اسی وجہ سے یہ چند اوراق اس مسئلہ میں لکھے گئے اور اس تحریر کا نام ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء رکھا گیا اور اس تحریر کو دو مقصد پر منقسم کیا گیا مقصد اول میں خلافت عامہ اور خلافت خاصہ کے معنیٰ اور خلافت کے شرائط اور اس کے متعلقات اور (حقیقت) خلافتِ خلفاء کی دلیلوں کا بیان ہے اور اس اختلاف کا حل ہے کہ خلافت نص کی وجہ سے تھی یا اجتہاد سے۔ مقصد ثانی میں خلفائے اربعہ کے فضائل کا بیان ہے۔

خلافت عامہ کی تعریف کرتے ہوئے شاہ صاحب نے استحقاق خلافت کی جو شرائط بیان کی ہیں ان میں خلیفہ کا مسلمان، عاقل، بالغ، مرد، آزاد، متکلم، سمیع، بصیر، عادل و مجتہد ہونا بیان کیا ہے۔ مجتہد کے لیے جو چیزیں اپنے زمانے میں ضروری قرار دی ہیں اس کے لیے پانچ علوم لازمی قرار دیے ہیں جن میں قرآن پاک کی قرأت و تفسیر کا علم (۲) احادیث کا علم بمع تمام لوازمات کے (۳) مسائل دینیہ میں سلف کے اقوال کا علم: (۴) زبان عرب کا علم، اور (۵) استنباط مسائل کے طریقوں کا علم۔

خلافت کے انعقاد کے چار طریقوں سے بھی شاہ صاحب نے خلفائے ثلاثہ کی خلافت کو ثابت کیا ہے فرماتے ہیں:

''طریق اول بیعت اہل حق و عقد است از علماء و قضات و امراء و وجوہ ناس کہ حضور ایشاں متیسّر شود'' ..... ''انعقاد خلافت حضرت صدیق بطریق

Marfat.com

بیعت بودہ است" ۲؎

(پہلا طریقہ ارباب حل وعقد جن میں علماء وقاضیوں امراء سرداروں اور ان نامور لوگوں کو جو اس وقت بآسانی موجود ہوسکیں بیعت کرلینا ہے" ......
"حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کا انعقاد اسی طریقہ بیعت سے ہوا"۔

"طریق دوم استخلاف خلیفہ است یعنی خلیفۂ عادل بمقتضائے نصح مسلمین شخصے را از میان بمتمعین شروط خلاف اختیار کرند" ...... "انعقاد خلافت حضرت فاروق بہمیں طریق بوذ" ۳؎۔

"طریق سوم شوریٰ است پس بعد موت خلیفہ تشاور کنند و یکے را معین سازند" ...... "خلافت ذوالنورین بہمیں طریق بوذ"۔

"طریق چہارم استیلاء است چوں خلیفہ بمیرد وشخصے متصدّی خلافت گیرو بغیر بیعت واستخلاف وہمہ را برخود جمع سازد بایتلاف قلوب یا بقہر ونصب قتال خلیفہ شود ولازم گردد برمردمان اتباع فرمان او در آنچہ موافق شرع باشد"۔

ترجمہ: دوسرا طریقہ خلیفہ وقت کا کسی ایسے شخص کو خلیفہ بنانا جو خلافت کی شرطوں کا جامع ہو۔ حضرت فاروق اعظمؓ کی خلافت کا انعقاد اسی طریقہ سے ہوا تھا۔ تیسرا طریقہ شوریٰ کے انتخاب کے ذریعہ۔ جس طریقہ پر حضرت عثمان غنیؓ اسی طریقہ پر خلیفہ مقرر ہوئے اور چوتھا طریقہ یہ ہے کہ جب خلیفہ کی وفات ہوجائے اورکوئی شخص بغیر بیعت کیے ہوئے اور بغیر خلیفۂ سابق کے استخلاف کے خلافت کو لے لے اور سب لوگوں کو تالیف قلوب یا جنگ وجبر سے اپنے ساتھ کرلے تو یہ شخص خلیفہ ہوجائے گا اور اس کا فرمان شریعت کے موافق ہوگا اس کی بجا آوری سب لوگوں پر لازم ہوگی ۴؎۔

خلافت خاصہ کے لیے جو اوصاف ضروری ہیں ان کو شاہ صاحب نے بہت تفصیل سے بیان کیا ہے اس سلسلہ میں انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث مبارک سے بات کا آغاز کیا ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ کچھ زمانہ

Marfat.com

تک نبوت و رحمت رہے گی اس کے بعد خلافت اور رحمت اس کے بعد ملک عضوض اس کے بعد جبر و ظلم اسی ذیل میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث "الخلافة بعدی ثلثون سنة" سے بھی خلفائے ثلاثہ کی حقانیت پر استدلال کیا ہے۔ اس کی تفصیل فصل دوم میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ہمارے پیش نظر اس وقت ازالۃ الخفاء کی تیسری فصل ہے جو اس وجہ سے بھی اہم ترین ہے کہ اس فصل سے جہاں حضرت شاہ صاحبؒ کا خلفائے ثلاثہ کے تئیں محبت و عقیدت کا اظہار ہے وہیں ان کی قرآن فہمی اور قرآنی علوم پر مہارت کو بھی ثابت کرتا ہے۔

اس فصل میں قرآنی آیات سے گیارہ دلائل پیش کیے گئے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) سورہ نور کی آیت ۵۵ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ الخ

(۲) سورج کی آیت نمبر ۳۹-۳۸ إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا

(۳) سورہ انبیاء کی آیت نمبر ۱۰۵ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ

(۴) سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۵۴ تا ۵۶ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ

(۵) سورہ فتح کی آیت نمبر ۱۶ قُل لِّلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ

(۶) سورہ فتح کی آیت نمبر ۲۹ مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ

(۷) سورہ توبہ کی آیت نمبر ۳۲ يُرِيدُونَ أَن يُطْفِؤُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ

(۸) سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۱۱۰ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

(۹) سورہ حدید کی آیت نمبر ۱۰ لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ

(۱۰) سورہ حجر کی آیت نمبر ۹ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ

(۱۱) سورہ قیامہ کی آیت نمبر ۱۶ لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ

پہلی دلیل: "وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ الخ" سے استخلاف کے معنی و

Marfat.com

مفہوم بیان کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ موعودہ خلفاء کی اطاعت واجب ہے اسی طریقہ سے انھوں نے احادیث وآثار کی روشنی میں یہ بھی ثابت کیا ہے کہ اس آیت میں خلفائے راشدین کا ذکر ہے نہ کہ خلفاء بنوامیہ وبنوعباس کا۵۔

دوسری دلیل: ''إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِيْنَ آمَنُوا'' میں جہاد کی اجازت، مسلمانوں کی نصرت، تمکن فی الارض کے وعدہ کو خلفائے راشدین کے ساتھ پورا ہونے کا ذکر کرکے بتایا گیا ہے کہ آیت استخلاف اور آیت تمکن کا مطلب ایک ہی ہے اسی کے ساتھ ان دونوں آیتوں کو مختلف مثالوں سے خلفاء کی خلافت پر دلالت کرنے والا ثابت کیا ہے۔

تیسری دلیل: سورہ انبیاء کی آیت ''وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ'' سے خلفائے ثلاثہ کی خلافت کو کاہنوں کی پیشین گوئیوں کے ذریعہ حق ثابت کیا گیا ہے۔

چوتھی دلیل: ''يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِيْنِهِ'' کے بارے میں شاہ صاحب کی رائے ہے کہ یہ آیت حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے آیت مذکورہ سے فتنۂ ارتداد کا استنباط اور حضرت صدیق اکبرؓ کے ذریعہ ان کے دفعیہ کی تدابیر کو واقعات کی روشنی میں تفصیل سے بتایا گیا ہے۔

پانچویں دلیل: ''قُل لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلَى قَوْمٍ'' کا شان نزول بتاکر واقعۂ حدیبیہ کو عظیم مشاہد خیر سے تعبیر کیا ہے اور اس آیت کو خلافت خاصہ کے ان لوازمات اربعہ پر منطبق کیا ہے جس کے مطابق خلافت راشدہ کے حاملین کے لیے ضروری ہے کہ خلیفۂ رسول ﷺ مہاجرین اولین میں سے ہو، حاضرین حدیبیہ میں سے ہو، حاضرین نزول سورۂ نور میں سے ہو اور دیگر مشاہد خیر میں بھی حاضر رہا ہو، چونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ میں یہ تمام اوصاف بدرجۂ اتم موجود تھے اس لیے خلیفۂ رسول ہونے کا استحقاق انھیں کو حاصل تھا۔

چھٹی دلیل: سورہ فتح کی آخری آیت ''مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِيْنَ

Marfat.com

مَعَهُ أَشِدَّاء عَلَى الْكُفَّارِ ''کے نزول کو اہل حدیبیہ کی فضیلت میں ثابت کر کے اس آیت کے ایک حصہ ''كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ ''کو ان چار تاریخی حالتوں کی طرف مشیر بتایا ہے جو ابتدائے اسلام سے خلفائے ثلاثہ کے عہد تک اسلام کے ارتقاء میں بتدریج پیش آئیں۔ ان کے مطابق کھیتی کا انکھواں نکلنا اسلام کی بالکل ابتدائی حالت کی طرف اشارہ ہے، اسلام کا آغاز بالکل اس انداز سے ہوا جس طرح کھیتی اُگتی ہے ''فازرہ'' سے اس طرف ہے جب کہ آں حضرت ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کر کے ایک ریاست کی بنیاد فراہم کی اسی حالت کے اخیر میں حضرت ﷺ کا انتقال ہوگیا۔ تیسری حالت وہ تھی کہ شیخین نے دو پُرشوکت بادشاہوں سے جو تمام دنیا پر غالب تھے یعنی قیصر و کسریٰ سے جہاد کیا اور یہ دونوں سلطنتیں شوکت اسلام سے پامال ہوگئیں اور ان کا نام ونشان باقی نہیں رہا اس طریقہ پر ''فاستغلظ'' کا درجہ حاصل ہوگیا اور چوتھی حالت وہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی لڑائیاں بھی فتح ہوگئیں اور اسلام کا رواج مفتوحہ شہروں میں پیدا ہوگیا اور ہر شہر میں مسجدیں بھی بن گئیں اور قاضی مقرر ہوگئے اور حدیث کے راوی اور فقہ کے مفتی سکونت پذیر ہوگئے اور ''فاستویٰ علی سوقہٖ'' کا درجہ حاصل ہوگیا پس جب ہم نے اس مثال کو اسلام کے ساتھ بڑی بڑی تبدیلیوں میں مطابق پایا تو معلوم ہوگیا کہ قرآن کے اشارات انھیں تبدیلیوں کی طرف تھے[۶]۔

ساتویں دلیل: سورہ توبہ کی آیت ''يُرِيدُونَ أَن يُطْفِؤُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ ''پیش کر کے شاہ صاحب نے اس کے ضمن میں اصولی بحث کی ہے اور آں حضرت ﷺ کی ان پیشین گوئیوں کو تفصیلی طور پر ذکر کیا ہے جو آں حضرت ﷺ نے غلبۂ اسلام کے تعلق سے پیش فرمائی تھیں اور پھر ان سب کا حاصل مطالعہ یہ فرمایا کہ ''دین حق کو جس قدر غلبہ حاصل ہوا وہ سب ''لیظھرہ'' میں داخل ہے۔

آٹھویں دلیل: سورہ آل عمران کی آیت ''كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ ''سے فراہم کی گئی ہے اس میں ''تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ''کا مصداق اول

Marfat.com

خلفائے راشدین کو ثابت کیا گیا۔

نویں دلیل: ''لَا یَسْتَوِیْ مِنکُم مَّنْ أَنفَقَ من قبل الفتح وقاتل'' سے شاہ صاحب استدلال کرتے ہیں کہ ''آیت ظاہر کر رہی ہے کہ سب صحابہ ایک مرتبہ کے نہیں ہیں بعض بعض سے افضل واکمل ہیں موافق مقدم ومؤخر ہونے کے خروج کرنے اور جہاد کرنے میں ہے۔ اسی طرح ''من قبل الفتح'' سے فتح مکہ یا صلح حدیبیہ مراد لے کر کہا ہے کہ ''یہ آیت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حق میں نازل ہوئی ہے کیونکہ سب سے پہلے وہی اسلام لائے اور اللہ عز وجل کی راہ میں سب سے پہلے مال خرچ کرنے والے حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی ہیں ۸۔

دسویں دلیل: آیت ''إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْن'' سے اور گیارہویں دلیل: ''لَا تُحَرِّکْ بِهِ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِهِ'' سے فراہم کی گئی ہیں۔ مذکورہ دونوں آیات سے شاہ صاحب استدلال کرتے ہیں کہ جمع قرآن وحفظ قرآن کا وعدہ الٰہی شیخین کے زمانہ خلافت میں پورا فرماتے ہیں کہ ''درحقیقت یہ جمع کرنا خدا کا کام تھا اور اسی کے وعدہ کا انجاز تھا جو شیخین کے ہاتھ سے ظاہر ہوا لہٰذا شیخین جارحۂ الٰہی ہوئے اور یہ بات (جارحۂ الٰہی ہونا) خلافت خاصہ کے لوازم سے ہے''۹۔

اسی سلسلہ کی چوتھی فصل میں متعدد احادیث اور پانچویں فصل میں آں حضرت ﷺ کی فتنوں سے متعلق پیشین گوئیوں کی تفصیلات مہیا کرنے کے بعد چھٹی فصل میں پھر قرآنی آیات سے استدلال کیا گیا ہے۔

چھٹی فصل: ان ارشادات قرآنی کے بیان میں ہے جن میں عموم ہے اور جن میں ایسی تعریضات ہیں جو خلافت خاصہ کی صفات اور خلفاء کی خلافت اور ان کے فضائل اور حسنات سابقہ پر دلالت کرتی ہیں اور ایسی آیات کے بیان میں ہے جو خلفاء کی (قبل نزول کی) رائے کے موافق نازل ہوئیں اور ایسی آیات کے بیان میں جن کے نزول کا سبب خلفاء ہوئے ہیں۔

یہ آیات متعدد ہیں جو قرآن کی بیشتر سورتوں سے فراہم کی گئی ہیں اور ان

Marfat.com

کی مضبوطی پر عقلی و نقلی دلائل فراہم کیے گئے ہیں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بطور نمونہ شاہ صاحب کے الفاظ میں کچھ دلائل پیش کر دیے جائیں۔

سورۂ فاتحہ کی آیت "اھدنا الصراط المستقیم" کے ضمن میں شاہ صاحب فرماتے ہیں "فقیر گوید توجیہ ایں کلام آں است کہ خدا تعالیٰ در بیان صراط مستقیم می فرماید صراط الذین انعمت علیھم . باز الذین انعم اللہ علیھم من النبیین و الصدیقین و الشھداء و الصالحین و حسن اولئک رفیقا باز آں حضرت ﷺ در حدیث مستفیض بیان فرمودند کہ ابوبکر صدیق است و عمر شہید باز آنجناب ﷺ اصل غرض را بیان فرمود کہ اقتدا وا بالذین من بعدی ابوبکر و عمر۔

ترجمہ: توجیہ اس کلام کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے صراط مستقیم کے بیان میں فرمایا ہے صراط الذین انعمت علیھم پھر الذین انعم کو دوسرے مقام پر من النبیین و الصدیقین و الشھداء و الصالحین سے واضح فرمایا ہے پھر آں حضرت ﷺ ایک حدیث مستفیض میں بیان فرماتے ہیں کہ ابوبکر صدیق ہیں اور عمر شہید پھر آنجناب ﷺ نے اصل غرض کو واضح فرمایا کہ پیروی کرو ان کی جو میرے بعد ہوں گے یعنی ابوبکر و عمر"۔

آگے چل کر وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ "صراط مستقیم شیخین کا طریق ہے تو اس سے لازم آیا کہ شیخین خلیفۂ خاص ہوں ۱۰۔

سورہ بقرہ کی آیات نمبر ۲۴۷، ۱۲۷ تا ۱۲۹، ۱۴۳، ۲۸۵، ۲۱۸، ۲۷۴، ۱۷۷، ۹۷، ۱۲۵، ۱۳۷، ۱۸۷، ۱۹۷، ۲۰۴ تا ۲۰۷، ۲۱۳، ۲۶۶ کے مضامین سے احادیث و آثار کی روشنی میں خلافت خاصہ کے مسائل کو بڑے خوبصورت انداز سے پیش کیا ہے۔

سورہ آل عمران کی آیات (۱۰۲ تا ۱۰۹) یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہِ تا وَإِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الأُمُورُ کی تشریح کرتے ہوئے شاہ صاحب فرماتے ہیں:

Marfat.com

''فقیر گوید (عفی عنہ) خدائے عز وجل دریں آیات بیان فرمودہ است حقیقت خلافت خاصہ وحقیقت فتنہ را کہ بعد از ایام خلافت خاصہ بظہور آمد ورضائے حضرت خود بآں یک حالت وسخط جناب خود ازاں حالت دیگر را ارشاد نمودہ۔

ترجمہ: خدائے عز وجل نے ان آیات میں خلافت خاصہ کی حقیقت کو بیان فرمایا ہے اور فتنہ کی حقیقت کو بھی جو ایام خلافت خاصہ کے بعد ظہور میں آنے والی تھی اور اس ایک حالت کے متعلق اپنی بارگاہ کی رضا اور دوسری حالت سے اپنی جناب کی ناراضگی بھی ارشاد فرمادی'' ۱۱۔

اسی طریقہ پر آیات نمبر ۱۷۲ تا ۱۷۵ الذین استجابوا تا واللہ ذو فضل عظیم '' کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ذکر کرنے کے بعد اس امر کو ترجیح دی ہے کہ یہ آیات بدر صغریٰ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں بہر کیف خلفاء راشدین بدر صغریٰ کے حاضرین میں سے تھے اس لیے فَانقَلَبُواْ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُواْ رِضْوَانَ اللّهِ ان کی شان میں متحقق ہے۔

آیات نمبر ۱۹۰ تا ۱۹۵ ان فی خلق السمٰوٰت والارض کے نزول کو بھی مہاجرین اولین کے فضائل میں ثابت کیا ہے۔

سورۂ نساء کی آیات ۶۹، ۷۰، ۹۵، ۹۶، ۱۰۰، ۶۰، ۸۳، ۱۰۱، سورہ مائدہ کی آیات ۵۴ تا ۵۶ سورہ انعام کی آیات ۵۲، ۱۲۲ تا ۱۲۷ و ۱۵۱ نیز سورۂ اعراف کی آیات ۱۵۶، ۲۶، ۳۴، ۱۷۲، ۱۹۹ سے بھی یہی مضامین اخذ کیے ہیں علاوہ ازیں سورۂ انفال، سورۂ توبہ، سورۂ یونس، سورۂ یوسف، سورۂ رعد، سورۂ ابراھیم، سورۂ حجر، سورۂ نحل، سورۂ بنی اسرائیل، سورۂ کھف، سورۂ مریم، سورۂ طٰہٰ، سورۂ انبیاء، سورۂ حج، سورۂ مومنون، سورۂ نور، سورۂ فرقان، سورۂ نمل، سورۂ قصص، سورۂ عنکبوت، سورۂ روم، سورۂ لقمان، سورۂ الٓمٓ، سورۂ سجدہ، سورۂ احزاب، سورۂ فاطر، سورۂ یٰسٓ، سورۂ والصّٰفّٰت، سورۂ صٓ، سورۂ زمر، سورۂ مومن، سورۂ حٰمٓ

Marfat.com

سجدہ، سورۂ شوریٰ، سورۂ زخرف، سورۂ محمد، سورۂ فتح، سورۂ حجرات، سورۂ قٓ، سورۂ قمر، سورۂ رحمان، سورۂ واقعہ، سورۂ حدید، سورۂ مجادلہ، سورۂ حشر، سورۂ ممتحنہ، سورۂ صف، سورۂ جمعہ، سورۂ منافقون، سورۂ طلاق، سورۂ تحریم، سورۂ ملک، سورۂ قلم، سورۂ حاقہ، سورۂ جن، سورۂ مزمل، سورۂ دھر، سورۂ عبس، سورۂ تکویر، سورۂ انفطار، سورۂ اعلیٰ، سورۂ غاشیہ، سورۂ فجر، سورۂ لیل، سورۂ اقراء، سورۂ قدر، سورۂ زلزال، سورۂ التکاثر، سورۂ قریش، سورۂ کوثر، سورۂ نصر، سورۂ اخلاص کی سینکڑوں آیات سے حضرت شاہ صاحبؒ نے خلفاء ثلاثہ کی خلافت پر دلائل فراہم کرکے منکرین خلافت کو مسکت جواب دیا ہے۔ جو درحقیقت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ کا امت مسلمہ پر احسان عظیم ہے۔

حواشی و مراجع

۱۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء (اردو ترجمہ مولانا عبدالشکور لکھنوی)، حافظی بکڈپو، دیوبند، بدون تاریخ، ص ۱/۱۴

۲۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، ۱/۲۳

۳۔ حوالہ مذکور، ۱/۲۴

۴۔ ازالۃ الخفاء، ۱/ ۲۵

۵۔ ازالۃ الخفاء، ۱/۵۱

۶۔ ازالۃ الخفاء، ۱/ ۹۷

۷۔ ازالۃ الخفاء، ۱/ ۱۱۷

۸۔ ازالۃ الخفاء، ۱/ ۱۱۷

۹۔ ازالۃ الخفاء، ۱/۲۲

۱۰۔ ازالۃ الخفاء، ۱/۳۶۹

۱۱۔ ازالۃ الخفاء، ۱/۳۸۲

Marfat.com

سیاسی فکرِ ولی اللّٰہی کی قرآنی بنیادیں

پروفیسر بدرالدین الحافظ ☆

اس عنوان کے مطابق پہلے تو ہمیں حضرت شاہ صاحب کی سیاسی فکر پر غور کرنا ہوگا اس کے بعد ہی اس کو قرآنی بنیادوں سے منطبق کیا جانا ممکن ہوسکتا ہے اس سلسلہ میں اٹھارویں صدی عیسوی کے سیاسی ماحول، ہندوستان کے گرد وپیش کی حکومتیں، خود ہندوستان میں مغلوں کی آخری سانسیں لیتی ہوئی زبوں حالی، نوابوں راجاؤں کی روز افزوں یورشیں اور سازشیں ان سب پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد قطعی طور پر یہ فیصلہ کرنا تو مشکل ہے کہ شاہ صاحب شہنشاہیت کے مکمل طور پر حامی تھے۔ نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ آج کی سیکولر یا جمہوری طرز حکومت کے قائل تھے جس میں انسان گنے جاتے ہیں تولے نہیں جاتے اور نہ ہی شاہ صاحب کی جہاندیدہ نگاہ ہندوستان میں خلافت اسلامیہ کے لیے کوئی موزوں اور مناسب حالات دیکھ رہی تھی، پھر آخر شاہ صاحب کی سیاسی فکر کیا تھی وہ کس طرز حکومت کے لیے خواہش مند تھے اور شب و روز اسی لیے جدو جہد کررہے تھے اس سلسلہ میں مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم کے خیالات کی تشریح کرتے ہوئے مولانا محمد سرور لکھتے ہیں: ''شاہ صاحب نے خوب سمجھ لیا تھا کہ شہنشاہیت کا دور ختم ہو چکا ہے اب کوئی اور حکومت بنے گی تو اس کی اساس کوئی اور ہوگی چنانچہ شاہ صاحب نے جس تحریک کی داغ بیل ڈالی وہ ہمہ گیر تحریک تھی ان کے پیش نظر پورا ہندوستان تھا اور چونکہ

☆ سابق صدر شعبہ عربی، بنارس ہندو یونیورسٹی

Marfat.com

مرکزی ہندوستان کی قیادت اس وقت مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھی اس لیے آپ نے عام مسلمانوں سے خطاب کیا شاہ صاحب کی دعوت کے اصول عام انسانیت کے اصول تھے ان کا زور مذہب کی رسوم پر نہیں بلکہ مذہب کی روح پر تھا، قانون کی ظاہری شکل پر نہیں بلکہ قانون کی جان یعنی عدل و انصاف پر تھا'' جس کی بنیاد ہمیں سورہ المائدہ کی آیت ۸/ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ، میں ملتی ہے۔

اب یہاں میں حضرت شاہ صاحب کے سیاسی نظریہ کو سمجھنے کے لیے نظامی صاحب کے دیباچہ سے ایک مختصر اقتباس اور پیش کروں گا۔ نظامی صاحب فرماتے ہیں کہ شاہ صاحب کے سیاسی مکتوبات کے پہلے ایڈیشن کی اشاعت پر مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم نے جو خط تحریر فرمایا تھا اس میں لکھا تھا ''مکتوب ششم بنام نجیب الدولہ میں قدغن بلیغ باید نمود کہ کسے با مسلماناں وذمیان دہلی کار نداشتہ باشند، اس کا ترجمہ بھی آپ نے یہ تحریر فرمایا ہے، اگر اس بار آپ چاہتے ہیں کہ کار بستہ جاری ہو جائے تو پوری تاکید کرنی چاہیے کہ کوئی فوجی دہلی کے مسلمانوں اور غیر مسلموں سے جو ذمی کی حیثیت رکھتے ہیں ہرگز تعرض نہ کرے، اس کے بعد لکھتے ہیں یہ فقرہ مولوی عبید اللہ مرحوم کے نظریہ ''قومیت'' کی تعمیر میں بنیاد کا کام دے سکتا ہے تعجب ہے کہ آپ نے اس کو نمایاں نہ فرمایا، معاہدہ کے بعد دینی خصوصیات سے قطع نظر کر کے ''قومیت'' کا مفہوم اسلام نے جو قائم کیا ہے عصر حاضر میں ''سیکولر'' طرز کی حکومت جس کا نام رکھا گیا ہے سب کچھ شاہ صاحبؒ کے ان الفاظ میں درج ہو گیا ہے، سیکولر نظریہ کے سوا اسلامی حکومت کی کوئی بنیاد نہیں ہے، اس لیے ہر اس شخص کو جو باضابطہ اسلامی حکومت کی حفاظت میں آ گیا خواہ وہ کچھ ہی مذہب رکھتا ہو۔ شاہ صاحب نے دہلی کے مسلمانوں کے ساتھ دہلی کے غیر مسلم باشندوں کی حفاظت کی شدید تاکید اسی لیے کی ہے کہ اس کے سوا اسلامی سیاست میں کسی اور تصور کی گنجائش ہی نہیں ہے'' (ص ۷-۸)

Marfat.com

اس اقتباس کی روشنی میں خاکسار کا خیال یہ ہے کہ چاہے شاہ صاحب نے واضح طور پر کہیں اس کا ذکر نہ کیا ہو مگر ان کے ذہن میں ''اسلامی جمہوریہ ہندوستان''. کا تصور رہا ہوگا۔

اس کے بعد شاہ صاحب کے مسلم حکمرانوں کے نام مکتوبات، نجیب الدولہ کو ضروری ہدایات اور ہندوستان میں کسی طرح سے بھی ایک پرامن پائیدار مرکزی حکومت قائم کرنے کی تڑپ سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ سلطنت ہند کے اقتدار اعلیٰ کو مضبوط بنیادوں پر بحال دیکھنا چاہتے تھے لیکن اس طرح سے کہ مطلق العنان بادشاہوں کے بجائے انصاف کی حکومت ہو اور یہ نظریہ بھی اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (یوسف/۴۰) اور اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (المائدہ/۸) کے تحت تھا اس کے ساتھ ساتھ شاہ صاحب ملک کے سیاسی نظام کو مستحکم کرنے کے لیے پورے معاشرہ کو ہر لحاظ سے شرعی قانونی اور اخلاقی اصولوں کا پابند دیکھنا چاہتے تھے کیونکہ اسی سے معاشرہ کی صالح بنیادوں کا قیام ممکن تھا اور اسی لیے انھوں نے حکمراں طبقہ کے ساتھ ہر سطح کے لوگوں کو اپنی ارتفاقاتی ہدایات میں علیٰحدہ علیٰحدہ مخاطب فرمایا ہے۔

مثلاً بادشاہ وقت کو وہ اس لیے اخلاق فاضلہ سے متصف دیکھنا چاہتے تھے کہ یہ قرآن کریم کے اٹل فیصلہ، أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ. إِنَّ فِي هَذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَابِدِينَ (الانبیاء/۱۰۵) کے عین مطابق تھا، اور ان اخلاق فاضلہ میں حاکم وقت کے اندر شجاعت و حلم و بردباری حسن تدبیر، عقل مندی، سخاوت، درگزر، بیدار مغزی، بصیرت افروزی، رعایا کے حالات سے واقفیت، ان کی تکالیف اور ضروریات کا دیدہ ریزی سے مطالعہ کرنے کی صلاحیت ہونا لازمی تھا آپ بادشاہ کے لیے یہ بھی ضروری خیال فرماتے کہ وہ ظاہری لباس، وضع قطع اور طرز تکلم سے لوگوں کو متاثر کرنے والا ہوتا کہ عوام اس کی طرف راغب ہوں جب کہ ان ہدایات میں ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی کے

Marfat.com

واقعات کی جھلک ملتی ہے جب باری تعالیٰ نے ان کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا تو فرمایا، اذْهَبَا إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى. فَقُولَا لَهُ قَوْلاً لَّيِّناً لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى (طٰہٰ/۴۳) دوسرا اشارہ ہمیں اس آیت کی طرف بھی معلوم ہوتا ہے جس میں آنحضرتؐ کے بارے میں فرمایا گیا، لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ (التوبہ/۱۲۸) نیز اس آیت کی طرف بھی اشارہ معلوم ہوتا ہے، وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ (حم السجدہ/۳۴) اس کے بعد سیاسۃ الاعوان کے باب میں شاہ صاحب نے بادشاہ وقت کے لیے اس کے کچھ مددگاروں کی ضرورت کا بھی شدت سے اظہار کیا ہے کیونکہ مملکت کی وسیع تر ضروریات اور نظم و ضبط، قوانین کی پابندی کرانے اور حکومت کی پالیسی کو بروئے کار لانا بغیر انصار و اعوان کے ممکن نہیں ہوسکتا اور اس کی تائید بھی ہمیں سورہ الصّف کی اس آیت میں ملتی ہے، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ (الصّف/۱۴)

ظاہر ہے آیت مذکورہ میں انصار و حواریین کار نبوت کے مددگار اور اس کی اشاعت و ترویج کے معاون تھے یہاں بھی ایک ملک و سلطنت کے اعوان و انصار بھی اس ہی عادات و خصائل والے درکار ہوں گے جو کار مملکت ایمان داری سے انجام دینے میں معاون و مددگار ثابت ہوسکیں مگر ظاہر ہے کہ انبیاء کرام کے انصار و مددگار اور آج کے معاونین میں زمین و آسمان کا فرق ہوگا اسی لیے شاہ صاحب نے ان کی تقرری، معزولی اور تالیف قلب کے لیے انعام و اکرام کے لیے بھی اصول مقرر فرمائے ہیں نیز اس کے ساتھ ان تمام معاونین کے گزر اوقات کے لیے اہالیان شہر سے واجبی ٹیکس بھی وصول کیا جانا ضروری قرار دیا کہ ان کے اخراجات

Marfat.com

پورے ہوسکیں مگر اس میں بھی نادار یا معمولی اوقات کے لوگوں کو پریشانی میں نہ ڈالا جائے۔

یہاں اعوان یا اہل کاروں کی فرمانبرداری اور اخلاقی صلاحیت کے سلسلہ میں شاہ صاحب نے جو شرائط مقرر کی ہیں ان میں الامانة والقدرة على اقامة ما امروا به وانقياد الملک ذکر ہے اس کی تائید ہمیں سورہ النساء کی آیت ۵۹: يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ أَطِيْعُواْ اللّهَ وَأَطِيْعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ میں ملتی ہے پھر اعوان کی اہم ضرورت کے ساتھ حکومت کی عسکری قوت اور اسی کی تدریب و تربیت کے لیے بھی مفصل قوانین مرتب فرمائے کیونکہ مغلوں کی فوجی ابتری اور بدنظمی کا حال وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، وراس کی بنیاد بھی اس آیت میں ملتی ہے وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِيْنَ مِن دُونِهِمْ لاَ تَعْلَمُونَهُمُ اللّهُ يَعْلَمُهُمْ (الانفال/۶۰) اس کے بعد چوتھے ارتفاق میں شاہ صاحب نے اپنی مملکت کے مختلف شہروں کے حکمرانوں کے ساتھ ان کی نگرانی باہمی روابط اور گردو پیش کے مختلف ممالک سے تعلقات ان کی حرکات وسکنات کی نگہ داشت سے بحث کی ہے کیونکہ مختلف مزاجوں کے بادشاہوں اور حکمرانوں میں مال و دولت جمع کرنے، افرادی قوت بڑھانے اور اپنی حدود میں اضافہ کرنے کی حرص و ہوس ہوسکتی ہے جو باہم تنازعات کا سبب بنے گی اور ہر خاص عام کی زندگی کا امن و سکون خطرہ میں پڑ جائے گا ایسے حالات میں ایک مضبوط خلیفہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو اخلاقی زیور سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ عسکری قوت اور مال وزر سے بھی مضبوط ہو تاکہ اپنی حکمت عملی حسن و تدبیر اور حسب ضرورت فوجی طاقت سے جبر واستبداد اور زمین پر پھیلنے والی ظلم وزیادتی کی بیخ کنی کر سکے، اور اس کی تائید ہمیں قرآن کریم کی بہت سی آیات سے ملتی ہے۔

سورۃ البقرہ کی آیت ۲۵۱، وَلَوْلاَ دَفْعُ اللّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ

Marfat.com

لَّفَسَدَتِ الأَرْضُ وَلَـكِنَّ اللّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِيْنَ

سورہ الحج کی آیت ۴۰: وَلَـوْلَا دَفْـعُ اللّـهِ النَّـاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُـدِّمَـتْ صَـوَامِـعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيْرًا وَلَيَـنـصُـرَنَّ اللّـهُ مَـن يَنصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ سورہ البقرہ کی آیت ۱۹۳: وَقَـاتِـلُـوهُـمْ حَتَّى لاَ تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّيْنُ لِلّهِ فَإِنِ انتَهَواْ فَلاَ عُدْوَانَ إِلاَّ عَلَى الظَّالِمِيْنَ ،اور یہی مضمون سورہ الانفال آیت ۳۹ میں بھی آیا ہے۔

اس کے علاوہ جہاں تک سیاسی مکتوبات کا تعلق ہے تو ان میں بھی شاہ صاحب کی ہدایات، مشورے اور تجویزیں بھی آیات قرآنی کی تائید کے ساتھ تحریر میں لائی گئی ہیں چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

مکتوب پنجم بجانب نجیب الدولہ کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں: ''بعض اوقات غلبہ اسلام کی خوشخبری ہوش کے کان میں پہنچتی ہے، اگرچہ یہ حقیقت بعد انتظار اور پس از کوشش حاصل ہوگی لیکن مایوس نہ ہونا چاہیے "لکل اجل کتاب" (سورہ الرعد/۳۸)

مکتوب ۱۵/ بنام شیخ محمد عاشقؒ کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں ایسی جماعت کو خوشخبری ہو کہ اس کے شیوہ تسلیم و رضا اختیار کرنے کے بعد جب کبھی ہوائے قدس چلے گی اس کی حافظ و ناصر ہوگی إِنَّ وَلِيِّـيَ اللّـهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِيْنَ. (سورہ الاعراف/۱۹۶)

Marfat.com

الفكر القرآني في رسائل الامام ولي الله

مولانا محمد طاہر الندوی ☆

كان الإمام أحمد بن عبدالرحيم المعروف بالشاه ولي الله (١١١٤– ١١٧٦ه) مفسرا، محدثا، فقيها، مجتهدا، مفكرا، فلسفيا، اديبا، شاعرا، مصلحا، اجتماعيا، له خدمات جليلة واعمال تجديده متميزة في مجال العلم والأدب، والسياسة والإجتماع لاينساها التاريخ الإسلامي، ولكن ميزته الكبرىٰ انه على رأس علماء القرن الثاني عشر في الهند الذي نادى الى دراسة القرآن الكريم مباشرة، وهو اول من قام بحركة قوية موسعة لفهم القرآن الكريم وتلاوته الواعية.

القرآن الكريم هو لحمته وشداه وهو العنصر الاساسي لما تتسم به شخصيته من وسيطة واعتدال وما خلف من تراث فكري و مآثر علمية خالدة رائعة محورها كتاب الله العظيم، تفوح برياه ومضفاته وكتاباته ورسائله القيمة.

قد حاولت في هذا المقال الوجيز المتواضع ان اتناول النظرات والأفكار القرآنية للامام ولي الله في الرسائل السياسية[1] والرسائل النادية[2].

☆ استاذ جمعیت شاہ ولی اللہ، پھلت، مظفر نگر

Marfat.com

اقرا معى الرسالة(١) التاريخية ؒ بعث بها الامامؒ إلىٰ الحاكم الأفغانى أحمد شاه الأبدالى. وقد ذكر الإمامؒ فى هذه الرسالة تدهور نظام الحكم الذى بلغ غاية ماورائها غاية، وسور الوضع السياسى الإجتماعى، وتمرد بعض الامراء واستيلاء الكفرة المحاربين واعتدائهم، وتشتت شمل الاسلام والمسلمين، قد اقضّ مضجعه هذه الوضعية المولمة للبلاد ورفعته غيرته الايمانية و الى ان يدعو الحاكم الافغانى لمقاومة هذه الفتنة واستئصالها، قد وجهت هذه الدعوة انطلاقا من ان الظلم حرام والجهاد ودفع الظلم فرض عين على ولاة الامر من منظور قرآنى، وذلك يقرره القرآن الكريم واضحا فى قول الله عز وجل "وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاء وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَـٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنْكَ وَلِيّاً وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيْراً" (النساء:٧٥).

الامام رحمه الله ، يحرضه الملك على الجهاد فيقول، "لا احد يتمتع بقوة الشكيمة والسلطة والنفوذ، وبعد النظر والخبرة والمراس فى الحرب ويتمكن من رحر الاعداء سواكم، فمغادرتكم الى الهند لفرض عين عليكم لكبت العدو (المرهته) وانقاذ المسلمين المستضعفين من براثن غير المسلمين".

وختاما الامامؒ يدعو الملك للنظر فى هذا الآية الكريمة "يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِيْنِهِ فَسَوْفَ يَأْتِيْ اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ يُجَاهِدُونَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ" (المائده:٥٤) فجاء الملك وانهزم العدو فى ميدان پانى پت، وتفرق شذراً ندراً سنة ١٧٦١ ميلادية.

Marfat.com

وقـد أشـار الامـامؒ على الملك فى نفس الرسـالة الى انه "اذا زحف الـجـنود المسلمون الى المناطق التى يسكنها المسلم والكافر فيـجـب عـليهـم تـعيين جماعة يعهد اليها بـالاهتمام بـامر المسلمين وتـنـقـل هى ضعاف المسلمين من القرى الى المدن وتتولى صيانة امـوالهـم و اعـراضهـم ودمـائهـم" واوصـاه الامامؒ بعدم التسرع فى الهـجـوم مـا دام الـمسـلـمـون مـوجودين بينهم، استدل الامامؒ لهذا الموقف بصلح الحديبية فيقول "كان احتمال ان يلحق بالمسلمين الـضـرر فـى مـكة الـمـكـرمة، فشـاء ت حـكمة الله ان يتحقق الهدف بتـاخيـر، فتـم فتـح مـكة بـعـد صلح الحديبية بسنتين، وقد اشار الـقرآن الكريم الى حكمة الصلح وسبب تاخير فتح مكة المكرمة فى هذه الآية الكريمة "لَـوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُونَ وَنِسَاء مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَمُوهُمْ أَن تَطَؤُوهُمْ فَتُصِيبَكُم مِّنْهُم مَّعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ" (الفتح:٢٥).

فـوجـود بعض المومنين فى مكة تسبب فى صلح حديبية، وتـاخيـر فتـح مـكة عـنـد الامـامؒ وهـذه الـنـظـرة لم يذهب اليهـا المورخون فيما نعلم.

الرسالة ٤ (٤) كتبهـا الامامؒ الى امير الامراء نجيب الدولة يـامـره فيها بحماية الذميين، اذ كان الجيش الملكى فى نضال ضد المتردين المرهته، فيقول "اذا مر الجيش الملكى بدلهى فلا يعتدين احد من الجنود على المسلمين وغير المسلمين فان لهم ذمة وعهداً".

هذه الـنـظرة مبـنية عـلـى ايـمـان بـان العدل مفروض مع الناس جميعاً، وذلك يقرره القرآن الكريم فى هذه الآيات الكريمة.

"لَا يَـجْـرِمَـنَّـكُـمْ شَـنَـآنُ قَـوْمٍ عَـلَى أَلَّا تَعْدِلُواْ اعْـدِلُواْ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى" (المائدة: ٨)

Marfat.com

"لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ" (الممتحنة:٨).

القرآن الكريم لايأذن بحال للاعتداء على احد ولو كان محاربا "وَقَاتِلُواْ فِى سَبِيْلِ اللّهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُواْ إِنَّ اللّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ" (البقرة:١٩٠).

الرسالة ٥ (٣٤) ينصح الامامؒ فيها الامير تاج محمد خان بلوج "بالتعاون مع المسلمين وتوحيد كلمتهم وتجنيد كل طاقاته فى ضرب العدو ويبشر بان النصر سيتحقق ، بفضل وحدة المسلمين وحسن ارادتهم وعزيمتهم". قد صرح الامامؒ فى هذه الرسالة "بان سبب غلبة العدو وانحطاط المسلمين فى هذا الزمان، هو ايثار المسلمين مصالحهم الشخصية واعتمادهم على غير المسلمين فى شوونهم".

ان هذه الفكرة التى تبناها الامامؒ مبنية على توجيه قرآنى صريح "يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ لَا تَتَّخِذُواْ بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّواْ مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاء مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِى صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الآيَاتِ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ" (آل عمران:١١٨).

لاريب انه لم يمن المسلمون، عبر تاريخهم ، بالخسارة والهزيمة الا بايثارهم مصالحهم الشخصية والاعتماد على غير المسلمين، وقد نهى القرآن الكريم المومنين بصراحة عن ان يتخذوا العدو بطانة لهم.

الرسالة٦ (١١) (الجزء الاول)

الايمان بالله والرضاء بما قضى الله وقدر والصبر على

Marfat.com

البلاء من تعليمات القرآن الاساسية فيعزى الامامؒ فى هذه الرسالة اخاه الشاه اهل الله عن وفاة ابنته عائشة، يقول "عائشة كانت امانة من عند الله عزوجل فاستردها منا فنحن راضون بما قضى الله وقدر انا لله وانا اليه راجعون، فيجب ان نحمده ونشكره على كل حال فكن راضيا كما رضيت ..... واذكر ان النعمة الموقته لاتبقىٰ لينتفع بها دوما، فسبحان الله الذى هو جواد مجيد، حميد فى افعاله".

الرسالة ٧ (٦٢) (الجزء الاول)

الشدة فى الدين تلحق ضررا بالغا وهى محظورة، والقرآن الكريم لا يحمل الفرد مالا ٨يطيقه ولا يكلفه الا بقدر طاقته ان منح الانسان دينا سهلا سمحا طبيعيا، وليس للانسان الخيار ان يضيف اليه من جانبه شيئا، الامام رحمه الله ينصح فيه هذه الرسالة الشيخ محمد قطب رهتكى فيقول، "ان الدين يسر للغاية، شاء ت رحمة الله ان يربط نجاة الانسان باعمال يتمكن من النهوض بها كل من مريض، وصحيح، وضعيف وقوى وشاب وعجوز، "ولن يشاد الدين احد الا غلبه" ..... ولو فرض احد على نفسه ان يصوم كل يوم ويقوم كل ليل لا يطيقه اطلاقا، ويتطرق الى نفسه الملل والسامة والفتور فى العبادة".

الرسالة ٩ (٦٧) (الجزء الاول)

حب المال والجاه والا نغماس فى الحياة الدنيا مبغوض فى القرآن الكريم، فالامام يوجه الشيخ محمد قطب الى هذه الجانب ويامره الى تغيير فكرته، يقول رحمه الله، "فليعلم انه اذا كانت الشدائد دنيوية فيجب ان يفهم. انها –الشدائد– سبب

Marfat.com

لـلـوصول الى الله تعالى وعلاجها ان يرضى الانسان بقضاء الله ۱۰ ويستـئصل حب الجاه والمال من القلب" ان هذا الموقف يبنى على هذه الآيات الكريمة:

"إِنَّ الَّـذِيْـنَ لَا يَرْجُونَ لِقَاء نَا وَرَضُواْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّواْ بِهَـا وَالَّـذِيْـنَ هُـمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ. أُوْلَـــئِكَ مَـأْوَاهُـمُ الـنَّارُ بِمَا كَانُواْ يَكْسِبُونَ" (يونس:۷—۸).

"يَـا أَيُّهَـا الَّذِيْنَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَمَن يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ" (المنافقون:۹)

الرسالة ۱۱ (۳۸) (الجزء الثانى)

الامـام يخاطب فى هذه الرسالة احبابه فيقول، كونو على حذر من خمسة نفروهم بمنزلة الغوريللا.

الاول— الصوفى المتفيهق الذى يحتال لرفع التكليف الشرعى.

الثـانـى — الـمـنـطـقـى الـفـلسفى الممارى الذى يثير فتنة الشبهات والاوهام، ولا يتمثل لاوامر الله العزيز العليم.

الثـــالـث— الـفـقيـــه الـذى يـختـار من الاحـاديث النبوية ماينطبق على اقوال ائمته، ولا يتبع ما اوضحه النبى الكريم ﷺ لامته.

الـرابـع— الـزاهـد الـمتقشف الذى يتشدد فى مذهبه، كان كلمة الرخصة ليست فى معجمه.

الـخـامـس— الثـرى الـمتـمرد الذى يتشكل بهيئة الاعاجم ويشارك مع الامراء فى القتال.

لاريـب ان هولاء الخمسة قد خالفوا كتاب الله ونبذو آياته ورائهم ظهرياء فان المومن مكلف بالتزام الشريعة واتباعها والاهتداء بالقرآن الكريم، والتأسى باسوة النبى الاكرم ﷺ والقرآن الكريم

Marfat.com

يرفض الغلو والتشدد، والرهبانية ، والمراء اة فى الدين.

الرسالة ١٢ (٦٩) (الجزء الثانى)

الصمود فى وجه الشدائد والمصاعب من اهم تعليمات القرآن الكريم ١٣ وهو يخلق فى المومن صفة الصبر والعزيمة والثبات، وعلو الهمة، والامام رحمة الله، يعتبر ان الشدائد التى يعانى منها الانسان المومن هى دروس لتكوين الفرد وتحليته بالاخلاق الفاضلة الكريمة، اقرأ معى هذه الرسالة التى ينصح فيما الامامّ الشيخ بابا عثمان بان يتحلى بالصبر والعزيمة وعلو الهمة، ويتجنب عن الفزع والهلع، والتأثر بالشدائد، ويتأسى باولى العزم من الرسل" ..... ويذكره قصة ابراهيم عليه الصلاة والتسليم "وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَاماً" (البقرة:١٢٤).

الرسالة ١٤ (٨٢) (الجزء الثانى)

ان الله عز و جل يامر المومن فى كتابه المجيد بالدعاء ١٥ واللجوء اليه وقد وردت آيات كثيرة فى هذا الشان، ففى هذه الرسالة يذكر الامامّ الشيخ محمد عاشق فقول: الدعاء واللجوء الى الله فى كل حال فى السراء والضراء اكسير قوى التأثير فى تهذيب النفس، وتطهيرها من رذائل العجب والانانية، والعنجهية والفطرسة، كما هو قوى التاثير فى الفوز بالنعم الظاهرة والباطنة ودفع اضرارها.

الرسالة ٨٩ (الجزء الثانى)

قد اختلف بعض العلماء في حياة الانبياء فى البرزخ، فما هو موقف الاسلام فيها؟ اقرأ معى هذه الرسالة التى بعث بها الى

Marfat.com

الشيخ بابا عثمانؒ الكشميرى يجيب عن سوال عن حياة الانبياء ويحكم حكما فصلا فى هذه القضية، حيث يقول: "فليعلم ان نصوص الكتاب والسنة تدل على موت الانبياء والعقد عليه والاجماع واحكام الموت جارية عليهم [١] ولكن ارواحهم تختص بامتياز، وهذا الامتياز يعبر بالحياة، كما نص القرآن الكريم فى شان الشهداء "وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُواْ فِىْ سَبِيْلِ اللّهِ أَمْوَاتاً بَلْ أَحْيَاء عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ" (آل عمران:١٦٩).

فهذه الحياة هى عبارة عن امتياز اختص به الشهداء ولاتستدل بهذه الآية على حياتهم الجسمانية.

الى هنا ينتهى هذاالمقال الوجيز المتواضع الذى يحتوى على دراسة بعض رسائل الامامؒ الرائعة وهذا فيض من فيض للفكر القرآنى للامامؒ المستقى من النبع العذب الفياض لكتاب الله العظيم. وما توفيقى الا بالله.

الهوامش

١ نقلها من الفارسية الى الاردية الاستاد خليق احمد نظامى وهى اثنتان واربعون رسالة، نشرها ادارة ندوة المصنفين، دهلى

٢ نقلها الى الاردية الشيخ المفتى نسيم احمد الفريدى وهى خمس عشرة وثلاثمائة رسالة. نشرها مجمع الشاه ولى الله فلت ، مظفر نگر.

٣ الرسائل السياسية

٤ نفس مصدر

٥ نفس مصدر

Marfat.com

٦ الرسائل النادرة

٧ نفس مصدر

٨ لايكلف الله نفسا الا وسعها (البقره/٢٨٦)
ياأهل الكتاب لاتغلوا فى دينكم: (النساء/ ١٧١)
ربنا لاتحمل علينا اصرا كما حملته على الذين من قبلنا
ولاتحملنا مالاطاقة لنا به. (البقره/٢٨٦)
يريدالله بكم اليسر ولايريد بكم العسر (البقره/١٨٥)

٩ الرسائل النادرة

١٠ الأية: وان يمسسك الله بضر فلا كاشف له الا هو وان يردك
الله بخير فلا رادّ لفضله يصيب به من يشاء من عباده وهو
الغفور الرحيم (يونس/ ١٠٧)

١١ الرسائل النادرة

١٢ نفس مصدر

١٣ واصبر على ما اصابك ان ذالك من عزم الاموم (لقمان/١٧)
فاصبر كما صبر اولو العزم من الرسل، (احقاف/٣٥)

١٤ الرسائل النادرة

١٥ يا ايها الذين أمنوا توبوا الى الله توبة نصوحا (التحريم/٨) ادعوا
ربكم تضرعا وخفية انه لايحب المعتدين (الاعراف/٥٥) واذا
سألك عبادى عنى فانى قريب اجيب دعوة الداع اذا دعانِ
فليستجيبوا لى وليؤمنوبى لعلهم يرشدون. (البقرة/١٨٦)

١٦ "وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ
قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىَ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ
اللّهَ شَيْئاً وَسَيَجْزِىُ اللّهُ الشَّاكِرِيْنَ" (آل عمران/١٤٤).

Marfat.com

شاہ ولی اللہ دہلوی کی فارسی میں قرآنی خدمات

پروفیسر عبدالقادر جعفری ☆

بارھویں صدی ہجری یا اٹھارویں صدی عیسوی میں غلط مذہبی تصورات اور مشرکانہ خیالات مروج ہو گئے تھے لہٰذا سنت رسول ﷺ کے احیاء اور خالص اسلامی عقائد و مسائل کی حکیمانہ تشریح و توضیح کی اشد ضرورت تھی خوش قسمتی سے یہ خدمت شاہ ولی اللہ نے انجام دی یہ سچ ہے کہ ان کی تصانیف ان کے زمانہ کی مروجہ روش سے علیٰحدہ اور ان کا طرز فکر جداگانہ تھا جس کا احساس خود انھیں بھی تھا لہٰذا فرماتے ہیں "ولا بد چون این ہفت نکتہ گفتہ شد باید دانست کہ مفہوم خلافت خاصہ برنہجی کہ بیان کردیم علمی است شریف کہ نور توفیق آن را در خاطر بندہ ضعیف ریختہ"۔

شاہ صاحب مفسر، محدث، فقیہ، فلسفی اور ماہر عمرانیات غرضیکہ مختلف الابعاد شخصیت کے مالک تھے مگر ان کی علمی سرگرمیوں اور سماجی اصلاحات کا مرکز قرآن کریم تھا۔ قرآن کریم کے فارسی ترجمہ، مختصر حواشی اور الفوز الکبیر کے مطالعہ سے ان کی قرآن سے وابستگی کا واضح اندازہ ہوتا ہے انہی تصانیف کا مختصر تعارف دانشمندان گرامی کے حضور پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

شاہ صاحب نے تجدید و اصلاح امت اور نشر و اشاعت دین حقیقی کے لیے جو عظیم الشان خدمات ان تصانیف کے ذریعہ انجام دیں وہ اتنی وسیع اور متنوع ہیں کہ ان کا احاطہ ایک مقالہ میں ناممکن ہے اس کے لیے کتابیں درکار ہیں لہٰذا کہنا

☆ صدر شعبہ فارسی و عربی، الہ آباد یونیورسٹی، الہ آباد

Marfat.com

پڑتا ہے۔

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گلچین بہار تو زدامان گلہ دارد

شاہ صاحب نے اپنے زمانہ میں غیر مسلموں کے اثرات قرآن وحدیث سے دوری کی وجہ سے پھیلی ہوئی بے راہ روی بے توفیقی اور غلط اندیشی کی کثرت سے علی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ کو دیکھ کر جس کے حدود یصدون عن سبیل اللہ تک پہنچتے ہیں فیصلہ کیا کہ ہدایت عام، اصلاح عقائد اور اللہ تعالیٰ سے قوی رابطہ کے لیے قرآن کریم کی ہدایات وتعلیمات کی تبلیغ سے زیادہ کوئی ذریعہ مؤثر نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ سچ ہے کہ۔

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

شاہ صاحب کے نزدیک اس کا واحد ذریعہ قرآن کا فارسی ترجمہ اور اس کی اشاعت تھا وہ خود اس سلسلے میں فرماتے ہیں "یہ زمانہ جس میں کہ ہم لوگ موجود ہیں اور یہ ملک جس کے ہم باشندہ ہیں اس میں مسلمانوں کی خیر خواہی تقاضا کرتی ہے کہ ترجمہ قرآن سلیس اور بامحاورہ فارسی میں بغیر اظہار فضیلت اور عبارت آرائی کے اور متعلق قصوں اور توجیہات کے ذکر کیے ہوئے کیا جائے تا کہ عوام وخواص یکساں طور پر سمجھ سکیں اور چھوٹے بڑے سبھی معانی قرآن کا ادراک کرسکیں اس لیے اس اہم کام کا داعیہ فقیر کے دل میں ڈالا گیا اور اس کے لیے مجبور کیا گیا اس سلسلے میں شاہ صاحب نے پہلے کے ترجموں پر غور کیا تا کہ جس ترجمہ کو معیار کے مطابق پایا جائے اس کی ترویج کی جائے اور یہ ترجمہ حتی الامکان اہل زمانہ کے ذوق کے مناسب ہو مگر ان ترجموں میں یا تو بے کیف طوالت ہے یا خلل انداز تقصیر و اجمال غرضیکہ ۱۱۵۱ھ میں مسودہ فتح الرحمان تیار ہوگیا اور ۱۱۵۶ھ میں خواجہ محمد امین کے

Marfat.com

اہتمام سے اس کتاب کی ترویج ہوئی اور

اللہ الحمد کہ آن نقش کہ خاطر می بست
آمد آخر ز پس پردۂ تقدیر پدید

شاہ ولی اللہ نے بتایا کہ قرآن حکیم سرچشمۂ ہدایت ہے جس کی ضیاء باریاں چشم بصیرت کے لیے لامحدود ہیں یہ مسلمانوں کے لیے ایک ضابطہ حیات ہے جس میں کسی قسم کی تبدیلی ناممکن ہے اس نے افراد اقوام کے لیے ایسے اصول و ضوابط بیان کیے ہیں جو ہر زمانے میں اور ہر مقام پر زندہ و باقی رہنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، قرآن سے رشتہ کمزور کر لینے کا لازمی نتیجہ انتشار و افتراق ہے آج ہم جس اضطراب میں مبتلا ہیں اور جس کرب نے ہمارے دلوں کو گھیر رکھا ہے اس سے نجات کی صورت یہی ہے کہ قرآن حکیم پر اپنی حکمت عملی کی بنیاد رکھیں اور یہ بھولیں کہ کتاب اللہ آج بھی سعادت اخروی کا سرچشمہ ہے، شاہ صاحب نے ترجمہ قرآن اور اس کے مقدمہ کے ذریعہ تطہیر عقائد اور اصلاح اعمال و اخلاق کی مؤثر عمیق اور وسیع کوشش کی۔

جیسا کہ اشارہ کیا گیا شاہ ولی اللہ نے جس عہد اور ماحول کو بدلنے کی فکر کی وہ زوال کی انتہا کو پہنچ چکا تھا انھوں نے اپنے ترجمہ قرآن کے ذریعہ اصلاح معاشرہ کا آغاز کیا۔ فتح الرحمٰن کو دوسرے فارسی تراجم کے مقابلہ میں جو امتیاز حاصل ہے اس کا ذکر اجمالاً کیا جاتا ہے۔

(۱) قرآن کی عبارت کا فارسی زبان کی لطافت کو دھیان میں رکھ کر ترجمہ کیا گیا ہے، زبان و ادائیگی عبارت میں اختصار اور مفہوم کی وضاحت کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔

(۲) قصص کی روایات میں درمیانی راہ اختیار کی گئی ہے۔

(۳) مختلف توجیہات میں علم حدیث اور علم فقہ کے اعتبار سے زیادہ موزوں اور صرفی و نحوی لحاظ سے مختصر الفاظ میں توجیہ کی گئی ہے۔

Marfat.com

(۴) قدیم تراجم یا تو تحت اللفظ یا حاصل المعانی ہیں جن کی وجہ سے قاری دشواریوں سے دوچار ہوتا ہے، شاہ صاحب کا ترجمہ درمیانی اور جامع ہے۔

(۵) شاہ صاحب نے اپنے ترجمہ میں فقہی نکات کا بھی لحاظ رکھا ہے۔

(۶) شاہ صاحب نے ترجمہ میں اس بات کا لحاظ رکھا ہے کہ اگر کسی آیت کے دو معنی ہوسکتے ہیں تو ایک کا ترجمہ میں ذکر کیا ہے اور دوسرے معنی کا حاشیہ میں۔

(۷) شاہ صاحب کے ترجمہ میں سلاست و روانی، حسن ادا، عبارت کی دلکشی و دل نشینی اور ندرت بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے جس نے ان کے ترجمہ کو دوسرے تراجم سے ممتاز بنادیا ہے۔

(۸) نحو کے مشہور اور ظاہری قواعد کی بعض آیات سے بظاہر عدم مطابقت کی توجیہ بھی قابل قدر ہے۔

(۹) ان کے انداز بیان میں معنویت اور استدلال میں وزن ہے۔

(۱۰) نسخ میں متقدمین اور متاخرین کے اصلاحی فرق کی توضیح ناسخ و منسوخ آیات میں تطبیق، صحابہ و تابعین کے تفسیری اختلافات کا حال ان کی اہم تحقیقات ہیں۔

(۱۱) قرآن مجید نے جن فرقوں کی تردید کی ہے ان کے اصلی اور صحیح خیالات و عقائد اور کمزوریوں کا بیان ان کی گمراہیوں اور غلط فہمیوں کے حقیقی اسباب اور ان کی تاریخ نفاق کی تشریح اور مسلمانوں کی بعض جماعتوں پر ان کی تطبیق فہم قرآن کی اساس ہے جو اختصار کے باوجود اس وضاحت کے ساتھ کسی بڑی تفسیر میں بھی نہیں ملتی۔

(۱۲) شاہ صاحب فقہی احکام پر موقع کے لحاظ سے گفتگو بھی کرتے ہیں اور حدیث و سنت سے استنباط بھی۔

(۱۳) سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نظم کو بھی اجاگر کیا ہے۔

Marfat.com

(۱۴) شاہ صاحب کا خیال ہے کہ قرآن کے صحیح مفہوم کو سمجھنے کے لیے اصطلاحی معنی اور لغوی معنی میں فرق کرنے کی صلاحیت لازمی ہے کیونکہ مفسرین نے اکثر قرآنی کلمات کی تفسیر جدید اصطلاحی معنی میں کی ہے لہٰذا چاہیے کہ قرآن کی تفسیر ان معانی کے اعتبار سے کی جائے جو نزول قرآن کے وقت مستعمل تھے، معنی کی حقیقت تک پہنچنے کے لیے لفظ کے معنی کا اس کے پہلے کلام کے موافق ہونا اور جملہ معانی ہدایت کے ساتھ اتفاق کرنا اور کتاب کے مقصود سے مناسبت رکھنا لازمی ہے، اس ضمن میں تفسیر کے اسلوبِ کلام وطرزِ ادا کا اتنا علم ضروری ہے جس سے قرآن کے اعلیٰ ترین طرز ادا کو سمجھا جا سکے۔

(۱۵) قرآن میں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے احوال وطبائع، انسان کے متعلق سنت الٰہی کا ذکر اور دنیا کی امتوں کے قصے ان کی سنتیں اور سیرتیں بیان کی ہیں اس ضمن میں بہت سے علوم کی ضرورت ہے جن میں تاریخ کا علم سب سے اہم ہے۔

مختصر یہ کہ فتح الرحمان پر شاہ صاحب کا تفسیری حاشیہ اور اصول ترجمہ پر لکھا ہوا مقدمہ بہت ہی اہم ہے، حاشیہ آیات کی ضروری تشریح اور مشکل مقامات کی وضاحت کرتا ہے اگرچہ اس میں اختصار سے کام لیا گیا ہے پھر بھی شان نزول، ربط آیات، ناسخ منسوخ، فقہی احکام اور تمثیلات پر خاصی گفتگو ہے جو ایک قاری کے لیے نہایت مفید ہے، مقدمہ مختصر ہونے کے باوجود بڑا بصیرت افروز اور عالمانہ ہے خود لکھتے ہیں ''این رسالہ ایست در قواعد ترجمہ مسمیٰ بالمقدمہ فی قوانین الترجمۃ کہ در وقت تسوید ترجمہ قرآن قلم بہ ضبط آں جاری شد'' غرض کہ شاہ صاحب عقائد کی تشریح وتفہیم اور اس کو سلف کے فہم ومسلک کے مطابق پیش کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے کیونکہ انھوں نے ایک طرف یونانی فلسفہ کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور علم کلام کا پورا سرمایہ ان کی نظر کے سامنے بلکہ ان کی دسترس میں تھا اور دوسری طرف وہ قرآن کے دقیق النظر مفسر علم حدیث کے ماہر اور اسرار

Marfat.com

و مقاصد شریعت کے رازداں بھی تھے اس لیے وہ لفظیت اور تاویل کے درمیان راہ اعتدال پر قائم رہے۔

شاہ صاحب نے قرآن مجید کے ترجمہ کے علاوہ علم تفسیر سے متعلق کتابیں بھی تحریر کیں ان میں ان کی فارسی تصنیف الفوز الکبیر فی اصول التفسیر خاصی اہمیت کی حامل ہے، اس کتاب میں تفسیر کے اصول بیان کیے گئے ہیں اس کے ذریعہ شاہ صاحب نے مسلمانوں پر ان حقائق کا انکشاف کیا جس سے وہ اغلب ناواقف تھے، اسلامی مسائل کی حکیمانہ توجیہ وتشریح اور تطبیق عقل ونقل اگرچہ بارھویں صدی ہجری کے عالم کے لیے بالکل نیا موضوع نہیں تھا لیکن یہ حقیقت ہے کہ شاہ صاحب سے پہلے پورے نظام شرعی کی حکیمانہ تشیح کہیں نہیں ملتی۔

اس اہتمام اور جامعیت کے ساتھ اس موضوع پر غالباً شاہ صاحب ہی پہلے مصنف ہیں جنھوں نے تفصیل سے لکھا ہے، مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ ''شاہ صاحب کی کتاب الفوز الکبیر فی اصول التفسیر بھی اگرچہ مختصر ہے لیکن پوری کتاب سراسر نکات وکلیات ہے اور فہم قرآن کے مشکلات کا علمی تجربہ ہے ایک قیمتی اور نادر بیاض ہے۔ شاہ ولی اللہ خود لکھتے ہیں ''اللہ تعالیٰ بہ لطفہ العظیم چون براین فقیر دری از فہم کتاب اللہ کشادند خواست کہ بعضی نکات نافعہ کہ در تدبر قرآن (کلام اللہ) یاران را بکار آید در رسالہ مختصری مضبوط نماید امید واری از عنایت حضرت باری تعالیٰ آن است کہ طالب علمان را بہ مجرد فہم این قواعد راہی واسع در فہم معانی کتاب اللہ کشادہ گردد کہ اگر عمری در مطالعہ تفاسیر یا گذرانیدن انہا بر مفسران بسر برند بآں ضبط وربط بدست نیارند''۔

شاہ صاحب نے الفوز الکبیر کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) علوم پنجگانہ جن کی نشان دہی قرآن کریم خاص طور سے کرتا ہے۔
(۲) نظم قرآن کی پوشیدگی کے اسباب اوران اسباب کی تفصیلی وضاحت۔
(۳) لطائف نظم قرآن کی وضاحت اور اس کے اسلوب کی تشریح۔

Marfat.com

(۴) فنون تفسیر کی تشریح اور صحابہ وتابعین کرام کے تفسیر اختلافات کی وضاحت۔
(۵) غرائب قرآن کی تشریح مع اسباب نزول۔

ان پانچوں علوم پر شاہ صاحب نے تفصیلی بحث کی ہے شاہ صاحب نے قرآن کی زبان اور نحوی وصرفی قاعدوں پر مفصل گفتگو کی ہے، ان کے نزدیک قرآن کو اس وقت کے عربوں کی زبان کے مطابق سمجھنا چاہیے اور صحابہ کرام اور تابعین کے آثار پر اعتماد کرنا چاہیے۔

وہ علماء نحو کے کسی ایک مسلک کو اختیار کرنے کے قائل نہیں، ناسخ ومنسوخ اور محکم ومتشابہ کا مسئلہ دشوار ہے شاہ صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں اس پر بحث کی ہے اور دوسرے مفسرین سے قدرے مختلف نظر آتے ہیں۔

حروف مقطعات کے سلسلے میں بھی شاہ صاحب دوسرے مفسرین سے جدا نظر آتے ہیں وہ انھیں علوم وہبیہ میں شمار کرتے ہیں اور انھیں سورتوں کے نام سے منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حروف سورتوں کے مطالب ومفاہیم کی نشاندہی کرتے ہیں۔

غرائب قرآنی کی تمام معتبر شروح کو شان نزول کے ساتھ بیان کیا ہے چنانچہ خود لکھتے ہیں ''مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے پانچویں باب میں غرائب قرآنی کی تمام معتبر شروح کو شان نزول کے ساتھ بیان کروں اور اس باب کو مستقل رسالہ قرار دوں۔

غرض کہ شاہ صاحب کی ادبی خصوصیات کو مختصراً یوں بیان کیا جاسکتا۔
(۱) دقت نظر (۲) وسعت نظر (۳) سلاست فہم (۴) سلاست بیان (۵) قوت انشاء وتعبیر۔

شاہ ولی اللہ اسلام کے بہترین مفکر، حکیم اور زبردست عالم ربانی اور فلسفی تھے، ان کی شریعت اور طریقت کی تطبیق کی کوشش قابل ستائش وصد آفریں ہے اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ کے سلسلے میں خود وہ فرماتے ہیں ''اللہ

Marfat.com

پاک نے مجھ کو وہ قدرت بیان بھی عطا فرمائی ہے جس سے کام لے کر میں اس مسئلہ کی بہترین وضاحت کرسکوں اور ایسی وضاحت کہ پھر کوئی شک اور اشکال باقی نہ رہ سکے"۔

ہم دیکھتے ہیں کہ شاہ صاحب نے متقدمین کے طریق فکر و استنباط کا عمیق جائزہ لیا جو باتیں قابلِ اعتراض نظر آئیں ان سے احتراز کیا، احادیث رسول اور آثار صحابہ وتابعین اور اقوال مجتہدین پر تحقیق وتجسس کی نگاہ ڈالی تاکہ ہر مسئلہ میں شرع کا صحیح حکم معلوم ہوسکے، اگر آیت قرآنی میں مختلف پہلوؤں کا احتمال ہوتو حدیث نبوی کو کسی ایک پہلو کی تعیین کے لیے حکم بنایا جائے، شاہ صاحب فرسودہ اصولوں کی تقلید نہیں کرتے بلکہ ان کا انحصار اور اعتماد اپنے فہم اور طمانیت قلب پر ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا دلائل وحقائق کی روشنی میں چند آیات کا ترجمہ شاہ صاحب کے ترجمہ اور دوسرے تراجم سے نقل کیا جاتا ہے جو شاہ صاحب کے ترجمہ کی فوقیت اور مترجمین کے درمیان شاہ صاحب اور ان کے ترجمہ کا مقام متعین کرنے میں ممد و معاون ہوگا۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اهدِنَا الصِّرَاطَ الْمُستَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنعَمتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّالِّيْنَ۔

ترجمہ شیخ سعدی

بنام خدائی بخشایندہ مہرباں
جمیع ستائش مر خدائی را کہ پروردگار عالمیان است بخشایندۂ مہربان

Marfat.com

خداوند روز جزا، ترامی پرستیم واز تو یاری می خواہیم، راہ نما مارا راہ راست راہ آنیکہ انعام کردہ ای برایشان نہ راہ آں کسانیکہ خشم گرفتہ برانہا و نہ راہ گمراہان۔

ترجمہ شاہ ولی اللہ

ستایش خدارا است پروردگار عالمہا، بخشایندۂ مہربان خداوند روز جزا ترامی پرستیم واز تو مدد می طلبیم بنما مارا راہ راست راہ آنانکہ اکرام کردہ ای رایشان بجز آنانکہ خشم گرفتہ شد برانہا و بجز گمراہان۔

ترجمہ دکتر سید جلال الدین مجتبوی استاد دانش گاہ تہران ۱۴۱۳ھ چاپ وزارت فرہنگ ارشاد اسلامی ایران۔

بنام خدائی بخشایندہ مہرباں

سپاس وستایش خدای راست، پروردگار جہانیان، آں بخشایندۂ مہربان خداوند وفرمانروای روز پاداش وترامی پرستیم وبس واز تو یاری می خواہیم وبس نہ راہ خشم گرفتگان برانہا و نہ راہ گمراہان۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ، ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ یُنفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا أُنزِلَ إِلَیْکَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِکَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ أُوْلٰئِکَ عَلٰی هُدًی مِّن رَّبِّهِمْ وَأُوْلٰئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ إِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَاءٌ عَلَیْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ خَتَمَ اللهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ وَعَلٰی أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔

Marfat.com

ترجمہ شیخ سعدی

منم خدائی دانا ترایں کتابی است روشن کہ نیست ہیچ شک درآن، راہ نمایندۂ مر پرہیزگاران را آنانکہ ایمان می آرند بنادیدہ وبپائی دارند نماز را و آنچہ روزی دادیم ایں ہارا نفقہ می کنند و آنانکہ می گروند بآنچہ فرد فرستادہ شدہ است بسوی تو بآں چہ منزل گشتہ پیش از تو بآخرت ایشانند یقین آرندگان آن گروہ بر راہ راست انداز پروردگار اینہا و آن گروہ ایشانند رستگاران بدرستی آنانکہ کافر شدند یکسان است براینہا آیا بیم کنی اینہا را یا تخویف نہ کنی اینہارا نمی گردند مہر نہادہ است خدای بردلہای اینہا و بر گوشہای اینہا و بردیدہ ہای اینہا پوششی است مراینہا راست عذابی بزرگ۔

ترجمہ شاہ ولی اللہ

این کتاب ہیچ شبہ نیست درآن رہنما است پرہیزگاران را آنانکہ می گروند بنادیدہ و برپا میدارند نماز را واز آنچہ ایشان را روزی دادہ ایم خرج من کنند و آنانکہ ایمان می آرند بآنچہ فرود آوردہ شد بسوی تو و آنچہ فرو آوردہ شد پیش از تو و بآخرت ایشان یقین دارند ایشانند بر ہدایت از جانب پروردگار خویش وایشانند رستگاران ہر آئینہ آنانکہ کافر شدند برابر است بر ایشان کہ ترسانی ایشان را یا نہ ترسانی ایمان نیارند مہر نہاد خدا بردلہا می ایشان و برشنوائی ایشان و برچشمہائی ایشان پردہ ایست وایشان را است عذاب بزرگ۔

ترجمہ دکتر سید جلال الدین مجتبوی ۱۴۱۳ھ

الم واین کتاب ہیچ شکی درآن نست راہنمائی پرہیزگاران است، آنانکہ بہ غیب نہان و پیدا ایمان دارند ونماز را برپا می دارند واز آنچہ روزیشان کردہ ایم انفاق

Marfat.com

می کنند، وآنان کہ بہ آنچہ بہ تو وآنچہ پیش از تو فروفرستادہ شدہ ایمان می آورند و بہ جہان واپسین بی گمان باوردارند، ایشان بر رہنمونی (بہ راہ راست) از پروردگار خویشند وآنانند رستگاران، کسانی کہ کافر شدند بر ایشان یکسان است کہ بیم دھے شان یا بیم ندھی ایمان نمی آورند، خداوند بر دلہا شان وبر گوشہا شان مہر نہادہ وبر دید گانش پردہ ایست وانہارا عذابی است بزرگ۔

مختصر یہ کہ فتح الرحمٰن اور الفوز الکبیر دعوت الی القرآن اور تدبر قرآن کی صلاحیت پیدا کرنے اور امت کی اصلاح کا جذبہ پیدا کرنے کے سلسلہ میں شاہ صاحب کی ایک تجدیدی اور انقلابی خدمت ہے اور سچ یہ ہے کہ اس خدمت کو اجتہادی نہ کہہ کر اگر الہامی کہا جائے تو غالباً نہ کوئی بیجا بات ہوگی اور نہ مبالغہ۔

Marfat.com

شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمہ کی قرآنی بصیرت

پروفیسر زبیر احمد فاروقی ☆

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی اصلاحی کوششوں کا سب سے اہم پہلو قرآن کریم کے ذریعہ معاشرہ کی اصلاح سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ پر یہ حقیقت آشکارا ہوگئی تھی کہ امت کو جن امراض نے گھیرا ہے ان کا سب سے اہم سبب لوگوں میں قرآن سے دوری اور ان میں عربی زبان سے نابلد ہونے کی وجہ سے قرآن کے مفہوم کو سمجھنے اور اس میں غور وخوض کرنے کی استطاعت سے محرومی ہے۔ آپ کی نظر میں اصلاح عقائد اور خدا سے ربط پیدا کرنے کا سب سے مؤثر ذریعہ قرآن کی تبلیغ تھا۔ اسی احساس کے زیر اثر آپ نے فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن کے نام سے فارسی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا۔ اس ترجمہ کے محرکات کی تفصیل خود شاہ صاحب کے الفاظ میں سنیے، تفسیر فتح الرحمٰن کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

یہ زمانہ جس میں کہ ہم لوگ موجود ہیں اور یہ ملک جس کے ہم باشندہ ہیں اس میں مسلمانوں کی خیر خواہی تقاضا کرتی ہے کہ ترجمہ قرآن سلیس اور بامحاورہ فارسی میں بغیر اظہار فضیلت اور عبادت آرائی کے اور متعلق قصوں اور توجہات کے ذکر کے بغیر کیا جائے تاکہ عوام وخواص یکساں طور پر سمجھ سکیں اور چھوٹے بڑے سبھی معانی قرآن کا ادراک کرسکیں اس لیے اہم کام کا داعیہ فقیر کے دل میں ڈالا گیا اور اس کے لیے مجبور کیا گیا۔ اسی میں مقدمہ شاہ صاحب نے اپنے قرآن فہمی کے

☆ سابق صدر شعبۂ عربی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

Marfat.com

عمومی پروگرام کی بھی وضاحت کی ہے۔فرماتے ہیں:

''متن قرآن کے بعد بچوں کو چند مختصر فارسی کتابیں پڑھائی جائیں، پھر یہ کتاب (فتح الرحمٰن) پڑھائی جائے۔ چونکہ اہل حرفہ اور سپاہیوں کے بچوں کو عربی کی تعلیم پوری حاصل کرنے کی امید نہیں ہوتی اس لیے یہ کتاب بچپن ہی میں پڑھا دینی چاہئیں تا کہ سب سے پہلے جو چیز ان کے دماغ میں آئے وہ اللہ کی کتاب کے مطلب ہوں''۲۔

آپ کے اس ترجمہ نے قرآنی علوم کی نشر و اشاعت اور مختلف زبانوں میں ان کی تفسیر کا دروازہ کھول دیا اور آپ کی اقتداء میں آپ کے دو صاحب زادوں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر نے قرآن کریم کا اردو میں ترجمہ کیا جب کہ آپ کے تیسرے صاحب زادے شاہ عبدالعزیز نے تفسیر عزیزی کے نام سے فارسی میں قرآن کی تفسیر لکھی، اسی طرح آپ کے مشہور تلمیذ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے دس جلدوں میں تفسیر مظہری لکھی پھر اس کے بعد تراجم اور تفاسیر کا ایک طویل سلسلہ ہے جو آج تک جاری ہے۔ بقول مولانا عبدالماجد دریابادی:

''ہندوستان میں قرآن فہمی کا چرچا آج جو کچھ نظر آتا ہے اور یہ اردو اور انگریزی اور دوسری زبانوں میں جو بیسیوں ترجمے شائع ہو چکے ہیں ان کے اجر و ثواب کا جز و اعظم یقیناً شاہ صاحب کے حسنات میں لکھا جائے گا کہ یہ چراغ اسی چراغ سے روشن ہوئے ہیں۔ اگر اس کی ابتدا آپ اپنے مبارک ہاتھوں سے نہ کرتے نہ شاہ رفیع الدین کا اردو ترجمہ وجود میں آتا نہ شاہ عبدالقادر کا اور متاخرین کا تو ذکر ہی کیا''۳۔

ہندوستان میں فارسی زبان کی اس طویل عمل داری میں جس کی مدت سات صدیوں سے کم نہ تھی قرآن مجید کے فارسی میں ایک درجن بھی ترجمے ہوتے

Marfat.com

تو تعجب کی بات نہ تھی لیکن حسن ابن محمد علقمی المشہور بنظام نیشاپوری ثم دولت آبادی کے ترجمہ کا سراغ نہیں لگتا، نیشاپوری کا یہ فارسی ترجمہ ان کی عربی تفسیر "غرائب القرآن" میں شامل ہے"[۴]

ہندوستان میں شیخ سعدیؒ کے ترجمہ کے نام سے ایک ترجمہ مشہور تھا اور اگرچہ وہ بھی شیخ کی مقبول عالم تصنیفات گلستاں اور بوستاں کی طرح رائج اور متداول نہیں تھا لیکن پھر بھی کہیں پایا جاتا تھا مگر اس کا انتساب شیخ سعدی کی طرف صحیح نہیں، تحقیقی بات یہ ہے کہ وہ علامہ سید شریف علی الجرجانی (م۸۱۶ھ) کا کیا ہوا ہے، تفسیر حقانی کے مولف مولانا عبدالحق حقانی کا چشم دید بیان ہے کہ:

"جس کو آج کل جہلاء سعدی کا ترجمہ کہتے ہیں وہ دراصل سید شریف کا ترجمہ ہے صاحب مطبع نے میرے سامنے رواج دینے کے لیے سعدی کی طرف منسوب کر دیا ہے"[۵]

امام سرخسی نے یہ بات نقل کی ہے کہ قرآن کریم کے معانی کا ترجمہ سب سے پہلے سلمان فارسی نے اپنی مادری زبان (فارسی) میں کیا[۶]۔

فارسی ترجمہ کے علاوہ قرآن کریم اور اس کے علوم پر شاہ صاحب کی مندرجہ ذیل تصانیف ہیں:

۱- مقدمہ فی قوانین الترجمہ (فارسی)

یہ قرآن کے ترجمہ کے اصول سے متعلق ایک مختصر رسالہ ہے۔

۲- الفوز الکبیر فی أصول التفسیر

۳- تاویل الأحادیث فی رموز قصص الأنبیاء

یہ امر کسی اہل علم پر مخفی نہیں ہے کہ شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کے تعلیمی اور اصلاحی مشن کا احیاء اور اس کو باقی رکھنے والی جماعت علماء دیوبند ہے، دیوبندی فکر کے مدرسہ کو قائم کرنے والوں کا روحانی اور فکری سلسلہ شاہ صاحب سے ہی ملتا ہے۔ بانی دارالعلوم مولانا محمد قاسم نانوتوی کی نظر میں شاہ صاحب ان افراد امت

Marfat.com

میں سے ہیں کہ اگر سرزمین ہند میں اگر صرف شاہ ولی اللہ پیدا ہوتے تو ہندوستان کے لیے یہ فخر کافی تھا۔

شاہ ولی اللہ صاحب کی مشہور و معروف تصنیف حجۃ اللہ البالغہ علماء دیوبند کے نزدیک ہمیشہ درس و تدریس اور بحث و تحقیق کا موضوع رہی ہے۔ حال ہی میں دارالعلوم کے ایک فاضل استاذ مولانا سعید احمد پالنپوری نے اس کتاب کی ایک نہایت ہی مبسوط شرح تصنیف کی ہے۔ مولانا موصوف نے اصول تفسیر کے موضوع پر شاہ صاحب کی مشہور کتاب ''الفوز الکبیر'' کی بھی عربی شرح ''العون الکبیر'' کے نام سے لکھی ہے۔ اسی طرح شاہ صاحب کی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور ان کے علمی مرتبہ کو علماء دیوبند نے اپنی تحریروں میں وقتاً فوقتاً تفصیلی اور تحقیقی انداز میں اجاگر کیا ہے ان میں مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا سید مناظر احسن گیلانی، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا خیر محمد پالنپوری، مولانا محمد منظور نعمانی اور مولانا اخلاق حسین قاسمی کے اسماء خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

جہاں تک حضرت شاہ صاحب کی قرآنی خدمات کا تعلق ہے اس موضوع پر علماء دیوبند میں سے مولانا مناظر حسن گیلانی اور مولانا عبیداللہ سندھی نے قدرے تفصیل سے بحث کی ہے۔

الفرقان کے شاہ ولی اللہ نمبر میں مولانا مناظر احسن گیلانی نے شاہ صاحب پر ایک مبسوط مقالہ تحریر کیا ہے جس میں آپ کی زندگی، اصلاحی کوششوں اور علمی خدمات کا شاید ہی کوئی ایسا گوشہ ہو جس پر تفصیل سے روشنی نہ ڈالی ہو، صرف یہی نہیں بلکہ اس عہد کے سیاسی خلفشار، سماجی بدامنی اور اخلاقی تنزل کا بھی تفصیلی جائزہ لیا ہے۔

شاہ صاحب کے ترجمہ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

''سب سے بڑا کام کم از کم میرے ناچیز کے خیال میں شاہ صاحب کا یہ ہے کہ سب سے پہلے ان ہی نے ہندوستان میں

Marfat.com

قرآن و حدیث کے ترجمہ کی بنیاد بڑی جرأت اور ہمت سے کام لے کر بالآخر ڈال دی تھی۔ اگرچہ انھوں نے فارسی میں قرآن کا بھی ترجمہ کیا اور حدیث کی قدیم ترین کتاب موطا امام مالک کا بھی ترجمہ فارسی ہی میں کیا کہ ان کے زمانے تک غالباً اردو عام طور پر لکھنے پڑھنے کی زبان نہیں بنی تھی جو بھی لکھنا پڑھنا جانتے تھے وہ فارسی ہی میں لکھتے پڑھتے تھے۔ لیکن جوں ہی اردو نے قدم آگے بڑھایا اور اس راہ میں اس نے بڑی تیزی دکھائی تو محض اس لیے کہ شاہ صاحب کا نمونہ فارسی میں موجود تھا آپ کے صاحب زادوں میں سے حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے بامحاورہ اردو میں اور شاہ رفیع الدین صاحب نے لفظی ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل فرمائی یہ بات کہ ان حضرات کو ترجمہ کرنے کا خیال اپنے والد کے ترجمہ ہی کی بنیاد پر ہوا موضح القرآن میں اس کے متعلق شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں: بندہ عاجز عبدالقادر کے خیال میں آیا کہ جس طرح ہمارے بابا صاحب بڑے حضرت شیخ ولی اللہ عبدالرحیم صاحب کے بیٹے سب حدیثیں جاننے والے ہندوستان کے رہنے والے نے فارسی زبان میں قرآن کے معنی آسان کر کے لکھے ہیں اسی طرح اس عاجز نے ہندی (ہندوستانی) زبان میں قرآن شریف کی معنی لکھے" ے۔

مولانا عبیداللہ سندھی بقول سید محبوب رضوی مرتب تاریخ دارالعلوم دیوبند عہد حاضر میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفہ کے سب سے بڑے داعی اور علم بردار تھے، قرآن، حدیث، فقہ اور تصوف سے متعلق علوم میں شاہ صاحب نے جو تجدید فرمائی ہے، مولانا سندھی اس کے ایک عظیم شارح تھے، ہر چند ان کی علمی فضیلت اور سیاسی سوجھ بوجھ کے سب ہی قائل تھے۔ حکمت ولی اللہ کی روشنی میں

Marfat.com

کتاب وسنت کی تشریح اور عہد حاضر کے مسائل کا حل نکالنے کے لیے ہی انھوں نے جامعہ ملیہ اسلامیہ میں بیت الحکمت کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا اور بعض معرکۃ الآراء مضامین بھی لکھے جن میں الفرقان کے شاہ ولی اللہ نمبر کا مضمون بڑا اہم اور فکر انگیز ہے۸

مذکورہ بالا مضمون میں جس کا عنوان ہے امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا اجمالی تعارف مولانا عبیداللہ سندھی شاہ صاحب کے ترجمہ قرآن کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''قرآن کریم کا مذکورہ بالا ترجمہ میرے نزدیک ایک ہندوستانی کے لیے تمام تفاسیر سے بہتر کتاب ہے اس کو ازبر کر لینے کے بعد دوسری تفاسیر پڑھنی چاہیے تب کہیں ان سے استفادہ کیا جاسکتا ہے''۹

قرآن شریف کو عامۃ المسلمین کے اذہان کے قریب لانا ضروری تھا، مسلمانوں کی ذہنی سطح استوار کرنے کے لیے سب سے پہلے شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم نے یہ بہترین راستہ اختیار کیا کہ متن قرآن عظیم تحقیق و تفہیم سے پڑھانے لگے، اس سے پہلے علماء کا یہ دستور ہے کہ قرآن شریف فقط تلاوت کرنے کے لیے پڑھاتے اور مطالب سکھانے کے لیے جس فن سے انھیں دلچسپی ہوتی اس قسم کی ایک تفسیر طالب علم کو پڑھاتے جس سے قرآن شریف گویا اس فن کی ایک اعلیٰ کتاب بن جاتی اور جو اخلاقی ذہنیت استاذ کی طبیعت میں مذکورہ ہوتی تفسیر پڑھنے سے اور راسخ ہو جاتی ہے:

شاہ ولی اللہ صاحب نے متن قرآن کی حقیقت اپنے اشراق سے اس طرح معین کر لی کہ یہ کتاب بذات خود ایک کامل مکمل نصاب ہے اس پر اضافہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہندوستانی مسلمانوں کی زبان فارسی تھی سن ۱۱۵۰ میں آپ نے اس کتاب مجید کی فارسی میں فتح الرحمٰن کے نام کی تدریس کا افتتاح ہوا۔ آپ نے

Marfat.com

ترجمہ کے ساتھ مختصر طور پر تشریحی فوائد بھی لکھے جن کی اہمیت میں یورپ جا کر سمجھ سکتا ہوں۱۰۔ مثال کے طور پر آپ نے کتب علیکم القصاص فی القتلی اور سورہ رعد کی آخری آیتوں اولم یروا انا ناتی الأرض ننقصها من اطرافها واللہ یحکم لامعقب لحکمه واللہ سریع الحساب کے سلسلہ میں شاہ صاحب کی تفسیر اور حاشیہ کا حوالہ دیا۔ اول الذکر آیت میں قصاص کا ترجمہ مساوات اور مماثلت کیا گیا ہے جو غالباً آپ کو کسی اور تفسیر میں نہیں ملے گا۔ انسانی مساوات کو عین حیات قرار دیا گیا ہے کما قال تعالیٰ شانه ولکن فی القصاص حیاة یا اولی الالباب لعلکم تعقلون ۔ بقول علامہ سندھی ''ہمارے دور میں جب کہ ہم یورپ سے اشتراک عمل کرنے پر مجبور ہیں اور یورپین نظریات کو ہم بڑی عزت وعظمت سے لیتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں انسانی سوسائٹی کو تحلیل کرنے والے حکماء مسلمانوں میں کم نظر آتے ہیں تو نوجوان مسلمان کے دماغ پر اس کا اچھا اثر نہیں پڑتا وہ یہاں پہنچ کر اپنی خودی گم کرنے لگتا ہے اگر اساسی چیز اس کو قرآن حکیم میں سے سمجھا دی جائے تو وہ تفصیلات اچھے عالم سے کہہ سکتا ہے اور اس کی اسلامیت کو کوئی صدمہ نہیں پہنچ سکتا۱۱۔

مولانا سندھی نے اپنے طویل مضمون میں شاہ صاحب کی مشہور کتاب الفوز الکبیر کی خصوصیات کو بہت شرح وبسط کے ساتھ واضح کیا ہے اور تفسیر قرآن کے حوالے سے آپ کی انفرادیت کے مخالف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔

آیات احکام کے شان نزول کے سلسلہ میں شاہ صاحب نے دیگر مفسرین کی آراء سے مختلف اپنی حکیمانہ رائے بیان کی ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا سندھی لکھتے ہیں:

''ائمہ فقہاء نے بالاتفاق یہ مسئلہ درج کیا ہے کہ اگر قرآن شریف میں ایک آیت بلفظ عموم نازل ہوئی اور مفسرین اس کا کوئی خاص واقعہ سبب بتاتے ہوں تو قرآن فہمی میں عموم الفاظ ہی مدنظر رہے گا

Marfat.com

خصوصیت عمل کو اس میں دخل نہیں ہوگا۔ اس قاعدے پر اتفاق کرتے ہوئے آپ جس تفسیر کو اٹھا کر دیکھیں گے ہر آیت کے ماتحت ایک جزئی واقعہ پائیں گے مثلاً یہ آیت ابوجہل کے حق میں یہ عبداللہ بن ابی منافق کے بارے میں نازل ہوئی یہ حضرت ابوبکر صدیق کی فضیلت میں اتری میں اہل بیت کے فضائل کا بیان ہے۔ عام اساتذہ اور طلبہ کو آپ انھیں جزئی چیزوں میں غور کرتا ہوا پائیں گے۔ شاہ صاحب نے ''الفوز الکبیر'' کی ابتدا میں اس غلطی کو نہایت وضاحت سے بیان کر دیا اور آیات احکام کا مطلب یہ بتلایا کہ اجتماعی طور پر انسانوں میں جو بداخلاقیاں اور بداعمالیاں موجود ہیں اس کو ان آیات کا سبب نزول سمجھنا چاہیے۔ عرب یا عجم کے تقدم یا تاخر سے ان کا کوئی تعلق نہیں، الفوز الکبیر میں ہے ''محقق آنست کہ وجود اعمال فاسدہ و جریان مظالم درمیان ایشان سبب نزول آیات احکام است'' ۱۲۔

اسی طرح مابعدالموت مسائل کے سلسلہ میں شاہ صاحب کی رائے عام مفسرین اور مفکرین سے الگ ہے ''عقدہ لاینحل'' کے عنوان کے تحت مولانا سندھی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہاں ایک پیچیدگی غلط تفسیر سے پیدا ہوئی جس نے مسلم مفکرین کے اذہان کو جامد بنا رکھا ہے۔ مابعدالموت کے مسئلہ پر غور کرنے سے پیش تر انسانی روح کو سمجھنا از حد ضروری ہے۔ عام مفسرین نے روح کے علم کو متشابہات میں داخل کر رکھا ہے کوئی مفکر اس کے قریب نہیں جاسکتا اس لیے تمام مسائل مابعدالموت تحت اللفظ ترجمہ پڑھنے سے زیادہ قابل غور نہیں سمجھے جاتے یہاں تک کہ عقائد کی کتابوں میں توحید اور نبوت کا مسئلہ تو عقلی مانا جاتا ہے اور

Marfat.com

عذاب القبر کو صرف اس لیے مانا جاتا ہے کہ حدیث شریف میں اس کا ذکر موجود ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی تالیفات میں مسلمانوں کو اس غلطی سے بچالیا ہے۔ مابعدالموت زندگی جو قرآن ثابت کرتا ہے ان کے یہاں مسلسل عقلی نتائج کا مجمل بیان ہے، عقل صالح کی پوری تائید کے بغیر کوئی چیز قرآن منوانے کی خواہش نہیں رکھتا۔ اس لیے ہمارے دور میں جب سے ہندوستان سے اسلامی حکومت چلی گئی ہے شاہ صاحب کے ان افادات پر توجہ نہ کرنا مسلمانوں کی سب سے بڑی بدقسمتی ہے'' ۱۳۔

مولانا سندھی کے الفاظ میں اس کا اثر یہ ہوا کہ ایک تو قرآن بے معنی ناقابل فہم ہوگیا اور متشابہات میں غور نہ کرنا ایک اصول اور عقیدہ مقرر ہوگیا اور جب کسی کتاب کی نسبت سے عقیدہ بنایا جائے کہ اس کے بعض حصے ناقابل فہم ہیں تو انسانی عقول کے لیے ساری کتاب مشتبہ بن جاتی ہے۔

قرآن پاک میں جو آیات متشابہات کے زمرے میں ہیں ان کے بارے میں عام رائے یہ ہے کہ وہ ناقابل فہم ہیں اور ان میں بحث کرنا فتنہ کا دروازہ کھولنا ہے اس سلسلہ میں آیت کریمہ ''وما یعلم تاویله الا الله'' پیش کی جاتی ہے اور والراسخون فی العلم کو اس سے منقطع کردیا جاتا ہے یہاں پر حاشیہ میں شیخ الحدیث ابن تیمیہ کے رسالہ ''الاکلیل فی المتشابه والتاویل'' سے یہ اقتباس پیش کیا گیا ہے:

قال شیخ الاسلام لم یقل فی المتشابه لا یعلم تفسیره معناه الاالله وانما قال ومایعلم تاویله الاالله الم ینف علیهم بمعناه وتفسیره بل قال کتاب انزلناه الیک مبارک لیدبروا آیاته وهذا یعم المحکمات والمتشابهات) متشابہ کے بارے میں یہ نہیں کہا کہ اس کی تفسیر اور معنی خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا بلکہ فرمایا کہ اس کی تاویل خدا کے علاوہ کسی کو

Marfat.com

معلوم نہیں گویا معنی اور تفسیر کے علم کی نفی نہیں کی گئی پھر یہ فرمایا کہ (یہ مبارک کتاب ہے جو ہم نے نازل کی تا کہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں) اور اس میں محکمات اور متشابہات دونوں شامل ہیں۔ اس طرح حسن بصری کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے **وما انزل اللہ آیتہ الا وھو یجب ان یعلم فی ما انزلت وما** .....اس استدلال کی روشنی میں مولانا سندھی شاہ صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں:

> ''شاہ صاحب کے علوم میں یہ خاص قوت ہے کہ وہ متشابہات کے معانی **راسخین فی العلم** کے لیے تحقیقی راہ سے سمجھا سکتے ہیں بے شک ہر طالب علم اس درجہ پر نہیں پہونچ سکتا لیکن اگر وہ اپنی جدو جہد جاری رکھے تو رسوخ فی العلم کا مرتبہ حاصل کر لینا اس کے لیے ناممکن نہیں ہے'' ۱۴؎

مولانا سندھی حضرت شاہ صاحب کو **راسخین فی العلم** کا امام مانتے ہیں اور رسوخ فی العلم کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ ایسے عالم کی معلومات میں کہیں تناقض نہ ہو جو چیزیں بظاہر متعارض ہیں اس کی نظر میں وہ ایک قاعدے کے اندر جمع ہو جاتی ہیں بعینہ اسی طرح جس طرح کہ شاہ صاحب وحدت شہود اور وحدت وجود کے درمیان تطبیق پیدا کرتے ہیں ۱۵؎۔

قرآن پاک میں انبیاء کے قصوں کی بے ترتیب تکرار عام انسان کے لیے اکتاہٹ کا سبب بن جاتی ہے لیکن اگر ان قصوں کو شاہ صاحب کے بیان کردہ تین اصولوں تذکیر بآلاء اللہ، تذکیر بایام اللہ اور تذکیر بالموت ومابعدہ کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن مطلق تذکیر کے لیے نازل ہوا۔ یہاں بھی مولانا سندھی شاہ صاحب کی انفرادیت پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تذکیر مذکور کی بحث کو مستقل طور پر کسی نے ہاتھ نہیں لگایا۔ عام واعظ اور قصہ گو لوگ ان آیتوں میں تصرف کرتے ہیں اور ان کی بحثیں ایک طرح کے تلاعب کے درجہ تک جا پہونچیں'' ۱۶؎۔

Marfat.com

تذکیر کی ان آیات کی تفسیر کے سلسلہ میں مفسر کا علمِ طبیعات، فلسفہ تاریخ اور الٰہیات پر پورا عبور ہونا ضروری ہے۔

اسی طرح مولانا سندھی نے نسخ فی القرآن کی بحث کے سلسلہ میں شاہ صاحب کی منفرد حکیمانہ رائے کی تفصیل سے وضاحت کی ہے جس کی رو سے نسخ صرف پانچ آیتوں میں منحصر ہے جب کہ بقول شاہ صاحب متقدمین اہل علم ۵۰۰ آیتیں منسوخ مانتے ہیں اور شیخ جلال الدین سیوطی اتقان میں بیس سے زیادہ آیتیں منسوخ نہیں تسلیم کرتے، شاہ صاحب ان بیس آیات میں سے بھی ۱۵ آیتوں کے درمیان تطبیق پیدا کر کے صرف پانچ کو منسوخ مانتے ہیں ۱۷۔

مولانا سندھی کے نزدیک قرآن شریف کا مقصد متعین کرنے کے لیے حجۃ اللہ البالغہ کا باب الحاجۃ الی دین ینسخ الادیان اور اس کے بعد ازالۃ الخفاء میں "ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق" کی تفسیر پڑھنی ضروری ہے دونوں کتابوں کے مذکورہ بالا مباحث پڑھنے کے بعد اس سوال کا تشفی بخش جواب مل جاتا ہے کہ اسلام کو تمام ادیان پر فوقیت دینا کیوں ضروری ہے ۱۸۔

حواشی و مراجع

مقدمہ تفسیر فتح الرحمٰن بحوالہ مولانا سید ابوالحسن ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ، ۱۹۸۴ء، حصہ پنجم، ص ۱۴۶

مقدمہ تفسیر فتح الرحمٰن بحوالہ مولانا عمید الزماں قاسمی کیرانوی، شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تجدیدی خدمات، ترجمان دارالعلوم، اگست، ۲۰۰۳ء، ص ۱۴

مولانا عبدالماجد دریا آبادی، ہندوستان میں قرآن کا چرچا اور شاہ ولی اللہؒ، الفرقان، شاہ ولی اللہ نمبر، ص ۱۳

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، حصہ پنجم، بحوالہ جائزہ تراجم قرآنی، شائع کردہ معارف القرآن، دارالعلوم دیوبند، ص ۱۳-۱۴

Marfat.com

۵ البیان فی علوم القرآن، مقدمہ تفسیر از مولانا عبدالحق حقانی، ص ۵۰۷، بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ پنجم، ص ۱۴۵

۶ سرخسی، المبسوط، ۱/ ۳۷، بحوالہ بدرالحسن قاسمی، قرآن کریم کے ساتھ امت مسلمہ کا شغف اور اس کا اسلوب وانداز، ترجمان دارالعلوم دیوبند، اگست، ۲۰۰۳ء

۷ مولانا سید مناظر احسن گیلانی، آغوش موج کا درتابندہ یا اسلامی ہند کے طوفانی عہد میں خدا کا ایک وفادار بندہ، الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر، ص ۲۰۵

۸ محبوب رضوی، تاریخ دارالعلوم دیوبند، حصہ دوم، ص ۶۷

۹ مولانا عبید اللہ سندھی، امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف، الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر، ص ۲۵۰

۱۰ ایضاً، ص ۲۴۹

۱۱ ایضاً، ص ۲۴۹

۱۲ ایضاً، ص ۲۴۳

۱۳ ایضاً، ص ۲۴۵-۲۴۶

۱۴ ایضاً، ص ۲۵۱

۱۵ ایضاً، ص ۲۵۳

۱۶ ایضاً، ص ۲۴۵

۱۷ ایضاً، ص ۱۲۵۶

۱۸ ایضاً، ص ۲۵۸

Marfat.com

ہندوستان میں قرآن کی عوامی مقبولیت
اور حضرت شاہ ولی اللہ کی خدمات

ڈاکٹر محمد اسحاق ☆

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے عہد میں ہندوستان ہر اعتبار سے روبہ زوال تھا۔ ملک کی اقتصادی، معاشرتی اور اخلاقی حالت میں بڑا بگاڑ آچکا تھا، مسلمانوں میں ضعیف الاعتقادی اور بدعات کا زور تھا، جاہلانہ رسوم، مشرکانہ علوم، سجدۂ تعظیمی، قبروں پر چادریں چڑھانا، بزرگوں کے نام کی قربانی، مزارات کا طواف، رقص و سرود اور چراغاں کا سلسلہ جاری تھا۔ مولانا سید سلیمان ندوی اس دور کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> مغلیہ سلطنت کا آفتاب لب بام تھا مسلمانوں میں رسوم و بدعات کا زور تھا جھوٹے فقراء اور مشائخ اپنے بزرگوں کی خانقاہوں میں مسندیں بچھائے اور اپنے بزرگوں کے مزاروں پر چراغ جلانے بیٹھتے تھے۔ مدرسوں کا گوشہ گوشہ منطق و حکمت کے ہنگاموں سے پرشور تھا۔ فقہ و فتاویٰ کی لفظی پرستش ہر مفتی کے پیش نظر تھا۔ مسائل فقہ میں تحقیق و تدقیق مذہب کا بڑا جرم تھا عوام خواص تک قرآن پاک کے معانی و مطالب اور احادیث کے احکامات و ارشادات اور فقہ کے اسرار و معارف سے بے خبر تھے[1]۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے سماج کا

☆ ایسوشی ایٹ پروفیسر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

Marfat.com

گہرائی سے جائزہ لینے کے بعد اس کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئے اور انھوں نے اپنی کتاب تفہیمات الٰہیہ میں قرآن مجید کی تعلیم کے غلط طریقہ پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:

واقول لطلبة العلم ایها السفهاء المسمون انفسکم بالعلماء اشتغلتهم بالعلوم الیونانین و بالصرف و النحو

.....

ایک دوسرے موقع پر وہ لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے جن مقدمات کی ضرورت ہے ان کو بقدر ضرورت سیکھا جائے نہ کہ بطور مستقل۔ فرماتے ہیں:

"ان لاتشغلوا بالعلوم الآلیة بانها آلة لا بانها امور مستقلة"

"علوم آلیہ میں شغل محض آلہ ہونے کی حیثیت سے کیا جائے نہ کہ اس لحاظ سے کہ وہ مقصود بالذات ہیں"۔ حضرت شاہ صاحب کے کارنامے تجدیدی نوعیت کے ہیں انھوں نے اپنے زمانے کے بگاڑ کی اصلاح کی جانب بھی توجہ کی اور فکری اور عملی سطح پر جمود کو توڑنے کی سعی بلیغ کی۔ مولانا شبلی نعمانی علم الکلام میں امام غزالی، امام رازی، ابن رشد اور امام ابن تیمیہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں":

"ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد بلکہ خود انہی کے زمانہ میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزل شروع ہوا اس کے لحاظ سے یہ امید نہیں رہی تھی کہ پھر کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہوگا، لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھلانا تھا کہ اخیر زمانہ میں جب کہ اسلام کا نفس واپسیں تھا شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی اور ابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے"[۲]۔

شیخ محمد اکرام حضرت شاہ صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں:

Marfat.com

''ہم شاہ صاحب کو محض کم ہمتی اور تقلید پسندی سے امام نہیں کہتے ورنہ جہاں تک علمی تبحر، دماغی قابلیت، مجتہدانہ نظر، سلیم الخیالی اور اشاعت کتاب وسنت کے سلسلے میں عظیم الشان قومی اور مذہبی خدمات کا تعلق ہے دنیائے اسلام میں بہت ہی کم بزرگ ہوں گے جن سے آپ پیچھے رہے ہیں، آپ نے بیسیوں کتابیں لکھیں۔ تفسیر، حدیث، تصوف، فقہ، تاریخ، علم الکلام غرضیکہ علوم اسلامی کی کوئی شاخ نہیں، جسے آپ نے سیراب نہ کیا ہو اور اللہ کا فضل ایسا شامل حال تھا کہ جس چیز کو ہاتھ لگاتے ا ن ہو جاتی''۳۔

وہ خود اپنے بارے میں اپنی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

''میں تو جو کرتا ہوں خود تنہا کرتا ہوں اپنی مٹی آپ ہی جمع کرتا ہوں، اپنے وقت کا پابند ہوں (ہوا بن وقتہ) اپنے بخت کا شاگرد ہوا ، اپنی ارادت کا اسیر ہوں اور جو ہاتھ میر ے اسے غنیمت سمجھتا ہوں''۴۔

۱۸ویں اسلامی عیسوی میں مسلمانوں پر غیر مسلموں کے منفی اثرات، قرآن وحدیث سے ناواقفیت اور دوری نے جو صورت حال پیدا کردی تھی، اس کا اندازہ ان کی تحریروں کے بعض اقتباسات سے ہوتا ہے وہ ایک جگہ تفہیمات میں لکھتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے کہ تم مسلمان بھی آخر کار اپنے سے پہلے کی امتوں کے طریقے اختیار کرلوگے، اور جہاں جہاں انھوں نے قدم رکھا ہے، وہاں تم بھی قدم رکھوگے، حتی کہ وہ اگر کسی گوہ کے بل میں گھسے ہیں تو تم بھی ان کے پیچھے جاؤگے، صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ پہلی امتوں سے آپ کی مراد یہود ونصاریٰ ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا اور کون؟ اس حدیث کو بخاری ومسلم نے

Marfat.com

روایت کیا ہے۔"

سچ فرمایا اللہ کے رسول ﷺ نے، ہم نے اپنی آنکھوں سے وہ ضعیف الایمان مسلمان دیکھے ہیں، جنھوں نے صلحاء کو ارباب من دون اللہ بنالیا ہے، اور یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے اولیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا رکھا ہے ہم نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو کلام شارع میں تحریف کرتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کی طرف یہ قول منسوب کرتے ہیں کہ نیک لوگ اللہ کے لیے ہیں اور گنہگار میرے لیے، یہ اسی قسم کی بات ہے جیسی یہودی کہتے تھے کہ لن تمسنا النار الا ایاما معدودة، (البقرہ/۸۰) ہم دوزخ میں نہ جائیں گے اور گئے بھی تو بس چند روز کے لیے) سچ پوچھو تو آج ہر گروہ میں دین کی تحریف پھیلی ہوئی ہے۔، صوفیہ کو دیکھ تو ان میں ایسے اقوال زبان زد ہیں، جو کتاب و سنت سے مطابقت نہیں رکھتے، خصوصا مسئلہ توحید میں اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ شرع کی انھیں بالکل پرواہ نہیں ہے"۵۔

شاہ صاحب کی تحریروں میں اپنے عہد کی ضرورتوں کا بھی لحاظ ہے اور بعد کے عہد کا بھی، ان میں آفاقی رنگ کے ساتھ مقامی رنگ بھی ہے اور یہی حضرت شاہ صاحب کا کمال ہے اسی وجہ سے انھیں سمجھنے میں بعض دفعہ دشواریاں پیش آتی ہیں، ان کے تجدیدی کارناموں میں ان کی قرآنی فکر کا اہم کردار ہے انھوں نے اپنے تبلیغی، دعوتی اور علمی مشن کی بنیاد دعوت الی القرآن پر رکھی ان کے نزدیک قرآنی علم اور قرآنی بصیرت سے بڑھ کر کوئی اور دولت نہیں انھوں نے الفوز الکبیر فی اصول التفسیر کی ابتدا میں لکھا ہے:

"اس بندۂ ضعیف پر خداوند تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں جن میں سب سے زیادہ عظیم الشان نعمت یہ ہے کہ اس نے مجھ کو قرآن مجید

Marfat.com

کے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائی اور حضرت رسالت پناہ کے احسانات اس کمترین امت پر بہت ہیں جن میں سب سے بڑا احسان قرآن مجید کی تبلیغ ہے۔ آں حضرت ﷺ نے قرآن کریم کی تلقین قرن اولی کو فرمائی اور انھوں نے قرن ثانی تک پہونچائی اور اسی طرح درجہ بدرجہ ہوکر اس خاکسار کو بھی اس کی دولت اور روایت سے حصہ ملا"[۲]۔

شاہ صاحب نے قرآن مجید کے مطالعہ وتدبر اور اس کے فہم کو بہت اہمیت دی کیونکہ ان کے نزدیک اپنے عہد کے وبائے عام کے علاج کا سب سے موثر نسخہ یہی تھا وہ اپنے فارسی ترجمہ قرآن "فتح الرحمان" کے دیباچے میں فرماتے ہیں:

"سائر ابناء روزگار کہ اکثر اوقات بشغل معاش مشغول اند۔ در وقت فراغ باید کہ با یک دگر حلقہ حلقہ بنشینند وکس کہ از بر عبارت فارسی قدرت داشتہ باشد واند کے از فن تفسیر بہرہ یافتہ یا برعزیزے ایں ترجمہ را گزرانیدہ بود۔ بقدر وسعت وتھیک دوسورۃ با ترجمہ آں بترتیل وتبیین ووف بر کلام تام بخواند۔ تا ہمہ بشنوند۔ وبمعانی آن محظوظ شوند۔ وتشبہ پیدا کرہ باشند۔ باصحابہ کرام کہ ہمین دستور حلقہ حلقہ می نشستند وقاری ایشان قراءت می کرد۔ ایں قدر فرق است کہ صحابہ کرام بسلیقہ خود زبان عربی فہم مے کردند۔ وایں جماعت بتوسط ترجمہ فارسیہ وچناں کہ یاران سعادت مند مثنوی مولانا جلال الدین رومی وگلستاں شیخ سعدی ومنطق الطیر شیخ فرید الدین عطار و قصص فارابی ونفحات مولانا عبدالرحمٰن وامثال آن نقل مجلس دارند چہ باشد اگر ایں ترجمہ را ہماں اسلوب درمیان آرند وحصہ از شغل خاطر بہ ادراک آن گمارند۔ اگر آن شغل با کلام اولیاء اللہ است ایں شغل کلام اللہ است واگر آں مواعظ حکیمان است ایں مواعظ

Marfat.com

احکم الحاکمین است۔ شتان بین المرتبتین اگر انصاف دہی فائدہ اصلی از نزول قرآن الفاظ است بہ مواعظ آں واہتد است بہ ہدایت آں نہ صرف تلفظ بآں اگر چہ تلفظ آں ہم مغتنم است پس چہ مسلمانی بدست آوردہ است کسے مدلول قرآن را نہ فہمد و کدام حلاوت دارد آنکہ مدلول کلام اللہ را نہ داند۔ قرآن را برائے بندگان خود نازل فرمود تا مرضی او از نا مرضی باز شناسد واز مکائد نفس وظلمات اعمال قبیحہ خبیثہ خلاص شوند۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ فرصت کے وقت حلقہ کر کے بیٹھیں اور جو شخص قرآن شریف کا ترجمہ پڑھ سکے اور تھوڑی سی تفسیر بھی پڑھتا ہو یا کسی کے سامنے ترجمہ پڑھ چکا ہو، وہ جس قدر وقت ملے قرآن شریف کو مع ترجمہ کے اچھی طرح پڑھے تا کہ سب سنیں اور قرآن شریف کے مطالب کو سمجھیں۔ اور اس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشابہت پیدا کریں جو حلقہ حلقہ ہو کر تشریف رکھتے تھے اور قرآن شریف سنتے تھے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بوجہ مادری زبان ہونے کے قرآن خود سمجھتے تھے اور یہاں کے مسلمان ترجمہ کے ذریعہ سمجھیں گے جس طرح لوگ مثنوی مولانا جلال الدین رومی، گلستاں شیخ سعدی و منطق الطیر شیخ فرید الدین عطار و قصص فارابی و نفحات مولانا عبدالرحمٰن اور اسی قسم کی کتابیں پڑھتے ہیں اسی طرح قرآن شریف کا ترجمہ بھی پڑھ سکتے اور سمجھ سکتے ہیں۔ اگر وہ کتابیں اولیاء اللہ کا کلام ہیں تو قرآن مجید خود اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اگر ان میں حکماء کے وعظ ہیں تو قرآن مجید میں احکم الحاکمین کے فرمان ہیں۔ اگر نظر انصاف سے دیکھا جائے تو قرآن شریف کے نزول کی غرض محض اس کے حروف کا تلفظ نہیں ہے بلکہ قرآن مجید کی ہدایت کے مطابق چلنا ہے اگر چہ تلفظ بھی غنیمت ہے۔ پس کیسا اسلام ہے اس شخص کا کہ قرآن مجید نہ سمجھے اور کیسی حلاوت اس کے پاس ہے کہ خدا کے کلام کو نہ جانے۔ قرآن مجید

Marfat.com

اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے نازل فرمایا ہے کہ خدا کی مرضی اور نامرضی کو شناخت کریں اور نفس کے مکرر اور برے اعمال کی تاریکیوں اور خراب اخلاق سے نجات حاصل کریں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے بیٹے حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ مقدمہ موضح القرآن میں لکھتے ہیں:

مسلمان کو لازم ہے کہ اپنے رب کو پہچانے اور اس کی صفات کو جانے اور اس کے حکم معلوم کرے اور مرضی نامرضی تحقیق کرے کہ بغیر اس کے بندگی نہیں اور جو بندگی نہ بجالاوے وہ بندہ نہیں۔ اور اللہ سبحانہ کی پہچان بتانے سے آتی ہے کیونکہ آدمی سب چیز سکھانے سے سیکھتا ہے اور بتانے والے، سکھانے والے ہر چند تقریریں کریں اس کے برابر نہیں جو اللہ نے آپ کو بتایا۔ اس نکے کلام میں جو ہدایت ہے دوسرے میں نہیں، ہر کلام اس کا عربی زبان میں ہے اور ہندوستان کو اس کا ادراک محال۔ اس واسطہ بندہ عاجز عبدالقادر کو خیال آیا کہ جس طرح ہمارے والد بزرگوار حضرت شیخ ولی اللہ ابن عبدالرحیم محدث دہلوی ترجمہ فارسی سہل وآسان کر گئے ویسے ہی اب ہندوستان (اردو) زبان میں قرآن مجید کو ترجمہ کرے"۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ قرآن کے سلسلہ میں ایک غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ وہ برصغیر میں پہلے مترجم قرآن ہیں اور ان کے ترجمۂ قرآن کو اولیت کا درجہ حاصل ہے، حالانکہ ان سے پہلے ہندوستان میں قرآن کے متعدد فارسی تراجم ہوئے۔ نظام الدین نیشاپوری (م۷۲۸ھ) قاضی شہاب الدین دولت آبادی (م۱۱۳۷ھ) سید محمد رضوی (م۱۰۵۴) شیخ نعمت اللہ فیروز پوری (م۱۰۷۲) خواجہ معین الدین کشمیری، حسین قادری، محمد صفی ابن ولی قزوینی، مرزا نورالدین نعمت خان عالی (م۱۱۲۲ھ)۔

بعض لوگ کہہ بیٹھتے ہیں کہ قرآن مجید اور حدیث کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو بہت علم اور بے شمار کتابیں پڑھا ہوا ہو، اور اپنے زمانہ کا علامہ ہو، ان کے جواب

Marfat.com

میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُولاً مِّنْهُمْ یَتْلُو عَلَیْهِمْ آیَاتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ وَإِن کَانُوا مِن قَبْلُ لَفِیْ ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ'' (الجمعہ/۲)

خدائے تعالیٰ وہ ہے جس نے ان پڑھوں میں پیغمبر بھیجا انھیں ان پڑھوں میں سے پڑھتا ہے وہ پیغمبر ان ان پڑھوں پر خدا کی آیتیں اور ان کو گناہ کے میل سے پاک کرتا اور کتاب اور اس کی تدبیر سکھاتا ہے۔

یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان پڑھ اور آپ کے اصحاب بزرگوار بھی ان پڑھ تھے مگر جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے سامنے قرآن کی آیتیں پڑھیں، تو وہ ان کو سن کر ہر قسم کی برائی اور بگاڑ سے پاک صاف ہوگئے پس اگر ناخواندہ آدمی قرآن و حدیث نہیں سمجھ سکتا اور اس کی سمجھ کی استعداد نہیں رکھتا تو صحابہؓ برائی اور عیبوں سے کیوں کر پاک صاف ہوگئے؟ اس قوم پر سخت افسوس ہے جو ''صدرہ'' سمجھنے اور ''قاموس'' جاننے کا تو دعویٰ کرتے ہیں مگر قرآن و حدیث کے سمجھنے میں اپنے آپ کو مخلص نادان ظاہر کرتے ہیں اور بعضے یوں کہتے ہیں کہ ہم پچھلے لوگ ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی برکت اور صحابہ رضوان اللہ علیہ اجمعین کے دل کی سلامت کہاں سے لائیں، جو قرآن و حدیث کے معنی بخوبی سمجھ سکیں ان کے جواب میں حق تعالیٰ فرماتا ہے ''وَآخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ'' (الجمعہ/۳) یعنی پچھلے لوگ خواہ پڑھے ہوئے ہوں، یا ان پڑھ، مگر جب کہ وہ مسلمان ہوں اور اصحاب کے طریقہ کی پیروی کا ارادہ کریں اور قرآن و حدیث کو سنیں تو انھیں پاک کرنے کے لیے قرآن و حدیث کافی ہوسکتی ہیں، اور فرماتے ہیں۔ ''وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّکْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّکِرٍ'' (القمر/۲۲) (اور البتہ ہم نے قرآن کو نصیحت کے واسطے آسان کردیا پس کیا کوئی نصیحت لینے والا ہے) یہ کیونکر آسانی ہوسکتی ہے کہ ''کافیہ'' پڑھنے والے اور شافیہ

Marfat.com

جاننے والے تو اس کے معنی سمجھنے سے عجز ظاہر کرتے اور عرب کے بدوی لوگ اس کی حقیقت سے بہرہ ور ہوتے ہیں، اس کے علاوہ ایک جگہ یوں فرمایا ہے، ''أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ''(محمد/۲۴) کہ (قرآن میں کیوں نہیں غور وفکر کرتے) پس اگر قرآن مجید آسان نہ ہوتو اس میں غور وفکر کیوں کر کیا جائے ''أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ''(محمد/۲۴) (یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں) یعنی باوجودیکہ دلوں پر قفل نہیں لگے ہوئے ہیں، پھر بھی کیسی گمراہی ہے قرآن کے فکر میں زور نہیں لگاتے'' ے۔ ہندوستان میں عرصہ سے مسلمانوں نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ وہ قرآن مجید کی تلاوت محض کاروبار کی برکت کے لیے کرتے یا قرآن پاک کو قسمیں اٹھانے کے لیے استعمال کرتے، ہندوستان میں مروجہ نصاب میں قرآن مجید اور اس کی تفسیر کو کوئی حیثیت حاصل نہ تھی حدیث کے علوم کو بھی اہمیت نہیں دی جاتی تھی، فقہ کی روح غائب تھی، اجتہاد کا نام ونشان تک نہ تھا، محمد رحیم بخش نے حیات ولی میں شاہ ولی اللہ کے فارسی ترجمہ قرآن فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن کا تعارف ان لفظوں میں کرایا ہے۔

یہ قرآن مجید کا ایک نہایت مختصر ترجمہ ہے جو ایک عجیب و دلچسپ پیرائے میں لکھا گیا ہے اب تک قرآن مجید کے مطالب کا سمجھنا صرف عربی تفاسیر پر منحصر تھا جسے علماء اپنا ہی حصہ سمجھنے بیٹھے تھے اور عوام لوگ کلام الٰہی کا منشا اور فطرۃ اللہ کا مفہوم سمجھنے سے محض محروم و بے نصیب تھے، عموماً مسلمان رمضان میں یا معمولی تلاوتوں میں بالکل طوطے کی طرح سے قرآن پڑھتے تھے اور معنی نہ جاننے کی وجہ سے خداوندی احکام اور آسمانی قوانین سے محض نابلد تھے ایسے وقت میں جناب شاہ صاحب نے قرآن مجید کے ترجمہ کی سخت ضرورت سمجھی اور اس کا ترجمہ فارسی میں کیا اور لفظوں کی رعایت سے ایسا مطلب خیز ترجمہ کیا کہ عام لوگوں کو کلام الٰہی سمجھنا بہت آسان ہوگیا قطع نظر اس کے مطالب کی توضیح کے لیے جابجا نہایت مختصر فوائد چڑھائے''

Marfat.com

اس ترجمہ کی افادیت کا مزید ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''بڑے بڑے معرکۃ الآراء مضامین اور نہایت اہم اور دقیق مطالب چند مختصر اور گنتی کے الفاظ میں ایسی خوبصورتی اور جامعیت کے ساتھ ادا کیے ہیں اور انھیں ایسا صاف اور پانی کر دیا ہے جس سے نہ صرف تعجب بلکہ سخت حیرت ہوتی ہے اور زیادہ حیرت یوں ہوتی ہے کہ جب کسی آیت کی تفسیر عربی تفاسیر میں دیکھی جاتی ہے تو باوجودیکہ وہ اس کے متعلق ایک نہایت طولانی بحث کرتے اور صفحات کے صفحات سیاہ کر جاتے ہیں مگر پھر بھی ویسا صاف مطلب نہیں کھلتا جیسا کہ شاہ صاحب کے معدود لفظوں سے کھلتا ہے'' ۸۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے قرآن کے مذکورہ ترجمہ کا آغاز شعبان ۱۱۵۱ھ (دسمبر ۱۷۳۸ء) میں اور تبییض رمضان ۱۱۵۱ھ (جنوری ۱۷۳۹ء) میں ہوئی اور پانچ برس کے اندر ۱۱۵۶ھ/۱۷۴۳ء میں یہ ترجمہ عوام و خواص میں مقبول ہوگیا۔ قرآن پاک کا یہ ترجمہ لفظی و معنوی صحت و احتیاط کے اعتبار سے نہایت درجہ اہمیت کا حامل ہے وہ اپنے ترجمہ قرآن کی روداد یوں قلمبند کرتے ہیں۔

میں نے پہلے غور و خوض سے چند ترجموں کو دیکھا تاکہ ان میں سے جو ترجمہ میرے مقرر معیار اور موجودہ دور کے مذاق کے مطابق ہو اس کی ترویج کی فکر و کوشش کی جائے۔ مگر بعض ترجموں میں تطویل و اطناب تھا، اور بعض میں خلل انداز تقصیر و اختصار تھا، کوئی بھی اس معیار کا نہ تھا جو مطلوب تھا اس کے بعد حرمین کے سفر پر روانہ ہوگیا جس کی وجہ سے یہ سلسلہ موقوف ہوگیا چند برس بعد ایک عزیز نے مجھ سے سبقاً سبقاً ترجمہ پڑھنا شروع کیا اس تقریب سے پھر ترجمہ کی تحریک پیدا ہوئی، چنانچہ طے ہوا کہ ان کو جس قدر قرآن کا ترجمہ پڑھاؤں گا اس کے بقدر ترجمہ لکھتا بھی جاؤں گا۔ اس طرح ابھی ایک تہائی قرآن کا ترجمہ ہوا ہوگا کہ وہ عزیز سفر میں چلے گئے اور ترجمہ کا کام پھر رک گیا، ایک مدت کے بعد پھر ایک

Marfat.com

تقریب پیدا ہوگئی اس کی وجہ سے وہ پرانا خیال عود کر آیا اور دو ثلث تک ترجمہ مکمل ہوگیا اسی اثنا میں بعض دوستوں نے مشورہ دیا کہ مسودہ کی تبییض کردیں اور ترجمہ کے ساتھ ہی آیاتی قرآنی کا متن بھی ضبط تحریر میں لے آئیں چنانچہ بعض دوستوں نے یوم عیدالاضحیٰ ۱۱۵۰ھ سے اس سورہ ترجمہ کو صاف کرنا شروع کردیا" (دیباچہ فتح الرحمٰن)

فتح الرحمٰن کے دیباچہ میں وضاحت کرتے ہیں کہ "مسودہ کا اتمام اوائل شعبان میں ہوا اور اس کی تبییض اوائل رمضان ۱۱۵۱ھ میں مکمل ہوگئی، نیز اس ترجمہ کا نام انھوں نے فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن" تجویز کیا اس کے علاوہ انھوں نے اسی کے ساتھ اپنا نام بھی حسب دستور لکھا۔

نام مصنف ایں کتاب احمد بن عبدالرحیم است لقب مشہور ولی اللہ الدہلوی وطناً والعمری نسباً

یعنی اس ترجمہ کرنے والے کا نام احمد بن عبدالرحیم جو ولی اللہ کے نام سے مشہور ہے، دہلی کا رہنے والا اور نسباً عمری یعنی فاروقی ہے، حضرت شاہ صاحب نے فتح الرحمٰن کے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے کہ:

موجودہ زمانہ جس میں ہم لوگ رہ رہے ہیں مسلمانوں کی خیر خواہی کا تقاضا تھا کہ قرآن کا ترجمہ فارسی میں ایسا سلیس، سادہ اور عام فہم ہونا چاہیے جو بلا تکلف سمجھا جاسکے، اس میں اپنی بڑائی اور تصنع اور عبارت آرائی کا شائبہ تک نہ ہو اور قصے اور مختلف توجیہات نہ ہوں، تاکہ عوام وخواص دونوں سمجھ لیں اور چھوٹے بڑے دونوں یکساں طور پر فائدہ حاصل کرسکیں، یہی بات تھی کہ فقیر کے دل میں اتنے اہم کام کا داعیہ پیدا ہوا اور اس کام کا سودا خواہ مخواہ سر میں سمایا اور اس کام کے لیے میں نے اپنے آپ کو آمادہ کیا"

نواب محمد صدیق حسن خاں اپنی مشہور کتاب اکسیر فی اصول التفسیر میں فتح الرحمٰن کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

Marfat.com

والحق در تحریر این ترجمہ رعایت اموری کردہ کہ مسبوق الیہ نیست وحق تعالیٰ سعی اورا مقبول فرمودہ درفحول شہرت وقبول تام بخشید۹۔

یعنی اس ترجمہ میں حضرت شاہ صاحب نے جن اہم باتوں کا خیال رکھا ہے اس سے پہلے کے ترجمے ان سے خالی ہیں اورحق تعالیٰ نے ان کی کوشش قبول فرمائی اوراسے شہرت اورقبولیت عطا فرمائی ہے ذیل کی سطروں میں اس ترجمہ کے اقتباسات بطورنمونہ نقل کیے جاتے ہیں۔

سورہ فاتحہ کا ترجمہ: د

بنام خدا بخشاینده مهربان

ستائش خدا نراست پروردگار عالمہا، بخشائندہ مہربان، خداوند روز جزا۔ ترامی پرستیم وازتو مردمی طلبیم ،بنما مارا راہ راست، راہ آنانکہ اکرام کردہ برایشان، بجز آنانکہ خشم گرفتہ شد برآنہا وبجز گمراہان''

سورۂ مائدہ آیت ۳ کے بعض حصہ کا ترجمہ:

امروز کامل کردم برائے شما دین شمار اوتمام کردم برشما نعمت خودرا واختیار کردم اسلام رادین برائے شما''

سورۂ نساء کی پہلی آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

اے مردمان بہ ترسید ازان پروردگار خویش کہ بیآفرید شمارا از یک کس و آفریدازاں یک کس زن اوراو منتشر ساخت ازیں دوکس مردمان بسیار وزنان بے شمار وبترسید ازان خدا کہ از یکدیگر بنام اوسوال می کنید وبترسید ازقطع قبیلہ داری ہر آئینہ خدا ہست نگاہبان برشما''

سورۂ رحمٰن کا ترجمہ یوں شروع کرتے ہیں:

خدا، آموخت قرآن را، آفرید آدمی را، آموختش ،سخن گفتن
آفتاب وماہ بحساب مقرر می روند، وگیاہ ودرخت سجدہ می کنند
وآسمانرا برافراشت وفرددآورد ترازورا، مقصد بآنکہ از حد تجاوز مکنید در

Marfat.com

ترازو، وراست سنجید بانصاف ونقصان مکنید درترازو

فبای آلاء ربکما تکذبان کا ترجمہ ہرجگہ ''پس کدام یکرا ازنعمتہا پروردگار خویش دروغ می شمرید'' کیا ہے۔

سورۂ عصر کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

''وقسم بزماں کہ ہر آئینہ آدمی در زیاں ست، مگر آنانکہ ایمان آوردند وعملہائے شائستہ کردند ویکدیگر راوصیت کردند بدیں درست ویکدیگر راوصیت کردند بشکیبائی''۔

سورۂ اخلاص کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

بگو خدایگانہ است، خدا بے نیازست، نہ زادونہ زادہ شدہ، ونیست ہیچکس اورا ہمسر

حضرت شاہ صاحب نے فتح الرحمٰن کے ذریعہ عوام تک قرآن مجید کی دعوت پہچانے میں امتیازی خدمات انجام دیں ہیں ان کی قرآنی خدمات کا ایک دوسرا اہم پہلو یہ بھی ہے کہ ان کی کوششوں سے عوام کے علاوہ علماء اور صوفیاء بھی اپنے زمانہ کی عام ڈگر سے قرآن مجید کی طرف متوجہ ہوئے جس کی شہادت ان کی متعدد کتابوں حجۃ اللہ البالغہ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، تاویل الاحادیث، الخیر الکثیر، ملقب بہ خزائن الحکم وغیرہ سے ملتی ہے میں یہاں اس جانب توجہ دلانے کے لیے ان کے صرف ایک مکتوب کا ذکر کروں گا یہ مکتوب بنام حضرت شاہ محمد عاشق پھلتی ہے جس میں حضرت شاہ صاحب نے سورہ دہر اور سورہ مطففین میں ابرار ومتقین کے لیے کافور، زنجبیل، اور تسنیم، کا جو ذکر ہوا ہے اس کے حوالہ سے وہ لکھتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ کافور ایک چشمہ ہے جو اچھی خوشبو والا ہے اور اس کے پینے میں کوئی کڑواہٹ نہیں ہے۔ (اور یہ چشمہ کافور) مقربین کی قوت عقلیہ کے کمال کی شکل ہے۔ زنجبیل (سونٹھ) کہ اس کا ذائقہ حریف (چرپرا اور تیزی لیے ہوئے

Marfat.com

ہے) اور اس کی حرافت (یعنی اس کی چرپراہٹ) ایک لذت عظیمہ ہے اور اس میں کوئی خوشبو نہیں ہے یہ مقربین کی قوت عملیہ کے کمال کی صورت ہے جو نفس بہیمیہ توڑنے اور اس کی خواہشات سے لڑنے جھگڑنے کی طرف متوجہ ہے پس یہ کڑواہٹ اور لذع اللسان (سوزش زباں) نفس کو توڑنے کی وجہ سے ہے اور اس شدت کی وجہ سے ہے جس کو مقربین کسر نفسی کے سلسلے میں جھیلتے اور برداشت کرتے ہیں لذت نفس ملکیہ کے غلبہ کی وجہ سے ہوتی ہے بہر حال کافور کا اچھی خوشبو والا ہونا نہ کہ زنجبیل کا، اس لیے ہے کہ قوت عقلیہ کو جب کمال حاصل ہو جاتا ہے تو اس کے اندر عالم جبروت کا انکشاف داخل ہو جاتا ہے اگرچہ وہ اجمالی ہی کیوں نہ ہو۔ تسنیم ایک ایسا چشمہ ہے جو عالی مرتبہ ہے اس کو نہ تو کسی خوشبو کے ساتھ موصوف کیا جاسکتا ہے اور نہ کسی ذائقہ کے ساتھ اس لیے کہ نسیم مشتق ہے ''سنام'' سے اور سنام اونٹ کے اعلیٰ حصے (یعنی کوہان) کو کہتے ہیں اونچا مرتبہ وہ ہے جس میں غیب ظاہر ہو اور اس میں ایسا امر جلوہ گر ہو کہ جو لا کیف سے مناسبت رکھتا ہو جیسا کہ وہ ملاحت (نمکینی وخوبصورتی) جو تناسب اعضاء سے پیدا ہوتی ہے نہ کہ رنگ وغیرہ سے یہ جزو جبروتی کی صورت ہے جو نفس ناطقہ کے باطن میں رکھی گئی ہے جب اعمال مقربہ اور اعمال معدہ میں سے ہر نوع کے لیے عالم شیاطین کی طرف رجحان ہے اور عالم ملکوت کا مبدأ فیاض کی طرف میلان ہے جو کہ اول سلسلہ وجود ہے اور عالم شیاطین کو مبدأ فیاض سے بہت زیادہ دوری ہے، ہر وہ چیز جس کو کسی چیز کی طرف میلان طبعی ہوتا ہے، وہ اسی چیز کے اندر مندرج (داخل) ہوتی ہے اس لیے کہ ضروری ہے کہ ابرار کے لیے ایک کتاب ہو کہ جس میں ان کے اسماء لکھے ہوئے ہوں یعنی ان میں ان کی صورتیں چھپی ہوئی ہوں اس حیثیت سے کہ ایسے اعلیٰ مقام میں رکھی جائے جو جبروت سے ملا ہو۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ. وَمَا أَدْرَاكَ مَا عِلِّيُّونَ. كِتَابٌ مَّرْقُومٌ. يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ (المطففین ۱۸/-۲۱)

Marfat.com

اور یہ بھی ضروری ہے کہ فجار کے لیے ایک کتاب ہو کہ ان میں ان کے نام لکھے ہوئے ہوں یعنی ان میں ان کی صورتیں چھپی ہوں ..... اس حیثیت سے کہ انھوں نے ایسے اعمال اختیار کیے جو اللہ اور جنت سے بعید کرنے والے ہیں اس لیے یہ ضروری ہوا کہ کتاب فجار ظلمات کے آخری کنارے میں رکھی جائے جو مبدأ فیاض سے انتہائی دوری پر واقع ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ. وَمَا أَدْرَاكَ مَا سِجِّيْنٌ. كِتَابٌ مَّرْقُوْمٌ. وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (المطففین ۷-۱۰)[۱۰]۔

حضرت شاہ نور اللہ (نورہ اللہ) کے نام اپنے ایک مکتوب میں حضرت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں قرآن میں یہ آیت ہے جس کا ترجمہ یہ ہے بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی حالت کو خود نہ بدلے"۔

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے قلم کی زبان سے آپ کی دل کی زبان کے مقابلے میں زیادہ فصیح و بلیغ ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ آپ کے دل کی زبان آپ کی قلم کی زبان سے زیادہ فصیح و بلیغ ہو اور اس صفت میں کوشش کیجیے۔

حدیث میں ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمھاری صورتوں اور اعمال کو نہیں دیکھتا لیکن وہ تمھاری دلوں پر نظر رکھتا ہے[۱۱]۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ شاہ صاحب کی تحریریں خاص طور پر ان کا ترجمہ قرآن فتح الرحمٰن دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے قلم کی زبان جو نہایت صاف اور فصیح و بلیغ ہے اس سے کہیں زیادہ صاف، فصیح و بلیغ محسوس ہوتا ہے کہ ان کے دل کی زبان رہی ہوگی۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ

دریا بہ محیط خویش موجے دارد
خس پندارد کہ ایں کشاکش با اوست

یعنی دریا اپنے اندر موجیں رکھتا ہے اور تنکا یہ گمان کرتا ہے کہ یہ کشمکش اور تلاطم اس کی وجہ سے ہے۔

Marfat.com

حواشی ومراجع

۱۔ مقالات سلیمان، ۲/۴۴

۲۔ علامہ شبلی نعمانی، علم الکلام، اعظم گڑھ، ۱۹۹۳ء، ص ۱۰۵-۱۰۶

۳۔ شیخ محمد اکرام، رود کوثر، ص ۵۵۱

۴۔ حجۃ اللہ البالغہ، ص ۲۸

۵۔ التفہیمات الٰہیہ، ۲/۱۳۴

۶۔ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، اردو ترجمہ رشید احمد انصاری، علی گڑھ، ۱۹۱۴ء

۷۔ تحفۃ الموحدین، ص ۷۰۵، بحوالہ سید ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت، لکھنؤ، ۱۹۸۴ء، ۵/۱۴۳-۱۴۴

۸۔ محمد رحیم بخش، حیات ولی، دہلی، ۱۳۱۹ھ، ص ۲۹۶

۹۔ نواب محمد صدیق حسن خاں، اکسیر فی اصول التفسیر، ص ۸۹

۱۰۔ نادر مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ترجمہ وتحقیق نسیم احمد، مظفر نگر، ۱۹۹۸ء، ص ۵۱-۵۴

۱۱۔ حوالہ مذکور، ص ۱۶۴-۱۶۵

Marfat.com

شاہ ولی اللہ دہلوی کی حکمت قرآن

مولانا عبیداللہ سندھی کے افکار کا مطالعہ

ڈاکٹر عبدالمجید خان ☆

اسلام میں تجدید و احیائے دین کی مختصر سے مختصر تاریخ بھی چند اسمائے گرامی سے احتراز کو گوارا نہیں کرسکتی ہے۔ بیسوی صدی میں برِّصغیر پاک و ہند میں جو مفکرین اور قائدین امت اسلامیہ میں امتیازی حیثیت حاصل کرسکے ہیں انھوں نے اس حقیقت کا برملا اظہار کیا ہے کہ صرف شاہ ولی اللہ دہلویؒ (متوفی ۱۷۶۳ء) حضرت امام غزالیؒ (م ۱۱۱۱ء) کے بعد اس عظیم مرتبے کے حامل بنے جو امام غزالیؒ کو حاصل ہو چکا تھا چنانچہ اس سلسلہ میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (م ۱۹۷۹ء) رقمطراز ہیں:

''پھر وہ نظام شریعت، عبادات، احکام اور قوانین کو پیش کرتے ہیں اور ہر ایک چیز کی حکمتیں سمجھاتے چلے جاتے ہیں۔ اس خاص مضمون پر جو کام انھوں نے کیا ہے وہ اسی نوعیت کا ہے جو ان سے پہلے امام غزالیؒ نے کیا تھا اور قدرتی بات ہے کہ وہ اس راہ میں امام موصوف سے آگے بڑھ گئے ہیں''۔[۱]

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (م ۳۱/ دسمبر ۱۹۹۹ء) اپنی مایۂ ناز تصنیف تاریخ دعوت و عزیمت میں اس سلسلہ میں یوں وضاحت فرماتے ہیں:

☆ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

Marfat.com

''شاہ صاحبؒ سے اللہ تعالیٰ نے تجدید و اصلاح امت، دین کے فہم صحیح کے احیاء، علوم نبوت کی نشر و اشاعت اور اپنے عہد و ملت کے فکر و عمل میں ایک نئی زندگی اور تازگی پیدا کرنے کا جو عظیم الشان کام لیا، اس کا دائرہ ایسا وسیع اور اس کے شعبوں میں اتنا تنوع پایا جاتا ہے جس کی مثال معاصر ہی نہیں دور ماضی کے علماء و مصنفین میں بھی کم نظر آتی ہے۔ اس کی وجہ (توفیق اور تقدیر الٰہی کے ماسوا) اس عہد کے حالات کا تقاضا بھی ہوسکتا ہے جو شاہ صاحب کے حصہ میں آیا اور وہ جامعیت، علوئے ہمت اور مخصوص تعلیم و تربیت بھی جو شاہ صاحب کے خصائص میں سے ہے، اس سب کا نتیجہ تھا کہ شاہ صاحب نے علم و عمل کے اتنے میدانوں میں تجدیدی و اصلاحی کارنامہ انجام دیا کہ ان کے سوانح نگار اور اسلام کی تاریخ دعوت و عزیمت پر قلم اٹھانے والے کے لیے، ان کا احتواء اور ان سب کا تفصیلی و تحلیلی جائزہ لینا دشوار ہوگیا ہے''۲۔

مولانا مودودیؒ کی نظر میں شاہ صاحب تاریخ انسانی کے ان قائدین میں سے ہیں جو خیالات کے الجھے ہوئے جنگل کو صاف کر کے فکر و نظر کی ایک صاف سیدھی، شاہراہ بناتے ہیں اور ذہن کی دنیا میں حالاتِ موجودہ کے خلاف ایسی بے چینی اور تعمیر نو کا ایسا دل آویز نقشہ پیدا کرتے چلے جاتے ہیں جس کی وجہ سے ناگزیر طور پر تخریب فاسد و تعمیر صالح کے لیے ایک تحریک اٹھتی ہے۳۔ مودودی صاحب کی نگاہ میں شاہ صاحب پہلے شخص ہیں جس کی نظر تاریخ اسلام اور تاریخ مسلمین کے اصولی فرق اور باریک فرق تک پہنچی اور جس نے تاریخ مسلمین پر تاریخ اسلام کے نقطۂ نظر سے نقد و تبصرہ کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ ان بہت سی صدیوں میں اسلام قبول کرنے والی اقوام کے درمیان فی الواقع اسلام کا کیا حال رہا ہے۴۔ مولانا مودودی زیادہ صراحت کے ساتھ حضرت شاہ ولی اللہ

Marfat.com

کے امتیازی کارناموں پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

مگر جو کام ان سے پہلے کسی نے نہ کیا تھا وہ یہ ہے کہ انھوں نے اسلام کے پورے فکری اخلاقی شرعی اور تمدنی نظام کو ایک مرتب صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے یہ وہ کارنامہ ہے جس میں وہ اپنے پیش رووں سے بازی لے گئے ہیں۵ حضرت علی میاں نے شاہ صاحب کے کام کو اس طرح تقسیم کرنے کی کوشش کی ہے۔

اصلاح عقائد و دعوت الی القرآن

(۲) حدیث و سنت کی اشاعت و ترویج اور فقہ و حدیث میں تطبیق کی دعوت و سعی۔

(۳) شریعت اسلامی کی مربوط و مدلل ترجمانی اور اسرار و مقاصد حدیث و سنت کی نقاب کشائی۔

(۴) اسلام میں خلافت کے منصب کی تشریح، خلافت راشدہ کے خصائص اور اس کا اثبات اور رد رفض۔

(۵) سیاسی انتشار اور حکومت مغلیہ کے دور احتضار میں شاہ صاحب کا مجاہدانہ و قائدانہ کردار۔

(۶) امت کے مختلف طبقات کا احتساب اور ان کو دعوت اصلاح و انقلاب۔

(۷) علمائے راسخین اور مردان کار کی تعلیم و تربیت جو ان کے بعد اصلاح امت اور اشاعت دین کا کام جاری رکھیں۶۔

شاہ ولی اللہ دہلوی کثیر الابعاد شخصیت رکھتے تھے اس لیے لوگ اس مغالطے میں پھنس گئے کہ وہ متضاد اور باہمی متناقض صفات کے حامل تھے۔ پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی صاحب اس سلسلہ میں ایک دلچسپ بحث کا آغاز کر چکے ہیں جس

Marfat.com

کا حاصل کچھ یوں پیش فرماتے ہیں:

''شاہ ولی اللہ دہلویؒ فکری وحدت کے حامل عالی مقام تھے، وہ شریعت اور طریقت اسلامی کے منفرد علمبردار تھے، ان کا تصوف اسلامی احسان کا مترادف تھا جو کتاب وسنت کی روح ہے، ان کے یہاں فکری ثنویت علمی دوئی کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا۔ اصل قصور ان نگاہوں کا ہے جو اپنی کج کلہی وکم نگاہی کے سبب فکر ولی اللّٰہی کو اس کے صحیح تناظر میں نہیں دیکھ سکتیں یا جنھوں نے حجۃ اللہ البالغہ کا غائر، عمیق اور فن کارانہ مطالعہ نہیں کیا'' ۷۔

شاہ ولی اللہ یوں تو محدث بھی تھے اور مفسر بھی؛ فلسفی بھی تھے اور عمرانیات کے ماہر بھی، فقیہ بھی تھے اور نحوی بھی، مگر ان کی علمی سرگرمیوں اور سماجی اصلاحات کا جو مرکز ثقل نظر آتا ہے وہ قرآن کریم ہے ۸ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی اس نکتے کو یوں ابھارتے ہیں:

''ہندوستان میں فکر اسلامی کے احیاء میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اہم خدمات ہیں انھوں نے اسلام کی چشمہ صافی کو شرک و بدعات، جاہلی افکار، اوہام و خرافات، رسوم و رواج اور فقہی تصلبات وتعصبات سے پاک کیا اور کتاب وسنت سے رجوع کی پرزور دعوت دی۔ ان کی علمی خدمات ہمہ جہت ہیں۔ ان کا ایک اہم کارنامہ قرآن مجید کا ترجمہ، مختصر تفسیری حواشی اور علوم قرآن پر تصانیف ہیں۔ ان کی دیگر تصانیف کا بھی ایک نمایاں وصف یہ ہے کہ ان میں قرآن کریم کو مرکز ومحور بنایا گیا ہے۔ وہ اپنے افکار کی تائید میں قرآنی افکار پیش کرتے ہیں۔ ان کے حوالے دے کر ان سے نتائج اخذ کرتے اور استنباط کرتے ہیں'' ۹۔

قرآنی علوم پر شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔

Marfat.com

انھوں نے قرآن کے مطالب ومعانی کی تفہیم وتشریح کے لیے ترجمہ قرآن سے لے کر متعلقات قرآن تک متعدد بیش قیمت تصانیف چھوڑی ہیں۱۰۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی ذات والا صفات جس طرح برصغیر پاک وہند میں پچھلی چند صدیوں میں تجدید واحیائے دین کی جدو جہد کرنے والوں کے لیے ایک اہم مصدر کی حیثیت اختیار کرچکا ہے اسی طرح یہاں کار تجدد میں مشغول کئی حضرات بھی شاہ ولی اللہ سے ہی اپنی نسبت جوڑتے ہیں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تصانیف کی تشریح وتوضیح کے لیے بہت سی شخصیتوں اور اداروں نے اپنی امتیازی حیثیت کو قائم کیا ہے۔ اس تعداد میں روز افزوں اضافہ ہورہا ہے۔ نئے نئے مصنفین اور ادارے اس کام میں آگے بڑھ رہے ہیں۔ جو حضرات شاہ صاحب کے تعارف میں اپنا مقام بنا چکے ہیں ان میں شمس الرحمٰن محسنی، پروفیسر محمد سرور اور قاضی جاوید جیسے اصحاب علم شامل ہیں۱۱۔

البتہ جو بڑا نام اس تعلق سے لیا جاتا ہے وہ مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم (م۱۹۴۴ء) کا ہے مولانا نے امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف کے زیرعنوان ایک مقالہ میں اس سلسلہ میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے مولانا محمد منظور نعمانی مرحوم نے وضاحت کی ہے کہ یہ مقالہ مولانا نے املا فرمایا ہے۱۲۔

اس کے علاوہ بھی مولانا کے نوک قلم سے کئی ایسی نگارشات سامنے آئی ہیں جنھیں شاہ ولی اللہ کے مشن اور ان کی حکمت کے ابلاغ کے لیے استعمال کیا گیا۔ آپ کی کتاب ''شاہ ولی اللہ اور ان کا سیاسی مسلک'' ان کی زندگی میں ہی باعث نزاع بنی، مولانا مسعود عالم ندوی نے مولانا سندھی اور ان کے افکار وخیالات پر ایک نظر اور پروفیسر محمد سرور نے مولانا عبیداللہ سندھی پر کتابیں لکھ کر تنقید کے اعلیٰ اصولوں اور آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مولانا سندھی اپنے خیالات وافکار کو جو یورپ کے مادی فلسفوں سے کافی متاثر ہو چکا تھا، شاہ ولی اللہ کی لبادے میں پیش کرنے کی کوشش کررہے تھے۔ اس سلسلے میں مولانا سید سلیمان

Marfat.com

ندوی فرماتے ہیں:

''ان کی مثال اس شخص کی ہے جو دفعۃً کسی تالاب سے سمندر میں پہنچ جائے، ان کا تعلق ایک ایسے حلقے سے تھا جس کے نئے سیاسیات سے کچھ واسطہ نہ تھا۔ لیکن دفعۃً واقعات نے ان کو سیاسیات عالم سے الجھا دیا اور وقت کی اہم تحریکوں سے ان کو دوچار ہونا پڑا۔ خالص ملحدوں اور فاسقوں اور سیاسیوں اور انقلابیوں سے ملنے اور یورپ کے مختلف سیاسی و معاشرتی و اقتصادی نظامات کے دیکھنے اور ان کے نظریوں کے سننے کا موقع ملا۔ معلوم نہیں جہاں جہاں وہ رہے وہاں کی کوئی زبان بھی ان کو معلوم تھی یا نہیں۔ بہر حال یورپ کے ان سیاسی نظریوں اور انقلابی تحریکوں سے ان کے خیالات میں چکا چوندسی لگ گئی، ان کے دل میں یہ خیال موج زن ہوا کہ وہ کسی طرح اسلام کو نئی تحریک سے منطبق کردیں، اور پھر جدید ٹرکی سے ''وطنیت'' اور یورپ کی ظاہری نقالی کے درمیان تطبیق کا نظریہ مرتب کیا۔ مختصر یہ کہ انھوں نے جدید روس اور جدید ٹرکی کو اپنے پرانے علوم پر منطبق کر کے ایک نظام تیار کیا جس کو لے کر وہ ہندوستان وارد ہوئے اور حکمت ولی اللہ کے نام سے اس کو پیش کیا[۱۳]۔

کئی مقامات پر مولانا سندھی شاہ صاحب کے کمالات کی خوب وضاحت کرتے ہیں مثلاً اپنے محولہ بالا مقالے کے باب دوم میں شاہ صاحب کے تکمیلی ملکات سے بحث کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تکمیلی ملکات سے ہماری مراد یہ ہے کہ۔

(الف) صاف عقلیت سے تمام معلومات کو مرتب کرلینا تاکہ ان میں کسی قسم کا تضاد اور تزاحم باقی نہ رہے۔

(ب) وہبی قوتوں سے سرشار ہونا، تاکہ تمام اختلاف کی اصلاح کے لیے جو تدابیر الٰہیہ کام کررہی ہیں وہ بھی محسوس ہونے لگیں۔ اس وقت وہبی کا استناد، اول الذکر قوت عقلی پر ہو غرض اس سے پہلے عقلی فیصلہ کی اس قوت وہبی سے تائید ہورہی ہو۔

Marfat.com

(ج) اس کے بعد قرآن حکیم کے حقائق پر عقلی اور وہبی ہر دو قوتوں سے غور کرنا اور اس کے تاریخی انقلابات کو مرتب طور پر سوچنا، سامنے لانا اور واضح کرنا۔ پھر اس علم کی ایک تعلیم گاہ بنا کر راسخین فی العلم تیار کرنا۔ جو اپنے زمانہ میں اور آئندہ آنے والے دور میں قرآنی تعلیمات کو ملل اور ادیان کے مقابلہ میں قائم رکھ سکیں ۱۴۔

الفوز الکبیر میں شاہ صاحب نے شان نزول کی جو بحث کی ہے اس کی تشریح کرتے ہوئے مولانا سندھی لکھتے ہیں۔

''اور آیات احکام کا مطلب یہ بتلایا کہ اجتماعی طور پر انسانوں میں جو بداخلاقیاں اور بداعمالیاں موجود ہیں ان کو ان آیات کا سبب نزول سمجھنا چاہیے۔ عرب وعجم کے تقدم وتاخر سے ان کو کوئی تعلق نہیں، الفوز الکبیر میں ہے محقق آنست کہ وجود اعمال فاسدہ و جریان مظالم درمیاں ایشان سبب نزول آیات احکام است ۱۵۔

فصل (۲) میں مولانا سندھی فرماتے ہیں قرآن شریف میں انبیاء کے قصے مکررسہ مکرر موجود ہیں۔ انسان بے ترتیبی سے پڑھتے پڑھتے اکتا جاتا ہے شاہ صاحب نے عامہ کتب الٰہیہ کے لیے تین اصول مقرر کیے ہیں جن کے بعد وہ تمام قصے ایک اعلیٰ روحانیت پیدا کرنے کا ذریعہ بن جائیں گے۔ وہ تین اصول حسب ذیل ہیں۔

(۱) التذکیر بآلاء اللہ (۲) التذکیر بایام اللہ (۳) التذکیر بالموت ومابعدہ آپ نے ان تین فنون پر الفوز الکبیر کے مقدمے میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ قرآن شریف سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ذکر، یعنی تذکیر کے لیے نازل ہوا، قال اللہ تعالیٰ شانہ ''ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر'' تذکیر مذکور کی بحث کو مستقل طور پر کسی نے ہاتھ تک نہیں لگایا عام واعظ اور قصہ گو لوگ ان آیتوں میں تصرف کرتے رہے اور ان کی بحثیں ایک طرح

Marfat.com

تلاعب کے درجہ تک جا پہنچیں ۱۶۔ مولانا سندھی کا خیال ہے کہ مابعدالموت جو زندگی قرآن ثابت کرتا ہے شاہ صاحب کے ہاں مسلسل عقلی نتائج کا مجمل بیان ہے عقل صریح کی پوری تائید کے بغیر کوئی چیز قرآن منوانے کی خواہش نہیں رکھتا ۱۷۔ فصل سوم میں مولانا سندھی کہتے ہیں: ہماری سمجھ میں شاہ صاحب کے مباحث (دربارۂ مخاصمہ) کا خلاصہ یہ ہے کہ علم اخلاق جو احکام شرعیہ کے ضمن میں ملحوظ ہے۔ اس کی تعلیم دو طرح دینی چاہیے اول بطریق اوامر و نواہی۔ دوم ان اخلاق حمیدہ کے تارکین کی زندگی میں جو معائب پیدا ہوتے ہیں ان کی تفصیل بتائی جائے ۱۸۔ اپنے مقالے کے فصل چہارم میں مولانا سندھی نے شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی ان کوششوں کا ذکر کیا ہے جس کے نتیجہ میں ان کے زیر تربیت ایک جماعت تیار ہوگئی جس نے قرآن مجید سے حد درجہ شغف رکھا اور اس کے معنی و مطالب سے اپنے اذہان قلوب اور اعمال کو منور کیا۔ شاہ صاحب نے قرآن مجید کا ترجمہ جو فارسی زبان میں کیا اور اس پر مختصر حواشی لکھ دیے اس کام کی اہمیت انہیں یورپ جا کر سمجھ میں آسکی ۱۹۔ شاہ صاحب نے "کتب علیکم القصاص فی القتلی" کی جو تفسیر و ترجمہ کیا ہے اس کے بارے میں مولانا سندھی کہتے ہیں قصاص کا ترجمہ مساوات اور مماثلت، غالباً آپ کو کسی تفسیر میں نہیں ملے گا۔ انسانی مساوات کو یہاں بنائے حیات قرار دیا گیا ہے۔ کما قال تعالیٰ شانہ ولکن فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب لعلکم تعقلون ۲۰۔ سورہ رعد کی آخری آیتوں اولم یرو ناناتی الارض ننقصہا من اطرافہا واللہ یحکم لا معقب لحکمہ واللہ سریع الحساب پر شاہ صاحب کا حاشیہ پڑھنے کا مشورہ دیتے ہیں اور اس کے بعد فرماتے ہیں اس سے مکہ معظمہ ہی میں اسلامی حکومت کی تاسیس آپ کو سمجھ آنے لگے گی اور اس سے بہت سے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے میں آپ کو سہولت ہوگی۔ پارٹی پالیٹکس کی بنیاد اس بیان میں روشن نظر آتی ہے جس کی تفصیل فیوض الحرمین میں زیادہ موجود ہے وہاں آپ نے سلطنت کو خلافت ظاہرہ سے تعبیر کیا ہے اور سلطنت

Marfat.com

پیدا کرنے والی پارٹی کو آپ خلافت باطنہ کا نام دیتے ہیں (دیکھوص ۶۷) قرآن کی حکومت پیدا کرنے والی پارٹی ہی کا نام حزب اللہ ہے۔ اسی طرح سیاسی مسائل پر غور کرنے کی توجہ شاہ صاحب کی کتابیں پڑھنے سے پیدا ہوتی ہے ۲۱۔ شاہ صاحب کے ترجمہ قرآن کے پڑھنے کا مشورہ یوں دیتے ہیں: ''قرآن عظیم کا مذکورہ بالا ترجمہ میرے نزدیک ایک ہندوستانی کے لیے تمام تفاسیر سے بہتر کتاب ہے اس کے ازبر کر لینے کے بعد دوسری تفاسیر پڑھنی چاہیے'' ۲۲۔ مولانا سندھی نے قرآنی حکمتوں کے تعلق سے شاہ صاحب کے مراد کوئی اور فصلوں میں پیش کیا ہے جس میں محکمات اور متشابہات کی بحث بھی ہے اور اس کی صراحت میں وہ کہتے ہیں کہ شاہ صاحب کے علوم میں یہ خاص قوت ہے کہ وہ متشابہات کے معانی راسخین فی العلم کے لیے تحقیقی راہ سے سمجھے جاسکتے ہیں اور یہ کہ یہ تکمیلی علوم میں شامل جانتے ہیں ۲۳۔ رسوخ فی العلم کا مطلب سمجھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسے عالم کے معلومات میں کہیں تناقض نہیں ملتا جو چیزیں بظاہر متعارض ہیں وہ ایک قاعدے کے اندر اس کی نظر میں جمع ہو جاتی ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے مکتوبات مدنی کے شروع میں لکھا ہے کہ ہمارے دور کے علوم خاصہ میں چوٹی کا علم تطبیق آراء ہے۔ اسی کلیہ کے ماتحت وہ وحدت شہود اور وحدت وجود کی تطبیق اسی رسالہ میں بیان کرتے ہیں ۲۴۔ ناسخ و منسوخ کے ضمن میں شاہ صاحب کی تحقیقات کا ذکر کرتے ہوئے مولانا سندھی کہتے ہیں۔ شاہ صاحب کے رسوخ فی العلم کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے نسخ فی القرآن کے مسئلہ کو اطمینان بخش طریقہ سے حل کر دیا۔ الفوز الکبیر میں اس کی مفصل بحث موجود ہے۔ شاہ صاحب نے نسخ کا لغوی ترجمہ متقدمین کی اصطلاح کو مانتے ہیں۔ متقدمین جب کسی آیت کو منسوخ کہیں گے تو اس سے ان کی مراد کوئی خاص اصطلاحی معنی نہیں ہوں گے۔ بلکہ لغوی مفہوم جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے وہی ان کی مراد ہوتا ہے۔ اگر کوئی مضمون ایک دفعہ مطلق یا مجمل بیان کر دیا جائے اور دوسرے موقع پر مطلق کی قیود واضح کر دی جائیں یا اجمال کو تفصیل سے بدل دیا جائے تو

Marfat.com

لغوی طور پر دونوں جگہ کہا جائے گا کہ دوسرے مضمون نے پہلے کو منسوخ کر دیا ۲۵۔
شیخ جلال الدین سیوطی الاتقان میں بیس سے زیادہ آیتیں منسوخ تسلیم نہیں کرتے۔
شاہ صاحب مذکورہ بالا بیس آیتوں میں بھی تطبیق دے کر نسخ کو پانچ آیتوں میں منحصر کر دیتے ہیں۔ مولانا سندھی اس کے بعد اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں ''جس شخص نے پندرہ آیتوں کی تطبیق غور سے پڑھی وہ باقی ماندہ پانچ آیتوں میں بھی بآسانی تطبیق دے سکتا ہے۔ شاہ صاحب صراحۃً یہ نہیں کہتے کہ قرآن شریف میں کوئی آیت منسوخ نہیں اور وہ اس طرح صراحۃً لکھتے تو بعض معتزلہ کے قول سے تشابہ ہو جاتا اور عامہ اہل علم اس پر غور کرنا ہی چھوڑ دیتے ۲۶۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے قرآنی حکمتوں کو نہ صرف اجاگر کیا بلکہ اس مبارک سعی کے نتیجہ میں برصغیر پاک و ہند کی تاریخ حکمائے اسلام کی ایک اچھی فہرست بنا سکتی ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت قاری محمد طیب صاحب، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا ابوالحسن علی ندوی اس قبیل کے سرخیل شمار ہوتے ہیں ۲۷۔ قرآن پاک سے متعلق اور بہت سے موضوعات جیسے حروف مقطعات، اسلوب و بیان وغیرہ پر شاہ صاحب نے حکمت کے انمول موتی بکھیرے ہیں۔ جن سے تشنگان علم ہمیشہ اپنا دامن بھرتے رہیں گے اور ان کی نگارشات اور رشحاتِ قلم کو تنقید کے اعلیٰ اصولوں کی کسوٹی پر بھی پرکھیں گے۔ لیکن مولانا عبیداللہ سندھی صاحب کا معاملہ ذرا مختلف ہے۔ وہ دین و وطنیت میں تطبیق کی کوشش کرتے ہیں اور ایسے طریقے سے دین کی بنیادیں ہی ہل جاتی ہیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی اس سلسلہ میں رقم طراز ہیں:

''ان کو حنفیت میں اس لیے دلچسپی نہیں کہ وہ دلائل کے لحاظ سے قوی اور اپنی حجت کے لحاظ سے پرزور ہے بلکہ اس کے ساتھ ان کی عصبیت اس لیے ہے کہ امام صاحب نسلاً غیر عرب بلکہ عجمی بلکہ ہندی بلکہ سندھی تھے اور اس لیے حنفیت ہندیت ہے، ان کو مسئلہ وحدۃ الوجود سے اس لیے عقیدت نہیں کہ قرآن و حدیث

Marfat.com

سے اس کی تائیدیں مل سکتی ہیں اور ربط حادث یا قدیم کے فلسفیانہ معمے کا حل اس کے ذریعہ سے آسانی سے ہوجاتا ہے۔ بلکہ اس لیے ہے کہ یہ مسئلہ ہندو ویدانت میں بھی ایک طرح سے وحدۃ الوجود کی صورت میں ملتا ہے اور اس لیے ہندو مسلم اتحاد کے لیے یہ عقیدہ مضبوط کڑی کا کام دے سکتا ہے۔ بلکہ اس کے ذریعہ وہ ساری انسانیت کو ایک کر سکتے ہیں، تصوف کو ہندو یوگ سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش بھی اسی اصل کی فرع ہے ۲۸۔ آگے وہ مزید صراحت کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور ان کے بابرکت خانوادہ سے اس لیے گرویدگی نہیں کہ ان کے برکات ہندوستان میں من جانب اللہ مؤید اور مشاہد ہیں، بلکہ اس لیے ہے کہ یہ ہندی نژاد خانوادہ ہے اور اس کی تلقینات وتاویلات وتعبیرات کے اختیار کرنے سے وہ ''عربی اسلام'' کو ہندی اسلام بنا سکتے ہیں اور اس سلسلہ سے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور اکبر ایک ہی ''ہندی دین الٰہی'' کے مبلغ بنائے جا سکتے ہیں۔ لیکن دین کی تخریب کے لیے اس سے زیادہ بھی کوئی مہلک اور خطرناک راہ ہوسکتی ہے؟ ۲۹ مولانا سندھی نے یورپ کے پارٹی پالیٹکس کو قرآنی مراد قرار دیا ہے۔ موجودہ زمانے کا سیاسیات کا ایک ادنی طالب علم بھی اس حقیقت سے واقف ہے کہ مغرب کی مادہ پرست تہذیب میں سیاسیات اور اس سے متعلق ادارے صرف اپنی ہیئت کے اعتبار ہی سے مختلف نہیں ہیں بلکہ ان میں جوہری فرق ہے۔ اسلام میں سیاست اور سیاسی اداروں کی نوعیت ہی دوسری ہے۔ مغربی سیاست میں پارٹی کا وجود ایک الگ اور دوسرے سے جداگانہ وجود یعنی Mutually exclusive entity کا نام ہے۔ اسلام میں ایمان وعمل صالح سے ترکیب پانے والا معاشرہ کسی ایسی اجتماعیت کو اپنے اندر پنپنے نہیں دے گا جس کا وجود ہی معاشرہ کے اندر مستقل خلفشار اور انتشار کا باعث بنے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے قرآن کریم کو اسلام میں جس مرکزی حیثیت سے پیش کیا اس سے ان کی مراد ہرگز وہ نہیں ہوسکتی جو منکرین حدیث اس سے ثابت کرنا

Marfat.com

چاہتے ہیں۔ شاہ صاحب نے اگر قرآنی حکمتوں کو واضح کیا ہے وہاں ان کی مراد یہ نہیں ہوسکتی ہے کہ لوگ عقل کو ہی آخری اور معتبر ترین ذریعہ علم سمجھیں اور وحی الہام کا انکار کر بیٹھے۔ شاہ صاحب نے قرآن کریم کا فارسی میں ترجمہ کر کے جس کوشش کا آغاز فرمایا اس کی صراحت انھوں نے خود فرمائی ہے تا کہ لوگ قرآن کی طرف متوجہ ہوں۔ اس کو پڑھیں، سمجھیں اور اس کے مطابق اپنی زندگی درست کریں۔ اب اسے کوئی صاحب ہندوستانی قومیت کی تشکیل دینا چاہیے تو یہ حد درجہ زیادتی ہوگی شاہ صاحب کے کارناموں کی قدر و قیمت کا اندازہ مولانا شبلی کے اس بیان سے لگایا جاسکتا ہے:

"ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد بلکہ خود انہی کے زمانہ میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزل شروع ہوا۔ اس کے لحاظ سے یہ امید نہیں رہی تھی کہ پھر کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہوگا، قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشہ دکھلانا تھا کہ اخیر زمانہ میں جب کہ اسلام کا نفس واپسیں تھا، شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی اور ابن رشد کے کارنامے ماند پڑ گئے" ۳۰۔

حواشی و مراجع

۱۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، تجدید و احیائے دین، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۱۹۸۲ء، ص ۱۱۲

۲۔ سید ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، حصہ پنجم، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ، ۱۹۸۹ء، ص ۱۳۰

۳۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، محولہ بالا، ص ۹

۴۔ حوالہ مذکور، ص ۹۱-۹۲

۵۔ حوالہ مذکور، ص ۱۱۰، مولانا مودودیؒ نے محولہ بالا کتاب میں بڑی شرح و بسط کے ساتھ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے تجدیدی کارنامہ پر بحث کی ہے، جس

Marfat.com

میں ان کے تنقیدی اور تعمیری کام کی نوعیت کی وضاحت کے ساتھ ساتھ چند معاملات میں اپنے ذہنی تحفظات کا بھی ذکر کیا ہے، خاص طور پر مولانا مودودیؒ شاہ صاحب اور دوسرے بزرگوں کی تصوف آمیز زبان کے استعمال کو یہاں کی اصلاحی کام کے لیے مناسب خیال نہیں کرتے ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ محولہ بالا کتاب ص ۱۱۹--۱۳۰۔

۶۔ سید ابوالحسن علی ندوی، محولہ بالا، ص ۱۳۱

۷۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی (مرتب)، حجۃ اللہ البالغہ-ایک تجزیاتی مطالعہ، شاہ ولی اللہ دہلوی ریسرچ سیل، ادارہ علوم اسلامیہ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ، ۲۰۰۲ء، تقدیم، ص-س۔

۸۔ مولانا محمد سعود عالم قاسمی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی قرآنی فکر کا مطالعہ، اسلام بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی ۱۹۹۴ء، ص ۹

۹۔ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام، حجۃ اللہ البالغہ میں قرآن کریم سے استشہاد، ص ۶

۱۰۔ مولانا سعود عالم قاسمی، محولہ بالا کتاب، چوتھا باب شاہ صاحب کی تصانیف کے تنقیدی مطالعہ پر ہی مبنی ہے۔

۱۱۔ سعید احمد پالن پوری، رحیم بخش، بے، ایم، ایس بلیان، جی، این جلبانی، محمد الغزالی مرسیا ہرمینسن اور محمد یٰسین مظہر صدیقی کے نام بھی اس ضمن میں قابل ذکر ہیں۔

۱۲۔ مولانا محمد منظور نعمانی، مدیر الفرقان، امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا اجمالی تعارف، مکتبہ الفرقان، بریلی، ص ۲

۱۳۔ ملاحظہ ہو مسعود عالم ندوی کی کتاب مولانا سندھی اور ان کے افکار و خیالات کا مقدمہ از مولانا سید سلیمان ندوی، ص ۱۳-الف

۱۴۔ مولانا عبیداللہ سندھی، امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا اجمالی تعارف، مکتبہ الفرقان، ص ۱۰-۱۱

Marfat.com

۱۵؎ ایضاً، ص ۱۱

۱۶؎ ایضاً، ص ۱۲-۱۳

۱۷؎ ایضاً، ص ۱۴

۱۸؎ ایضاً، ص ۱۴

۱۹؎ ایضاً، ص ۱۷

۲۰؎ ایضاً، ص ۱۷

۲۱؎ ایضاً، ص ۱۷-۱۸

۲۲؎ ایضاً، ص ۱۸

۲۳؎ ایضاً، ص ۱۸

۲۴؎ ایضاً، ص ۲۱

۲۵؎ ایضاً، ص ۲۴

۲۶؎ ایضاً، ص ۲۴-۲۵

۲۷؎ ملاحظہ ہو ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی کا مضمون حجۃ اللہ البالغہ اور المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ، پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی کی مرتبہ کتاب حجۃ اللہ البالغہ- ایک تجزیاتی مطالعہ، ص ۲۵۷-۲۷۱

۲۸؎ ملاحظہ ہو مسعود عالم ندوی کی محولہ بالا کتاب میں سید سلیمان ندوی کا مقدمہ، ص ۱۵/الف

۲۹؎ ایضاً، ص ۱۵/الف

۳۰؎ مولانا شبلی نعمانی، علم الکلام، ص ۱۱۷

Marfat.com

شاہ ولی اللہ کا تصور سعادت اور قرآن

ڈاکٹر حیات عامر حسینی ☆

فلسفہ اسلامی اور تصوف میں تصور سعادت کو ایک کلیدی اہمیت حاصل ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ تصوف کی اصل اور انتہا حصول سعادت ہی ہے۔

تکمیل سعادت کے معانی پر فلاسفہ اور صوفیاء نے طویل بحثیں کی ہیں فلاسفہ میں یعقوب الکندی نے پہلی بار اس تصور پر بحث کی اور اس کے بعد آنے والے فلاسفہ نے اس کا تتبع بھی کیا اور اپنی فکر اور طریق (Methodologies) کے مطابق اس کی نئے معانی مرتب کیے اور تشریح و تعبیرات سے نئی جہتیں دیں ان فلاسفہ میں ابونصر الفارابی، ابن سینا و ابن مسکویہ اور اخوان الصفا کو بڑی اہمیت حاصل ہے لیکن ان کی تشریحات و تعبیرات کے سلسلہ میں یہ بات بڑی اہم ہے کہ یہ فلسفۂ یونانی سے بہت زیادہ متاثر اور قریب ہیں اور ان کا تعلق محض مابعد الطبعیات اور حیات اخروی سے نہیں بلکہ سماجی اور سیاسی حیات سے بھی ہے۔ الکندی کے خیال میں سعادت علت اول (Primal Cause) کا علم اور اس کی پہچان ہے۔ علت اور واجب الوجود ہے یہ علم فلسفہ کی انتہا اور اس کا مقصد ہے اسی لیے اس نے فکری زندگی کو عمل یا عملی زندگی پر فوقیت دی، الکندی کے یہ خیالات مختلف صورتوں میں اس کے متبعین کے ہاں مختلف صورتوں میں سامنے آتے ہیں۔

☆ ایسوشی ایٹ پروفیسر شعبہ فلسفہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

Marfat.com

الفارابی کے ہاں یہ مسئلہ مادہ اور روح کی علیحدگی پر منتج ہوتا ہے کیونکہ سعادت جسے وہ خیر اولی کا نام بھی دیتا ہے کا حصول صرف اسی وقت ممکن ہے جب روح مادہ سے الگ ہو جائے۔

الفارابی استاد دوم کے نام سے مشہور ہیں اور اس کے بعد آنے والے فلاسفہ نے اسی کا کم و بیش تتبع کیا لیکن جونکتہ یہاں سامنے آتا ہے اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا وہ ہے، یونانی تہذیب و علم کے اثرات اور ان کی تعبیرات کے شوق میں مادہ اور روح میں تفریق، جو قرآنی تعلیمات کے کلی منافی ہے۔

اور یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جس پر ان کی ساری فکری عمارت کھڑی ہے اور یہی مسئلہ بھی ہے جس نے تصوف میں ہزاروں گل کھلائے۔

شریعت اور طریقت کی خانہ بندی کو پاٹنے میں دو صدیاں لگیں اس کا آغاز شیخ الطائفہ حضرت شیخ جنید بغدادی نے کیا اور امام غزالی نے اس کی تکمیل کی۔

یہ تفریق پہلے نہ تھی، حضرت خواجہ حسن بصری، حضرت رابعہ بصری اور اسی قبیل کے دوسرے صوفیاء زہاد و نساک اور محبّ تھے اور ان کا سارا زور اس بات پہ تھا کہ اس زمانے کی سیاسی و سماجی ابتری سے الگ رہ کر خدا سے لو لگائی جائے۔ خوف خدا و محبت خدا اور علم خداوندی وہ سیڑھیاں تھیں جن کے ذریعے انسان کی کامیابی یا سعادت کا حصول ممکن تھا۔

وہ نظریہ ساز (Theoritician) نہیں تھے لیکن یہ تصورات جو ابتدءاً اخلاقی کوائف نظر آتے ہیں غور سے دیکھا جائے اس مابعد الطبعیات میں پیوستہ ہیں جسے ہم توحید کہتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے سعادت کی تشریح کرتے ہوئے توحید پر ایک مدلل بحث کی ہے اور اسے سعادت اور تمام نیکیوں کی بنیاد قرار دیا ہے حضرت شیخ الطائفہ نے دوسرے الفاظ میں یہی بات کہی تھی جب انھوں نے یہ کہا کہ ہم کسی ایسے تصوف کو نہیں مانتے جس کی بنیاد قرآن اور سنت نبوی ﷺ نہ ہو۔ حضرت شاہ

Marfat.com

صاحب نے توحید کو اصل سعادت قرار دے کر اسلام کے اصول اساسی، اس کی مابعد الطبعیات اور اخلاقیات کو باہم مربوط قرار دیا ہے، تمام اخلاقی اقدار اور محاسن کی بنیاد توحید ہے اور تمام معائب کی جڑ شرک ہے جو توحید سے انحراف و انکار ہے تمام حسنات اور تمام اخلاقی محاسن جیسے محبت، رضا، شکر، عدل، صبر، توکل، علم، پاکیزگی، حیا، قناعت، سخاوت اور شجاعت و ایثار کی اصل توحید کا علم اور اس کا اقرار ہے۔

شرک عدل کی ضد ہے اور سراسر ظلم ہے، یہ جھوٹ، ریا، لالچ، جہالت، ناشکری، ناپاکی اور بزدلی کی اصل اور اس کا محور اور انتہا ہے کیونکہ اس سے بڑا جھوٹ اور ظلم اور ناپاکی کیا ہوسکتی ہے کہ اس کائنات کے تنہا و یکتا خالق کے ساتھ ہزاروں خداؤں کو جوڑ دیا جائے، ان کی عبادت کی جائے اور ان سے مرادیں مانگی جائیں۔

قرآن جس اخلاقی نظام، اور جن اخلاقی محاسن کی تعلیم دیتا ہے ان کا عملی نمونہ پیغمبر ﷺ کی ذات ہے جسے قرآن، خلق عظیم، کے نام سے یاد کرتا ہے، یوں قرآن اور پیغمبرؐ جڑے ہوئے ہیں قرآن توحید کی تعلیم ہے اور رسول ﷺ اس کا عملی پیکر مبلغ اور شارح۔

تصوف کے معنی اگر ایک لفظ میں لیے جائیں تو کیا تزکیہ نفس کہنا کافی نہیں اور تزکیہ نفس کو قرآن نے پیغمبر کا فرض منصبی قرار دیا ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ۔ (البقرہ/۱۲۹)

یہ فرض منصبی چار اہم امور پر محیط ہے تلاوت آیات، تعلیم کتاب، تعلیم حکمت اور تزکیہ نفس۔

غور سے دیکھیے تو تصوف کی ساری تعلیم اور سعادت کا سارا محور یہی چار اساسی نکتے ہیں۔

Marfat.com

حضرت شاہ صاحب نے توحید کی تشریح کرتے ہوئے اس کے چار مرتبے گنوائے ہیں۔

۱- صفت واجب الوجود کو باری تعالیٰ سے مختص کرنا۔

۲- تمام کائنات کا خالق خدا کو ماننا۔

۳- تمام چیزوں کا مدبر خدا کو ماننا۔

۴- اور عبادت کا سزاوار صرف اسے سمجھنا۔

توحید کو وہ انتہا درجہ عاجزی اور انکساری قرار دیتا ہے یہی اصل عبادت ہے، اور یہی سعادت کے تمام اسباب میں بڑی چیز ہے اسی سے انسان کو علم اور تقدس حاصل ہو جاتا ہے۔ صفات خداوندی کا علم اور ان پر ایمان سعادت کے لیے لازمی ہے کیونکہ اسی سے بندے اور خدا کے درمیان تعلق کا وہ دروازہ کھل جاتا ہے جس سے بندے پر خدا کی بزرگی اور کبریائی منکشف ہونے لگتی ہے، یہی انکشاف کبریائی ہی سعادت ہے۔

انکشاف کبریائی یا دیدار خداوندی تمام عبادات کی وجہ، ان کا مغز اور ماحصل ہے۔

صوفیا نے سعادت کی مختلف تشریحات کی ہیں، حضرت امام غزالیؒ کی سعادت پر بحث سب سے مربوط و منظم اور اعلیٰ درجے کی ہے اور ان کے بعد آنے والے تمام صوفیائے کاملین نے کم و بیش اسی کا تتبع کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی تعلیمات پر بھی اس کے اثرات واضح نظر آتے ہیں۔

سعادت کے معنی منتہائے کمال کے ہیں، جو صفت جس چیز کو نمایاں کرتی ہے وہ اس کی سعادت کہلاتی ہے جیسے بلندی پہاڑ کی سعادت ہے، تروتازگی اور رنگ روپ پھول کی سعادت ہے، زور آوری، غضب، شہوت مختلف حیوانات کی سعادت ہے۔

لیکن کچھ صفتیں اور خصلتیں انسانوں اور حیوانوں میں مشترک ہیں اور کچھ

Marfat.com

صفتیں اور خصلتیں انسانوں اور حیوانوں میں مشترک ہیں اور کچھ صفتیں محض پرندوں اور جانوروں سے وابستہ ہیں، جن کو ہم صنعتیں کہہ سکتے ہیں جیسے مکھی کا چھتہ بنانا یا چڑیا کا گھونسلہ بنانا وغیرہ۔

لیکن انسان کی سعادت تہذیب نفس، اخلاق حمیدہ وعمدہ تدابیر اور اعلیٰ خصائل ہیں۔ غزالی کے تصور سعادت کی مختصر تشریح یہاں لازمی ہے تاکہ ان اثرات کا ادراک ہوسکے جوانھوں نے بعد کے صوفی فکر پر ڈالے۔

امام غزالی کے فلسفہ اخلاق میں سعادت کو ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے اس پر انھوں نے بڑی طویل بحث کی ہے ان کی اخلاقیات کی پوری بحث کا ڈھانچہ ابن مسکویہ کی اخلاقیات کے مماثل لگتا ہے یہ فطرت انسانی، انسانی استعداد وقویٰ کی غضب، شہوت اور علم میں تقسیم، اخلاق کی مکمل تعبیر وتشکیل، چار بنیادی محاسن شجاعت، عقل اور عدالت اور اخلاق وکردار کی نظریاتی وعملی بنیادیں جیسے اہم مسائل پر مشتمل ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے فلسفۂ اخلاق وسعادت پر جیسا کہ پہلے ہی کہا گیا غزالی کے اثرات ہیں لیکن زیر بحث موضوع کی حدود کو سامنے رکھتے ہوئے تصور سعادت کا ایک مختصر خاکہ ضروری بن جاتا ہے۔ غزالی کے خیال میں ہر عمل کا ایک مرکزی نکتہ اور مقصد ہوتا ہے اور یہ مقصد ان کے خیال میں سعادت ہے سعادۃ کو وہ دو زاویوں سے دیکھتے ہیں۔

الف: وہ مقصد جو تمام اعمال کا مطمح نظر ہے غزالی اسے سعادت اخروی یا سعادت حقیقیہ کا نام دیتے ہیں۔

ب: وہ اعمال اور ذرائع جو مقصد کے حصول میں ممد ہوتے ہیں انھیں وہ محض سعادت کہتا ہے مقصد اعلیٰ کو فلاسفہ (Summum Bonum) کہتے ہیں۔

ذرائع کو غزالی چار حصوں میں تقسیم کرتے ہیں (الف) جو دنیا وآخرت

Marfat.com

میں فائدہ مند ہوں جیسے علم (ب) وہ ذرائع جو محض آخرت کے لیے فائدہ مند ہیں جیسے نفس امارہ کو دبا دینا۔ (ج) جو دونوں جہاں میں زیاں کا باعث ہیں (د) اور وہ جو اس دنیا میں فائدہ مند اور دوسری دنیا میں نقصان دہ ہیں۔

ان اعمال کی وہ اس طرح بھی تقسیم کرتے ہیں:

ا- جو خیر محض ہیں جیسے خوبصورت اور فرحت بخش اعمال مثلاً علم۔

ب- جن میں شر شامل ہو جیسے فائدہ مند مگر تکلیف دہ، فائدہ مند مگر بدصورت۔

ج- شر، بے فائدہ، تکلیف دہ اور بدصورت جیسے شہوت کی غلامی۔

د- جن کا فائدہ ان کے شر پر غالب ہے جیسے دولت۔

ک- جن کا شر ان کے فائدے کو زائل کر دیتا ہے جیسے بہت زیادہ دولت۔

گ- جن کے شر اور خیر میں تطبیق ہوتی ہے جیسے دولت کی مساوی تقسیم۔

امام غزالی کے خیال میں دیدار خداوندی سعادت اخروی ہے، اس کا حصول آخرت میں ہوگا، یہ سات اجزا پر مشتمل ہے۔

ا- لافانی زندگی ۲- ایسی مسرت جس میں کوئی تکلیف نہیں ۳- ایسی دولت جسے افلاس یا زیاں کا خطرہ نہیں ۴- ایسی تکمیل جس میں کوئی نقص نہیں ۵- ایسی خوشی جسے کسی غم کا خطرہ نہیں ۶- ایسی عزت جسے کسی بے عزتی کا خطرہ نہیں اور ۷- وہ علم جس میں کوئی جہل نہیں۔

یہ وہ لافانی مسرت کا علم ہے جسے کوئی زوال نہیں، اور یہی انسانی زندگی اور اعمال کا مقصد اعلیٰ ہے جسے بندہ اس دنیا میں اخلاق عالیہ کے ذریعہ حاصل کرتا ہے جس کی بنیاد اور مرکز خدا کی محبت ہے لیکن غزالی کے خیال میں محبت کی شدت جس کا دارو مدار انسان کے علم پر منحصر ہے یہی دیدار خداوندی کے جیثیات کا تعین کرے گی اس لیے علم اس دنیا میں سب سے بڑی سعادت ہے جو انسان کو محبت خداوندی کی طرف لے جاتی ہے یہ اپنے آپ میں ایک مقصد بھی ہے اور مقصد کے

Marfat.com

حصول کا ذریعہ بھی اس لیے یہ خیر محض ہے غزالی علم کو علم المکاشفہ اور علم المعاملہ کی صورتوں میں تقسیم کرتے ہیں، علم المعاملہ ہمارے معاملات اور محاسن کی تعمیر و تشکیل کرتا ہے اور یوں علم المکاشفہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

غزالی کے خیال میں محبت کی بنیاد علم ہے، اور محبت اس دل میں داخل ہی نہیں ہوسکتی جس کا تزکیہ اور تطہیر نہ ہوا ہو اس لیے کہ تطہیر قلب ہی سعادت کی بنیاد ہے، تطہیر قلب نیک اعمال کے ذریعہ ہوتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے سعادت کی تشریح یوں کی ہے۔

مندرجہ بالا دو سعادتیں سعادۃ بالطبع ہیں، اور تیسری قسم سعادۃ اصلی ہے لیکن ان کا اصلی ہونا اس بات پر منحصر ہے کہ یہ امور نفس ناطقہ اور عقل کی مطیع ہوں یعنی ان میں اعتدال اور توازن پیدا ہو جائے اور یہی شریعت مطہرہ کا منشا بھی ہے ورنہ یہ امور یا خصائل جانوروں میں بھی بکثرت پائے جاتے ہیں۔

حقیقی سعادت سے جن امور کا تعلق ہے ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ''جس میں پیدائشی طور پر نفس ناطقہ کا فیضان امور معاش میں ہوتا ہے'' لیکن شاہ صاحب کے خیال میں اس قسم سے مقصد اصلی حاصل ہونا ممکن نہیں بلکہ بسا اوقات ان افعال کی زیبائش میں ہی غرق ہونا پڑتا ہے بالخصوص فکر جزئی کی صورت میں جیسا کہ یہ اس کمال ناقص کی شان ہے جو کمال مطلوب کی ضد ہے جیسے کوئی شخص غصہ پیدا کر کے اور کشتی لڑ کر شجاعت حاصل کرنا چاہے یا عرب کے اشعار اور خطبوں کی واقفیت سے فصیح بننا چاہے۔''؟

اخلاق کا اظہار مزاحم قوتوں کے درمیان ہوتا ہے، عدل یا شجاعت یا صبر ظالم کا ہاتھ روکنا بھی ہے اور مظلوم کو ظلم سہنے سے روکنا بھی، ظلم کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرنا صفت عدل یا شجاعت یا صبر نہیں بلکہ ظلم اور بزدلی ہے۔ حالات کے مطابق قوت بہیمیہ کی تطبیق کا نام ہی اخلاق ہے۔

دوسری قسم کی سعادت یہ ہے کہ قوت بہیمیہ ملکیہ کی تابعدار ہو جائے اور

Marfat.com

اس رنگ کو قبول کرے ایسا نہ ہو کہ قوت ملکیہ ہی قوت بہیمیہ کی تابع ہو جائے قوت ملکیہ کا خاصہ یہ ہے کہ وہ ملکوت کے مشابہ ہوتی ہے اور جبروت کا ملاحظہ کرتی ہے اور یہ امر قوت بہیمیہ کی مخالف ہے وہ اس سے دور ہے اور اس مقام یا حالت کا حصول انسان کو اس وقت ہوتا ہے جب وہ قوت بہیمیہ کی خواہشات، لذائذ اور مرغوبات کو ترک کر دیتا ہے، یہی عبادت اور ریاضت ہے اور اسی کے ذریعے وہ اخلاق حاصل ہوتے ہیں جو مقصود ہیں اور موجود نہیں ہوتے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سعادت حقیقی کا حصول عبادت کے بغیر ممکن نہیں، انسان کا مقصد اصلی تطہیر نفس ہے، تطہیر نفس کے ذریعہ ہی وہ ملأ اعلیٰ کے مشابہ ہو جاتا ہے اور اسی کے ذریعہ اس میں ایسی قوت واستعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ عالم جبروت اور عالم ملکوت کے اثرات کو قبول کر سکے، اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ سعادت نوعی درست کیا جائے۔

یہاں اس بات کا بیان بہت ضروری ہے کہ افراد انسانی کے طبائع مختلف ہوتے ہیں اور بایں وجہ ان کی سعادتیں بھی مختلف ہوتی ہیں جیسے کوئی شجاع ہوتا ہے کوئی عالم ہوتا ہے، کوئی کریم ہوتا ہے وغیرہم۔ طبائع کی بنیاد پر افراد کو تین جماعتوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱- وہ لوگ جن میں کچھ خصائص موجود ہی نہیں ہوتے جیسے مخنث میں شجاعت۔

۲- وہ لوگ جن میں کچھ خصائص موجود ہوتے ہیں لیکن دبے ہوئے ہوتے ہیں ان کی اصلاح کر کے ان دبے ہوئے خصائص کو ابھارا جاتا ہے اور یہ عوام کی اکثریت ہوتی ہے۔

۳- اور وہ جوان خصائص کے امام ہوتے ہیں۔

دوسری قسم کے لوگ بعثت انبیاء کا مقصود ہیں، انبیاء و مرسلین کا کام یہ ہے کہ دبی ہوئی انسانیت کو نئی زندگی عطا کریں، اس کی اصلاح کریں اور سعادت کے

Marfat.com

حصول میں اس کی رہبری کریں پیغمبران عظام کے طبقہ کو سعادت کامل نصیب ہوتی ہے، انھیں نہ کسی کی رہبری کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ کسی کے کہنے کی، اپنی فطری مقتضیٰ سے عمل کرتے ہیں اور ان کی ہدایت اور طریق لوگوں کے لیے قانون اور سنن بن جاتے ہیں۔

سعادت کے حصول کے دو طریقے ہیں:

۱- قوت بہیمیہ سے الگ ہو جانا۔

۲-قوت بہیمیہ کی اصلاح کرنا۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے خیال میں پہلا طریقہ مجاذیب کا ہے۔ یہ لوگ تعداد میں بہت کم ہوتے ہیں، یہ قوت بہیمیہ کی اصلاح کے بجائے اس کو مٹا دیتے ہیں اور ایسے ذرائع اختیار کرتے ہیں کہ قوت بہیمیہ ختم ہو جاتی ہے اور نفس مجذوب ہمہ تن عالم جبروت کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور ان علوم کو قبول کرنا ہے جو زمان و مکان کی قیود سے پرے ہوتے ہیں، یہ تمام لوگ خواہشات سے مبرا اور لوگوں سے مہجور ہو جاتے ہیں، یہ اپنی منزل مقصود کو پا لیتے ہیں۔

میں نے اپنی کتاب (On Culture, Tasawwuf and Iqbal) میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ لوگ گرچہ عام طور پر بے شرع سمجھے جاتے ہیں، لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ شریعت کی روح میں ڈوب کر اس حقیقت کے سامنے آجاتے ہیں کہ جسے دیکھنے کے بعد مجذوب تو کجا پیغمبر تک بے ہوش ہو جاتے ہیں، ان کی نفسیاتی کیفیت بدل جاتی ہے، وہ اس دنیا میں ہونے کے باوجود اس میں نہیں ہوتے، اصل بات لباس یا غذا یا مکان کی تبدیلی نہیں، انسانی نفس کی تبدیلی ہے، اور تبدیلی کا ایک درجہ نہیں ہوتا، ہزاروں لوگوں نے یہ احمد جام کا شعر سنا ہوگا۔

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

Marfat.com

لیکن کتنے ہیں جنھوں نے اس کے معانی کی وہ گرہ پالی جو حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ نے پائی اور ایسی حقیقت ان پر منکشف ہوئی کہ ایسی حالت وجد کی طاری ہوگئی کہ محض چند گھنٹوں میں جان جان آفریں کے حوالے کردی، بقول حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ان میں لاہوتی کشش زیاہ ہوتی ہے، اس طریق میں سخت ریاضت اور نہایت درجہ فراغ خاطر کی ضرورت ہے جو بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے، اس طریقہ کے پیشواؤں کو دعوت دین کا منصب حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ جو چیز عوام کی ہے ہی نہیں اس کی عوام میں پیشوائی کیسی، اور معاملہ یہ بھی ہے کہ یہ شریعت کا مقتضی بھی نہیں، کیونکہ اگر سارے ہی لوگ اس راہ پر چل پڑیں یا مجذوب بن جائیں تو یہ دنیا ہی ویران ہوجائے گی۔

دوسرا طریقہ عوام کا ہے ان کی ہدایت کے لیے صاحب اصلاح لوگ ہوتے ہیں اور ان کے لیے ایسی تعلیمات اور طریقے ہیں، جن میں کچھ تنگی نہیں، اسی سے ان کی اصلاح نفس ہوتی ہے۔

اخلاقیات اور اخلاقی اقدار کا تعلق دوسری قسم کی سعادت سے ہے، شاہ ولی اللہ کے خیال میں یہ سعادت حاصل کرنے کے بہت سے طریقے ہیں لیکن ان کی انتہا چار خصلتوں پر ہوتی ہے ان ہی اوصاف کے قبول کرنے سے انسان کو ملأ اعلیٰ سے ہم رنگی ہوجاتی ہے انبیاء علیہم السلام ان ہی اوصاف کی تعلیمات کے لیے بھیجے گئے، تمام شریعتیں ان ہی کی تفصیل ہیں، یہ خصائل ہیں، الف: طہارت، ب: عجز، ج: سماحت، د: عدالت۔ ان چار نکات پر میں نے اپنے مقالہ شاہ ولی اللہ کے فلسفۂ اخلاقیات کی مابعد الطبیعاتی بنیادیں" میں طویل بحث کی ہے۔ لفظ طہارت تمام نجاستوں سے پاکی پر محیط ہے۔

طہارت بدن اور طہارت لباس، طہارت نفس کی شرط اولین ہے، تمام بدنی عبادات کے لیے طہارت بدن اور لباس اور تمام ذہنی و روحانی عبادات کے لیے طہارت نفس ضروری ہے۔ تزکیہ نفس عبادات کے ذریعے ہوتا ہے کمالات

Marfat.com

روحانیہ کے حصول میں طہارت قوت عملی کے طور پر سب سے اہم ہے، طہارت نفس جس کی بنیاد طہارت بدن ولباس ہے انسان میں ملأ اعلیٰ کے مشابہ ہونے، فرشتوں کے الہامات اور نورانی کیفیات قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔

عجز: معرفت ذات خداوندی اس کی صفات اور آیات کی معرفت سے حاصل ہوتی ہے، اور جب انسان کو خدا کی عظمت اور اپنی حیثیت کا احساس اور عرفان ہوجاتا ہے تو اس پر عجز کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے یوں اس کا میلان عالم قدس کی طرف ہوجاتا ہے، یہ حالت عجز معرفت خداوندی کو اس پر منقش کردیتی ہے اور اسے بارگاہ ایزدی میں لے جاتی ہے اور وہ اس کے جلال و جمال اور تقدس میں مستغرق ہوجاتا ہے اور یوں اس کی حالت ملأ اعلیٰ سے مشابہ ہوجاتی ہے۔ قوت سماحت کے معنی تمام سفلی خواہشات سے نفس کو اس طرح پاک کرنے کے ہیں کہ جیسے وہ کبھی اس انسان میں تھیں ہی نہیں، یہی جواں مردی اور سخاوت ہے کیونکہ تمام حیوانی خواہش اور لذات اور ان کے اثرات سے پاک ہونا بہت ہی زبردست ہمت، قوت فیصلہ اور عمل کا متقاضی ہے سماحت، سخاوت اور اس کی مخالفت بخل ہے شرم گاہ اور شکم میں سماحت پارسائی اور مخالفت حرص اور ناپاکی ہے، عیش وآرام سے دور رہنے کی سماحت صبر ہے اور اس کی مخالفت بے صبری۔ غرض سماحت ایک حالت ہے جو کمال علمی یا عملی کی مخالف باتوں سے انسان کو روکتی ہے۔

عدالت: یہ وہ نفسانی ملکہ ہے جس کے افعال کی وجہ سے شہر اور قوم کا انتظام بسہولت قائم ہوجاتا ہے، لیکن غور سے دیکھا جائے تو یہ لفظ نہ صرف انسانی بلکہ کائناتی زندگی پر محیط ہے۔

عدل کی ابتداء انسان کا اپنی ذات سے عدل کرنا ہے عدل ہی اسے خدا، کائنات، اور اس کی ہر شے کے بارے میں مناسب، متوازن اور صحیح رویہ، نظریہ اور عمل کی راہ پر ڈالتا ہے اور اگر وہ ظالم بن جاتا ہے تو سب سے پہلے ظلم اپنے آپ پر

Marfat.com

کرتا ہے کیونکہ وہ راہ مستقیم سے ہٹ کر نہ صرف خود کو بلکہ ساری دنیا کو فساد سے بھر دیتا ہے، یوں وہ ان تمام صلاحیت، خصائص، خصائل، اعمال اور انعامات سے محروم ہو جاتا ہے جو اسے ملأ اعلیٰ کے مشابہ اور دیدار خداوندی کے لائق بناتی ہیں۔

پیغمبران عظامؑ کی بعثت کی بنیادی وجہ اور مقصد عدل کا قیام ہے۔ تا کہ دنیا نور کی طرف آجائے اور تمام انسان متصف بہ عدالت ہو جائیں۔ جو شخص اس نور کے پھیلانے میں مددگار بنتا ہے وہ قابل رحمت ہو جاتا ہے اور جب انسان میں صفت عدالت متمکن ہو جاتی ہے تو اس میں اور حاملین عرش و مقربین بارگاہ فرشتوں میں جو جود الٰہی اور برکات کے لیے ذریعہ ہیں اشتراک پیدا ہو جاتا ہے اور اس میں اور ان فرشتوں میں فیضان کا دروازہ کھل جاتا ہے'' یہ صفت اسے فرشتوں کے رنگ میں رنگ دیتی ہے وہ ان کے الہام اور علوم سے مستفیض ہو جاتا ہے۔

یہ چاروں خصلتیں انسان کو اس کی اپنی فطرت پر لے آتی ہیں اور وہ اس حدیث قدسی کا مصداق بن جاتا ہے کہ ''ہم نے آدم کو اس کی صورت پر پیدا کیا'' خلق الآدم علیٰ صورته ان خصائل کے حصول کے دو طریقے ہیں۔

علمی اور عملی: علم عمل کی بنیاد ہے انسان اسی وقت کثافتوں اور خبائث اور برائیوں سے دور رہتا ہے جب اسے ان کا علم ہو۔

پیغمبر علیہ السلام ان چیزوں سے ہر زمان انسانوں کو آگاہ کرتے رہے۔

تمام برائیاں اور کثافتیں حجاب ہیں، یعنی وہ انسان کو ملأ اعلیٰ کی قربت اور دیدار خداوندی سے روکتی ہیں، شاہ ولی اللہ نے حجاب کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ طبیعت کا حجاب، رسم کا حجاب اور نافہمی کا حجاب۔

تمام نفسانی خواہشات جن کا تعلق شرم گاہ اور پیٹ سے ہے طبیعت کا حجاب ہیں جب یہ خواہشات انسان پر غالب آجاتی ہیں تو وہ رسمی اور عقلی امور کو خیر باد کہہ کر ان ہی کی تکمیل میں لگ جاتا ہے۔

کمال نوعی یعنی لباس، فخر و مباہات، دولت و ثروت، اور اس طرح کی

Marfat.com

دوسری چیزیں رسم کا حجاب کہلاتی ہیں۔

دنیا اور لذائذ دنیا کی حقیقت کو نہ سمجھنا ہی نافہمی ہے، کیونکہ اگر انسان ان کی حقیقت کو سمجھ لے تو پھر وہ حقیقت اولیٰ، اور لافانی دنیا کو چھوڑ کر ان کا گرویدہ کیوں ہو جائے۔

ان حجابات کو دور کرنے کے دو طریقے ہیں تعلیم و ترغیب اور یاضت شاقہ، جب یہ حجابات دور ہو جائیں تو انسان کا دل ایسا شیشہ بن جاتا ہے جو کشف اور الہامات کو قبول کرتا ہے اس پر علم اور حقائق کے دروازے کھل جاتے ہیں لافانی زندگی اور مسرتیں اس کے سامنے ہوتی ہیں اور وہ جلوہ خداوندی کے لائق بن جاتا ہے وہ خدا سے راضی ہوتا ہے اور خدا اس سے راضی ہو رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ یہی سعادت ہے اور یہی شریعت کا مقصد و مطلوب بھی۔

Marfat.com

ادارہ کی چند اہم مطبوعات

بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد	ابن رشد، مترجم ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی	1300
تفسیر اور اصول تفسیر	فیصل احمد ندوی	320
تاریخ ارض القرآن	علامہ سید سلیمان ندوی	560
قرآن مجید کی تفاسیریں چودہ سو برس میں		560
شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی قرآنی خدمات	پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی	350
قرآن مجید کے آٹھ منتخب اردو تراجم کا تقابلی مطالعہ	ڈاکٹر شکیل اوج	360
برصغیر میں مطالعہ قرآن	ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی	300
اسلام یہ ہے (علامہ محمد غزالی)	ترجمہ: ابو مسعود اظہر ندوی	350
محمد ﷺ سب کے لیے	عطر یف شہباز ندوی	560
سیرت نبوی ﷺ پر اعتراضات کا جائزہ	ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی	350
تذکرہ المحدثین (3 جلد)	مولانا ضیاالدین اصلاحی	1600
اسلام اور جدید فکری مسائل	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	460
رہبر تخریج حدیث	ڈاکٹر اقبال احمد محمد اسحٰق	220
تاریخ تحفظ سنت اور خدمات محدثین	ڈاکٹر اقبال احمد محمد اسحٰق	680
فقہ اسلامی (تعارف اور تاریخ)	پروفیسر اختر الواسع	320
دین رحمت	شاہ معین الدین ندوی	360
مختصر تاریخ خلافت اسلامیہ	مولانا عبدالقدوس ہاشمی	360
اسلامی فقہ کے اصول مبادی	ڈاکٹر ساجد الرحمن صدیقی	280
معلم لغۃ القرآن (نیا ایڈیشن)	سید اعجاز حیدر	300
تعدیل رجال بخاری	مولانا حبیب الرحمن الاعظمی	340
عصر حاضر کی نفسیاتی الجھنیں اور ان کا اسلامی حل	مولانا سلطان احمد اصلاحی	260

مکتبہ قاسم العلوم

رحمن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔54000

Marfat.com

کی
قرآنی خدمات

پروفیسر محمد یسین مظہر صدیقی
پروفیسر ظفر الاسلام

مکتبہ قاسم العلوم

Marfat.com